جہانگیر و نور جہاں

اسلم راہی ایم اے

سن سولہ سو سات کا ایک ابر آلود دن تھا۔

آگرہ کے دارالعدل میں جو نشستیں لگی تھیں وہ تقریباً سب بھر چکی تھیں۔ چند ایک خالی رہ گئی تھیں۔ نمایاں نشستوں پر شہنشاہ جہانگیر کے بیٹے خرم پرویز اور شہریار بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے آگے وزیر مال غیاث بیگ جو نور جہاں کا باپ تھا' پھر مہابت خاں جو بنیادی طور پر ایرانی تھا' لیکن ایک سالار کی حیثیت سے جہانگیر کے لشکر میں شامل تھا' اس کا اصل نام زمان خان تھا۔ اس سے آگے آصف خان اور ابراہیم بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ دونوں نور جہاں کے بھائی تھے۔ آصف خان جہانگیر کا وزیر بھی تھا اور پھر ترتیب کے لحاظ سے اس سے آگے راجہ مان سنگھ' عزیز کوکا' بیکانیر کا راجہ رائے سنگھ' امبر کا راجہ جگن ناتھ' میواڑ کا راجہ امر سنگھ' تین بڑے سالار پیر خاں لودھی' جو تاریخ کے اوراق میں خان جہان کے نام سے بھی مشہور ہوا۔ عبداللہ خان جو عمدہ سالاروں میں سے تھا۔

اس کے بعد اسلام خان بھی بیٹھا ہوا تھا۔ یہ بھی سالار تھا۔ اس سے آگے بندھیل کھنڈ کا راجہ بیر سنگھ' میواڑ کے راجہ کا بیٹا بھیم سنگھ' اس کا بیٹا کشن سنگھ عبدالرحیم جو تاریخ کے اوراق میں خانِ خاناں کے نام سے جانا جاتا تھا۔ اس کے بعد جہانگیر کے دربار کا مصور فرخ بیگ' دو اور مصور جن کا تعلق ثمرقند سے تھا اور وہ جہانگیر کے دربار سے وابستہ تھے' جن کے نام محمد نادر اور محمد مراد تھے۔ اس کے بعد نقاش اور سنگتراش منصور تھا' پھر گوالیار کا راجہ رام داس بیٹھا ہوا تھا۔

سب مختلف موضوعات پر گفتگو کر رہے تھے کہ باہر غلام گردش میں شہنشاہ جہانگیر کی آمد کی نوید پڑھی جانے لگی۔ اس کی آمد کی نوید سن کر سب احتراماً اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ پھر جہانگیر دارالعدل میں داخل ہوا۔ بلند شہ نشین پر جو اس کے لئے نشست بنی ہوئی تھی اس پر وہ بیٹھا۔ ایک نگاہ اپنے پہلو میں بیٹھے اپنے بیٹوں پرویز' خرم' شہریار پر ڈالی پھر قریب ہی بیٹھے

اپنے وزیر مال غیاث بیگ اور اس کے بیٹے اور اپنے وزیر اور نور جہاں کے بھائی آصف خان پر ایک گہری نگاہ ڈالی' پھر کہنے لگا۔

''اس دارالعدل میں ہمیں ایک کام یاد ہے' جو ہم نے نبٹانا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور کام ہو تو وہ مجھے پہلے سے بتا دو' جو کام اس وقت میرے ذہن میں ہے' جسے میں نے سب سے پہلے نبٹانا ہے وہ یہ کہ میں اپنے بیٹے خرم کو بلا کر اس کی دلجوئی کرنا چاہتا ہوں تا کہ آنے والے دور میں اس کے اور میرے تعلقات خوشگوار رہیں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد جہانگیر جب خاموش ہوا' تب اس کا بیٹا خرم اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''بابا حضور! اس کے علاوہ دو اور اہم کام ہیں۔ ایک کام ماضی کے نامور سالار فرید خان کی رہائی ہے۔ فرید خان کو میں ذاتی طور پر جانتا ہوں۔ میرے دادا نے اسے اس بنا پر دہلی کے زندان میں ڈال دیا تھا کہ اس نے دادا کے بنائے ہوئے دین الٰہی کو ماننے سے انکار کر دیا تھا اور پھر ستم یہ کہ اس کے ساتھ اس کے نوعمر بیٹے رستم خان کو بھی زندان میں ڈال دیا گیا اور اس کے بعد مزید ستم یہ کیا گیا کہ نامور سالار فرید خان کو دہلی کے زندان میں رہنے دیا گیا' جبکہ اس کے بیٹے رستم خاں کو آگرہ کے زندان میں منتقل کر دیا گیا۔ اس طرح دونوں باپ بیٹے کو علیحدہ کر کے ان کے اندر ایک عذاب ڈال دیا گیا۔ یہ ان پر پہلا ستم نہیں اس سے پہلے نا جانے کس نے بہترین سالار فرید خان کے اہل خانہ کے بہت سے افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ان کے قاتلوں کو ابھی تک نہیں پکڑا گیا اور نہ ہی یہ جاننے کی کوشش کی گئی ہے کہ قاتل کون ہیں؟''

یہاں تک کہنے کے بعد فرخ رکا' پھر دوبارہ جہانگیر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''تیسرا کام جو آپ نے اس دارالعدل میں نبٹانا ہے وہ یہ کہ بنگال سے خبریں آ رہی ہیں کہ بنگال میں کچھ افغانی سرکشی اور بغاوت کرنے کے درپے ہیں اور علی قلی خان یعنی شیر افگن جسے میرے دادا نے بنگال میں ایک خاصی بڑی جاگیر دی تھی' جو اپنی بیوی نور جہاں اور ایک بیٹی لاڈلی بیگم کے ساتھ بنگال میں قیام کیے ہوئے ہے۔ اس کے متعلق بھی یہ خبریں آ رہی ہیں کہ وہ بھی افغانوں کے ساتھ مل کر بنگال میں شورش سرکشی کرنے کے درپے ہے تا کہ بنگال کو ہماری مملکت سے علیحدہ کر دیا جائے۔''

یہ خبریں سن کر جہانگیر کی پیشانی پر بل پڑ گئے تھے۔ پھر اپنے بیٹے خرم کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''آج ہی اس دربار کے ختم ہونے کے بعد تیز رفتار قاصد حاکم بنگال قطب الدین کی طرف روانہ کرو' جو ہمارا رضائی بھائی بھی ہے اور اس سے تحقیق کی جائے کہ بنگال کے حالات کون خراب کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔''

''دوسری بات یہ کہ بقول تمہارے اگر نامور سالار فرید خان بے گناہ ہے تو پھر اب تک اسے رہا کیوں نہیں کیا گیا؟'' اس پر خرم کہنے لگا۔

''بابا حضور! میں نے کچھ آدمی بھیج کر فرید خان کو دہلی سے آگرہ بلا لیا ہے۔ میں چاہتا ہوں وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو۔ ہم نے ابھی تک اسے رہا نہیں کیا۔ میرے دادا نے اسے زنجیروں میں جکڑ کر زندان میں ڈالا تھا اور اس وقت بھی وہ زنجیروں میں جکڑا ساتھ والے کمرے میں بیٹھا ہے' انتہائی پریشان ہے۔ اس کا بیٹا نام جس کا رستم خان ہے' جو چھوٹی سی عمر میں زندان میں ڈال دیا گیا تھا اور اب وہ بارہ تیرہ سال کا ہو چکا ہے اسے بھی زنجیروں میں جکڑ کر زندان میں رکھا گیا تھا۔ میں نے اپنے کچھ آدمی بھیجے ہیں تا کہ اسے بھی زندان سے یہاں لایا جائے۔ اگر آپ کی اجازت ہو تو میں فرید خان کو آپ کے سامنے پیش کروں۔''

جہانگیر نے جب مسکراتے ہوئے اثبات میں گردن ہلائی' تب ہاتھ کے اشارے سے خرم نے چوبدار کو بلایا اور اسے حکم دیا کہ ساتھ والے کمرے میں فرید خان بیٹھا ہوا ہے اسے اندر لایا جائے۔

تھوڑی دیر بعد ڈھلی ہوئی عمر کا ایک شخص دارالقضا میں لایا گیا' جو زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا اور اسے جہانگیر کے سامنے کھڑا کر دیا گیا۔ اس کی گردن جھکی ہوئی تھی۔

جہانگیر کچھ دیر تک بڑے غور سے اس کی طرف دیکھتا رہا' پھر اپنے بیٹے خرم کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''یہ فرید خان ہے۔ میں اسے جانتا ہوں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ماضی کا بہترین سالار رہے۔ اگر اسے دین الٰہی پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے زندان میں ڈالا گیا تھا تو یہ غلط تھا۔ پہلے یہ کہو کہ اس کا بیٹا کہاں ہے؟''

اس پر جہانگیر نے پھر چوبدار کو بلایا اور اسے کہنے لگا۔

"جب فرید خان کا بیٹا آ جائے تو اسے بھی اندر لایا جائے۔"

تھوڑی دیر بعد چوبدار ایک بارہ تیرہ سالہ لڑکے کو اندر لے کر آیا' جو زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ اسے دیکھتے ہی خرم کہنے لگا۔

"بابا حضور! یہ رستم خان ہے فرید خان کا بیٹا۔"

دوسری طرف فرید خان کی گردن جھکی ہوئی تھی۔ جونہی اس کا بیٹا دارالقضا میں داخل ہوا اس نے چونک کر اپنے بیٹے کی طرف دیکھا اور اپنے بیٹے کو زنجیروں میں جکڑا دیکھ کر اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔ پھر تڑپ کر اس نے دونوں بازو پھیلا دیئے۔ اس پر زنجیروں میں جکڑے ہونے کی وجہ سے اپنی ٹانگوں کو گھسیٹتا ہوا اس کا بیٹا رستم خان آگے بڑھا اور اپنے باپ سے لپٹ گیا تھا۔ کچھ دیر تک باپ بیٹے کی ہچکیاں سنائی دیتی رہیں۔ اکثر نگاہیں نمناک ہو چکی تھیں۔ جہانگیر' اس کے بیٹے اور وہاں بیٹھے سب لوگ غمزدہ سے ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ جہانگیر نے چوبدار کو حکم دیا۔

"ان دونوں کی زنجیریں کھول دو۔"

چوبدار آگے بڑھا اور دونوں کو زنجیروں سے آزاد کر دیا۔

آخر جہانگیر کی آواز دارالقضا میں گونج گئی۔

"فرید خان تمہارے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔ میں تمہیں آزاد کرتا ہوں اور تمہیں اپنے لشکر میں شامل کرتا ہوں۔ تم ہمارے لشکر میں ایک سالار اور ایک باعزت کمانڈر کی حیثیت سے کام کرو گے۔"

اس موقع پر امبر کا راجہ جگن ناتھ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور جہانگیر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"شہنشاہ معظم اس موقع پر میری آپ سے گزارش ہے کہ فرید خان کا بیٹا رستم خان میرے حوالے کر دیا جائے۔ میں اس کی تربیت اور پرورش کا بہترین اہتمام کروں گا۔ اس لئے کہ ماضی میں فرید خان کے مجھ پر ایسے احسانات ہیں جن کی بنا پر اس کے بیٹے کو میں اپنا بیٹا خیال کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ اس کی اچھی دیکھ بھال ہو۔ ان دونوں باپ بیٹے کے پاس رہائش کا کوئی اہتمام نہیں۔ فرید خان کو آپ نے لشکر میں شامل کر لیا ہے۔ یہ لشکر میں قیام کر سکتا ہے۔ اس کے بیٹے کو میں اپنے ساتھ رکھ کر اس کی عمدہ تربیت کرنے کا خواہاں ہوں۔"

اس موقع پر جہانگیر نے فرید خان کی طرف دیکھا' پھر پوچھا۔

"فرید خان کیا تم اپنے بیٹے کو امبر کے راجہ جگن ناتھ کے حوالے کرنے پر آمادہ ہو۔"

اس پر فرید خان نے مسکراتے ہوئے اثبات میں جب گردن ہلائی تب جہانگیر نے رستم خان کو امبر کے راجہ جگن ناتھ کے حوالے کرنے کا فیصلہ دیا تھا۔

یہ دونوں معاملے طے کرنے کے بعد جہانگیر نے اپنے بیٹے خرم کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

"بیٹے دو کام ہم نے خوش اسلوبی سے طے کر لئے ہیں۔ اب اپنے بڑے بھائی خسرو کو بلاؤ میں اس کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کا بھی ازالہ کرنا چاہتا ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد خسرو کو دربار میں لایا گیا۔ جہانگیر نے اسے اپنے پہلو میں بٹھایا' کچھ دیر تک اس سے گفتگو کرتا رہا۔ اس کی دلجوئی کی۔ جہانگیر نے اپنے بیٹے خسرو سے عمدہ سلوک کیا اور خسرو کے لئے اس کے وقار کے مطابق محل تعمیر کرنے کی غرض سے ایک لاکھ روپے کی منظوری بھی دی۔ اس کے علاوہ جہانگیر نے اپنے بیٹے خسرو کا اعتماد بحال کرنے اور اسے قریب تر لانے کے لئے جو کوششیں کیں وہ ایک شفیق باپ ہی کر سکتا تھا۔

دراصل جہانگیر اور خسرو کا معاملہ یہ تھا کہ جہانگیر کی شادی پندرہ سال کی عمر میں ریاست امبر کے راجہ بھگوان داس کی لڑکی راجکماری مان بائی سے ہوئی تھی اور مان بائی کے بطن سے چھ اگست سن پندرہ سو اٹھہتر کو شہزادہ خسرو کی پیدائش ہوئی۔ شہزادہ سلیم' یعنی جہانگیر نے بعد ازاں مزید شادیاں کیں' اس کی مسلمان اور ہندو بیویوں کی تعداد پندرہ سے اٹھارہ بیان کی جاتی ہے۔ اس میں بہرحال سات ہندو تھیں۔ سلیم کیونکہ انتہائی نازونعمت کے ماحول میں پروان چڑھا ہوا تھا۔ وہ جلد ہی پرتعیش زندگی کا رسیا ہو گیا تھا۔ اکبر کو اس کی عادت کا شدید صدمہ تھا۔ وہ اس لئے بھی زیادہ متفکر تھا کہ اس کے دوسرے دو بیٹے دانیال اور مراد وفات پا چکے تھے۔ اس کی امیدوں اور آرزوؤں کا مرکز صرف شہزادہ سلیم تھا' لیکن وہ بھی شراب نوشی' عیش و نشاط کا رسیا ہو چکا تھا۔

چنانچہ اکبر کے وزیر ابوالفضل نے اکبر کی قرابت داری کے باعث شہزادہ سلیم یعنی جہانگیر کی جگہ اس کے بیٹے خسرو کو تخت نشین کرنے پر اکسایا۔ جب جہانگیر کو ابوالفضل کی اس سازش کا علم ہوا تو اس نے مندھیر کھنڈ کے سردار بھیر سنگھ کے ہاتھوں ابوالفضل کا کام تمام کروا

دیا۔ اکبر کو ابوالفضل کے قتل کا شدید دکھ ہوا۔ ادھر ان حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے راجہ مان سنگھ اور عزیز کوکا نے جہانگیر کو تخت سے محروم کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ ان کی دلچسپی شہزادہ خسرو ہی میں تھی' جو جہانگیر کا بیٹا تھا۔ کیونکہ خسرو راجہ مان سنگھ کا بھانجا اور عزیز کوکا کا داماد تھا۔

جہانگیر کے اطوار سے بددلی کے باعث اکبر اپنے بعد خسرو ہی کی تخت نشینی کا خواہش مند تھا' لیکن جونہی جہانگیر کو اس کے ارادوں کا علم ہوا اس نے اکبر کے خلاف بغاوت کر دی۔ اکبر نے حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے اپنی بیوی سلیمہ خاتون کو الٰہ آباد بھیجا۔ یہ سلیمہ خاتون اپنے شوہر بیرم خان کے قتل کے بعد اکبر کے نکاح میں آئی تھی۔ وہ شہزادہ سلیم کو سمجھا بجھا کے کامیاب ہوئی اور اسے اپنے ساتھ آگرہ لے آئی۔ اکبر سے ملاقات کے موقع پر جہانگیر نے اسے بارہ ہزار اشرفیاں اور ساڑھے سات سو ہاتھی بطور تحفہ پیش کئے۔ اکبر اور جہانگیر کے تعلقات خوشگوار ہو جانے کے بعد اکبر نے بیماری کے دوران سلیم کو جانشین کر دیا۔ اس طرح ملک خانہ جنگی سے محفوظ ہو گیا۔

تخت نشین ہونے کے بعد جہانگیر نے ایک دستور العمل تیار کیا جو بنیادی قواعد پر مشتمل تھا۔ اس دستور العمل کے نکات یہ تھے۔

اول زکوٰۃ کی وصولی کی ممانعت کی۔ دوسرا سڑکوں پر ڈاکہ زنی اور چوروں کی وارداتوں کا انسداد کیا گیا۔

تیسرا جائیداد کے ورثہ سے متعلق قوانین مرتب کیے گئے۔

چوتھا شراب اور دیگر منشیات کی فروخت کی ممانعت کر دی۔

پانچواں جائیداد کی ضبطی کی ممانعت۔

چھٹا جرائم پیشہ لوگوں کے ناک اور کان کاٹنے کی ممانعت۔

ساتواں ہسپتالوں کی تعمیر اور بیماروں کے لئے معالجوں کا تقرر۔

آٹھواں مخصوص دنوں میں جانوروں کے ذبح پر پابندی۔

نواں اتوار کی حرمت۔

دسواں منصوبوں اور جاگیروں کی توسیع۔

گیارہواں تمام قیدیوں کو عام معافی۔

بارہواں مخصوص اراضی کی توسیع۔

علاوہ ازیں جہانگیر نے بہت سے غیر ضروری ٹیکس ختم کر دیئے تھے۔ لشکریوں کو چھاؤنی میں سرکاری انتظامات پر رہنے پر مجبور کیا گیا۔ مخنثوں کی خرید و فروخت پر پابندی عائد کر دی گئی اور پرگنہ کے افسروں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے پرگنہ کی کسی لڑکی سے شادی نہ کریں۔

جہانگیر نے تخت نشین ہوتے ہی اپنے دشمنوں کو بھی معاف کر دیا۔ بہت سے متوسط درجہ کے افسروں کو اچانک اعلیٰ عہدوں پر ترقی دے دی کیونکہ ان افسروں نے بغاوت کے دوران اس کی مدد کی تھی۔ شیخ سلیم چشتیؒ جنہیں وہ اپنا روحانی رہنما تسلیم کرتا تھا۔ ان کے رشتہ داروں کو بھی اچھے عہدے سونپے گئے۔ گویا اس قسم کے اقدامات لوگوں کے لئے نئے نہیں تھے لیکن جب جہانگیر نے راجہ بھیر سنگھ بندھیلہ کو' جس نے ابوالفضل کو قتل کیا تھا اس کو بھی ترقی دی تو لوگوں میں بے چینی محسوس کی گئی۔ حالانکہ اس کے ساتھ ہی جہانگیر نے ابوالفضل کے بیٹے عبدالرحمان کو بھی دو ہزاری منصب پر ترقی دی تھی نیز عزیز کوکا کو بھی اس عہدے پر رہنے دیا گیا حالانکہ اس نے اکبر کی زندگی میں جہانگیر کو تخت سے محروم کر کے اس کے بیٹے خسرو کو تخت نشین کرنے کی سرتوڑ کوشش کی تھی۔

ایرانی نژاد غیاث بیگ جو نور جہاں کا باپ تھا اسے وزیر مال مقرر کیا اور عمادالدولہ کے خطاب سے نوازا گیا۔ اسی طرح ایک چھوٹے سالار کو زمان بیگ سے مہابت خان کا خطاب دیا گیا۔ آگے چل کر ان دونوں نے حکومت کے دوران اہم کردار ادا کیے۔

جہانگیر نے دستور العمل کے علاوہ ترقی اور خطابات کے علاوہ لوگوں کو فوری انصاف باہم پہنچانے کے سلسلے میں بھی اقدام کیے۔ اس نے آگرہ کے شاہ برج سے جمنا کے کنارے ایک پتھر کے ستون تک ایک زنجیر لگائی تا کہ وہ انصاف طلب کرنے والوں کے لئے کسی وقت بھی اس زنجیر سے معلق گھنٹی کی آواز سنتے ہی فریادی کے ساتھ انصاف کر سکے۔

کہا جاتا ہے کہ جہانگیر نے اس زنجیر کے ساتھ گھنٹیاں بھی باندھی تھیں۔ جہانگیر نے اس زنجیر کے بارے میں خود لکھا ہے کہ یہ خالص سونے کی بنی ہوئی تھی جو تیس گز لمبی تھی۔ اس میں ساٹھ گھنٹیاں لگی ہوئی تھیں۔ اس کا کل وزن چار ہندوستانی منوں کے برابر تھا۔

بہرحال اس روز دارالقضا میں جہانگیر نے تینوں کام نمٹا دیئے۔ بڑے سالار فرید خان کو معاف کر دیا اور اس کے بیٹے رستم خان کو امبر کا راجہ جگن ناتھ تو اپنے ساتھ لے گیا۔ دوسرا کام

اس نے یہ نمٹایا کہ اپنے باغی بیٹے خسرو کی اس نے دلجوئی کر دی اور اسے بھی خوب نوازا' تیسرا کام یہ کہ بنگال سے جو سرکشی اور بغاوت کی خبریں آ رہی تھیں ان خبروں کو جانچنے کے لئے اس نے اپنے تیز رفتار قاصد بنگال کی طرف روانہ کر دیئے تھے۔

بنگال کا صوبہ مغل حکمرانوں کے لئے ہمیشہ ہی سے پریشانی کا باعث رہا۔ یہ علاقہ اس بنا پر سازشوں کا مرکز بنا رہا کہ وہاں کے حاکم یہ سمجھتے تھے کہ اتنے دور دراز علاقے میں حکومت کو ان کے خلاف اقدام کرنے میں شدید دشواری پیدا ہوگی۔ سن پندرہ سو پچھتر میں اکبر نے افغان حاکم بنگال داؤد خان کو شکست دے کو صوبہ بنگال پر قبضہ کر لیا تھا تاہم وہاں کے افغان اب تک برصغیر پر اپنی حکومت کی بحالی کے خواب دیکھ رہے تھے۔ یہ قیادت عیسیٰ خان کے ہاتھ میں تھی اور سلہٹ کا علاقہ ان کی کارروائی کا مرکز بنا ہوا تھا۔ افغان اڑیسہ میں مغلوں کی کارروائیوں کے بعد بنگال میں عیسیٰ کے ساتھ آن ملے تھے۔ عیسیٰ نے بنگال کی آزادی کے لئے سرتوڑ کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوسکا۔ اس کے انتقال کے بعد اس کے بیٹے عثمان خان نے بھی اس مقصد کے لئے شب و روز جدوجہد کی مگر اسے بھی پندرہ سو ننانوے میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

جب جہانگیر کے دور کا آغاز ہوا تو بنگالیوں کے حوصلے بڑھے اور انہوں نے کھلم کھلا بغاوت کرنی شروع کر دی۔ چنانچہ جب جہانگیر کے رضائی بھائی قطب الدین کے ساتھ سازش میں شریک ہونے کا افغانوں پر شبہ کیا جانے لگا تب اس نے شبہ بھی ظاہر کیا کہ ایرانی سالار علی قلی خان' جسے دوسرے الفاظ میں شیر افگن بھی کہہ کر پکارا جاتا تھا وہ اس میں ملوث ہے۔ چنانچہ جہانگیر نے بنگال کے حاکم قطب الدین کو حکم دیا کہ وہ شیر افگن کو دربار میں پیش کرے۔

جب جہانگیر کے یہ قاصد پیغام لے کر پہنچے تو قطب الدین نے شیر افگن کو بلا بھیجا لیکن اسے گرفتار کرنے کی کوشش کی۔ اگر وہ شاہی دربار میں پہنچتا تو عین ممکن تھا کہ سازش میں شریک لوگوں کا انکشاف کر دیتا اس طرح قطب الدین بھی زد میں آ جاتا۔

قطب الدین نے شیر افگن کو طلب کر لیا۔ شیر افگن جونہی گورنر کے پاس پہنچا اس کے محافظوں نے اسے نرغے میں لے لیا۔ اس توہین آمیز سلوک یا ایک ساتھی کی غداری کی بنا پر

شیر افگن غصے سے بے قابو ہو گیا اور اس نے قطب الدین پر اپنی تلوار سے کافی زخم لگائے۔ یہ دیکھ کر قطب الدین کے محافظ شیر افگن پر ٹوٹ پڑے اور موقع پر ہی اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔
علی قلی یعنی شیر افگن کے قتل کے بعد اس کی بیوی نور جہاں اور اس کی بیٹی لاڈلی بیگم کو آگرہ میں منتقل کر دیا گیا۔

تاریخ عالم میں محدود چند عورتوں کو نور جہاں کا مقام حاصل ہوا ہوگا۔ وہ انتہائی بلند حوصلہ' باتدبیر اور غیر معمولی صلاحیتوں کی مالک تھی۔ وہ ایک عرصہ تک نظام حکومت پر چھائی رہی۔

نور جہاں کا باپ مرزا غیاث الدین بیگ تہران کا رہنے والا تھا۔ نامساعد حالات کے باعث اس نے ایران سے ہجرت کی اور برصغیر کا رخ کیا۔ اس کی بیوی ہمراہ تھی' جو اس وقت امید سے تھی جس وقت وہ دونوں قندھار پہنچے تو نور جہاں کی پیدائش ہوئی۔

کیونکہ یہ مختصر سا کنبہ مالی طور پر سخت پریشان تھا چنانچہ ایک دولت مند تاجر ملک مسعود نے اس کی مکمل اعانت کی۔ ملک مسعود کا دربار مغلیہ میں اثر و رسوخ تھا' اسی نے غیاث الدین کو اکبر سے متعارف کروایا اور باعزت ملازمت دلوائی۔

غیاث الدین جلد ہی ترقی کر گیا۔ سن پندرہ سو پچانوے میں منصب دار ہو گیا۔ بعد ازاں اسے کابل کا دیوان مقرر کیا گیا۔ غیاث الدین فن کتابت اور شاعری پر عبور رکھتا تھا اور اپنے وقت کے فاضل لوگوں میں شمار ہوتا تھا۔

علاوہ ازیں انتظام عامہ پر بھی اسے دسترس تھی۔ سترہ سال کی عمر میں اس نے اپنی لڑکی نور جہاں کی شادی علی قلی یعنی شیر افگن سے کر دی تھی۔ علی قلی اس وقت ایران کے بادشاہ اسماعیل ثانی کا سفیر تھا۔ اسی دوران علی قلی کو برصغیر میں پناہ لینا پڑی۔ وہ بھاگ کر ملتان پہنچا اور خان خاناں سے ملا۔ دور اکبری میں اسے عسکری عہدہ دیا گیا اور جب شہزادہ سلیم کو میواڑ کے راجہ کے خلاف مہم پر روانہ کیا گیا تو علی قلی بھی اس کے ساتھ تھا۔ اسی دوران علی قلی کو ایک شیر ہلاک کرنے پر شیر افگن کا خطاب دیا گیا تھا۔

جب جہانگیر نے باپ کے خلاف بغاوت کی تو شیر افگن بھی اس کا ساتھ چھوڑ گیا تاہم جہانگیر نے تخت نشینی کے بعد اس کی یہ خطا معاف کر دی اور اسے اس کی بنگال کی جاگیر پر بحال رکھا۔ شیر افگن کے قتل کے بعد اس کی بیوی مہرہ النساء یعنی نور جہاں کو اس کی بیٹی لاڈلی بیگم کے ساتھ جہانگیر کے دربار میں بھیج دیا گیا۔ مہر النساء کو اکبر کی بیوی سلیمہ کی خدمت پر

مامور کر دیا گیا۔ چنانچہ سولہ سو گیارہ میں جب جہانگیر نے جشن بہار کے موقع پر پہلی مرتبہ اتفاق سے نور جہاں کو دیکھا تو اسیر فریفتہ ہو گیا اور دو ماہ بعد ہی اس سے شادی کر لی۔

جہانگیر نے اسے نور محل کا نام دیا۔ اپنی صلاحیتوں اور ذہانت کے بل پر نور جہاں بہت جلد جہانگیر سے قریب تر ہو گئی۔ اس کے والد غیاث الدین کو اعتماد لدولہ کا خطاب دیا گیا اور اس کے بھائی آصف خان کو فوری طور پر ترقی دے دی گئی۔

شیر افگن نور جہاں اور جہانگیر کے بارے میں لاتعداد روایات نے جنم لیا۔ کچھ لوگوں نے لکھا جہانگیر اس سے پہلے اکبر کی زندگی میں ہی نور جہاں کی محبت میں گرفتار ہو گیا تھا لیکن اس کی منگنی کیونکہ شیر افگن کے ساتھ ہو چکی تھی لہٰذا جہانگیر کے راستے میں بہت سی مشکلات پیدا ہو گئیں۔ علاوہ ازیں اکبر نے بھی جہانگیر کو اس شادی کی اجازت نہ دی یا شاید جہانگیر خود جانتا تھا کہ اسے اس شادی کی اجازت کبھی نہ مل سکے گی تاہم وہ نور جہاں کی محبت کو کسی بھی لمحہ دل سے نہ نکال سکا۔

اس بیان سے کچھ مؤرخین یہ اندازہ لگاتے ہیں کہ شیر افگن کے قتل میں جہانگیر کا ہاتھ تھا لیکن دوسرے مؤرخین کہتے ہیں شیر افگن کے قتل میں جہانگیر کا ہاتھ تو کسی صورت نہ تھا اس سازش کے بارے میں ابتدائی تواریخ خاموش ہیں نہ ہی اس کا ذکر یورپی سیاحوں کی تحریروں میں ملتا ہے۔ حالانکہ یہ یورپی سیاح ہر وقت شاہی افراد خانہ کے بارے میں کوئی نہ کوئی واقعہ گھڑنے اور اسے سکینڈل بنانے کی سعی و کوشش میں مصروف رہتے تھے۔

علاوہ ازیں شیر افگن پر افغانیوں کے ساتھ سازش میں شرکت کا کوئی ثبوت نہ تھا بلکہ جہانگیر کو محض شبہ تھا۔ اس لئے جہانگیر نے قطب الدین کو یہ حکم دیا کہ اگر شیر افگن کی طرف سے باغیانہ انداز کا مظاہرہ کیا جائے یا وہ طلب کیے جانے پر حاضری سے گریز کرے تو صرف اسی صورت میں اسے سزا دی جائے لیکن اس امر کا کوئی ثبوت نہیں کہ قطب الدین نے یہ اطمینان کس طرح کیا کہ شیر افگن فی الواقعہ سازش میں شریک تھا۔

دوسری طرف قطب الدین نے تو جہانگیر کی خفگی کے بارے میں بھی شیر افگن کو کوئی اطلاع نہ دی بلکہ اسے اچانک گرفتار کرنے کی کوشش کی نیز جہانگیر نے اپنی خود نوشت میں جس صاف گوئی سے کام لیا ہے اس کے پیش نظر کہیں نہ کہیں اس حادثے کا ذکر ضرور آنا چاہیے تھا' لیکن خود نوشت میں اس معاملے پر خاموشی ایک طرف جہانگیر کی معصومیت ظاہر کرتی

ہے' دوسری طرف یہ شہادت بھی دیتی ہے کہ آخر وہ اس معاملے میں خاموش کیوں رہا' کیونکہ جہاں کوئی شخص خود ملوث ہو وہاں اسے خاموش رہتے ہی بن پڑتی ہے۔

مؤرخین مزید لکھتے ہیں کہ شیر افگن کے قتل کے بعد جہانگیر اس کی بیوی بچوں کو حالات کے رحم و کرم پر بھی چھوڑ سکتا تھا' لیکن اس نے نور جہاں کو شاہی محل میں بلا کر اور شاہی محل میں میں مادر ملکہ کی خدمت میں مامور کر کے غالباً اپنی اس محبت کو پروان چڑھانا چاہا جس کے لئے وہ برسوں سے ترس رہا تھا۔

باپ کی زندگی میں وہ نور جہاں سے شادی نہ کر سکا تھا لیکن باپ کی زندگی کے بعد سب کچھ اس کے ہاتھ میں تھا۔ شاہی محل میں نور جہاں کی آمد کے بعد جہانگیر کا محتاط رویہ غالباً اس وجہ سے تھا۔ ایک تو شوہر کے قتل کا باعث نور جہاں کا غم وقت کے ساتھ ساتھ کم ہو جائے اور دوسرے اس لئے کہ اس کے دل سے ایسے تمام شبہات دور ہو جائیں جو اپنے شوہر کے قتل کے بعد جہانگیر کے بارے میں پیدا ہو سکتے تھے۔

بہر حال جہانگیر سے شادی کے فوراً بعد نور جہاں نظام حکومت پر چھا گئی اور اس کا اثر رسوخ دن بدن بڑھتا رہا۔

جہانگیر سے شادی کے وقت گو نور جہاں کی عمر پینتیس برس تھی' لیکن اس کے چہرے کی تازگی اور کشش کے پیش نظر اس عمر کا گمان بھی نہ ہوتا تھا۔ اس وقت بھی وہ سترہ اٹھارہ سالہ دوشیزہ محسوس ہوتی تھی۔ نور جہاں انتہائی ذہین خاتون تھیں۔ وہ بلا تعامل اور بلا تاخیر مشکل سے مشکل مسئلہ کی تہہ تک پہنچ جاتی تھی۔ کوئی سیاسی گتھی ایسی نہ تھی' جو اس کا ذہن سلجھا نہ سکا ہو۔

بڑے بڑے مدبر اور قابل وزراء اس کے فیصلوں کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے تھے۔ وہ بہترین شاعرہ بھی تھی۔ اس کے اشعار کو آج بھی بلند مقام حاصل ہے۔ ملبوسات اور زیورات کے بارے میں وہ انتہائی باذوق واقع ہوئی تھی۔ اس کے ایجاد کردہ فیشن اور زیورات برصغیر میں صدیوں تک مروج رہے۔

جسمانی اعتبار سے وہ ایک مضبوط اور حوصلہ مند عورت تھی۔ شکار کی مہمات میں وہ اکثر جہانگیر کے ساتھ جایا کرتی تھی۔ خونخوار جانوروں کا شکار اس کا محبوب مشغلہ تھا۔ جہانگیر کی جنگوں کے دوران اور انتہائی خطرناک مواقع پر بھی وہ ایک تجربہ کار جرنیل کی طرح ہاتھی پر موجود رہتی۔ نور جہاں کے یہ اطوار دیکھ کر بڑے بڑے حوصلہ مند لشکری بھی حیران رہ جاتے

تھے۔

ایسے نازک مراحل میں وہ دشمن پر تیروں کی بارش کرتی رہتی۔ اس میں بے پناہ انتظامی صلاحیت موجود تھی۔ معمولی سے معمولی بات بھی اس کی نظر سے اوجھل نہ رہتی۔ اس کے باوجود نہایت رحم دل خاتون تھی۔ غریب اور تباہ حال لوگ اسے اس دنیا میں اپنی آخری پناہ گاہ سمجھتے تھے۔ وہ بھی ان پر انعام واکرام کی بارش کرتی رہتی تھی۔

اس نے لاتعداد لاوارث وغریب لڑکیوں کی شادیاں کرائیں اور کمزوروں اور مظلوموں کو تحفظ دیا۔ جہانگیر سے اس کی وفاداری ہر شک وشبہ سے بالاتر رہی' یہی وہ صلاحیتیں اور بلند کرداری تھی جس نے نورجہاں کے حسن کو دوبالا کر دیا اور جہانگیر اس کی مٹھی میں چلا گیا۔
نورجہاں کی زبان سے نکلا ہوا ایک لفظ کسی کو آسمان کی بلندیوں پر پہنچا سکتا تھا اور فرش کی پستیوں پر بھی لا سکتا تھا۔ بہت سے باغی معافی کے حصول کی خاطر نورجہاں کی اعانت حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

تاہم نورجہاں کی ان تمام باتوں کی وجہ سے اگر ایک طرف مملکت کو بہت سے مفادات حاصل ہوئے تو دوسری طرف عداوتوں میں بھی اضافہ ہوا۔ نورجہاں یہ برداشت نہ کرتی تھی کہ حکومت کا کوئی بڑے سے بڑا سالار یا امیر اس کی بات کاٹے یا اس کی خواہش کے برعکس کوئی اقدام کرے۔ اسی عادت کی بناء پر نا صرف مہابت خان اس کا مخالف ہوا اور ملک میں بدامنی پھیلنا شروع ہوئی بلکہ حرم اور شاہی دربار سازشوں کی آماجگاہ بننے لگا اور نورجہاں کے اس غلط رویے ہی کی وجہ سے شہزادہ خرم یعنی شاہجہاں بھی اپنے باپ جہانگیر کے خلاف منصوبہ بندی کرنے لگا تھا۔

جہانگیر نے گو اپنے بیٹے خسرو کی خوب دلجوئی کی تھی۔ اس سے مشفقانہ سلوک کیا تھا۔ اس کی ہر شکایت' اس کے ہر شکوے کو دور کرنے کی کوشش کی تھی' لیکن بہت سی سازشیں اس سے بھی وابستہ ہونے لگیں۔ گو یہ سازشیں پہلے ہی شروع ہو چکی تھیں۔ جہانگیر نے انہیں دبانے کی کوشش کی' کیونکہ یہ سازشیں تو اکبر کی زندگی میں ہی راجہ مان سنگھ اور عزیز کوکا شروع کر چکے تھے اور وہ خسرو کو سلیم کی جگہ تخت نشین کرانا چاہتے تھے' مگر اکبر نے بستر مرگ پر سلیم کو تاج پہننے کی ہدایت کر دی تھی۔ لہٰذا باپ کی تخت نشینی کے باعث بیٹے کی امیدیں خاک میں مل گئیں۔
اکبر کی وفات کے بعد جہانگیر نے اس کے دکھ کے ازالہ کی خاطر مصالحانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے خسرو کو دربار میں بلایا تھا۔ اس سے مشفقانہ سلوک کیا تھا۔ خسرو کے لئے اس کے وقار کے مطابق محل تعمیر کرنے کے لئے ایک لاکھ روپیہ بھی دیا' لیکن جہانگیر نے خسرو کا اعتماد بحال کرنے اور اسے قریب تر لانے کے لئے جو کوششیں کی تھیں' وہ کامیاب نہ ہو سکیں۔
خسرو اب بھی تخت کے خواب دیکھ رہا تھا۔ اس نے جہانگیر کی مہربانی اور عنایات کو مختلف رنگ دیا اور زیادہ سے زیادہ آزادی حاصل کر لی۔ اس طرح خسرو سیاسی سازشوں کا مرکز بن گیا تھا۔

اس نے دیکھتے ہی دیکھتے بہت سے لوگوں کو اپنے گرد جمع کر لیا تا کہ دوبارہ تخت حاصل کر سکے۔ اپنے ان ارادوں کی تکمیل کی خاطر ایک رات وہ خاموشی سے ساڑھے تین سو سواروں کے ہمراہ آگرہ کے قلعے سے نکل کھڑا ہوا۔ اس نے بہانہ یہ بنایا کہ اپنے دادا کے مقبرے پر حاضری دینے جا رہا ہے۔
جب خسرو متھرا پہنچا تو اس کا ایک پرانا ساتھی حسین بیگ بدخشانی بھی تین ہزار گھوڑ سوار لے کر ان کے ساتھ آن ملا۔ ان سب نے مل کر چاروں طرف لوٹ مار مچا دی۔

یہ لوگ پنجاب کے علاقے میں داخل ہوئے' جو بھی ملتا موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا' یا لوٹ لیا جاتا تھا۔ پانی پت میں لاہور کا دیوان عبدالرحیم بھی خسرو کے ساتھ شامل ہوگیا۔ عبدالرحیم شہنشاہ جہانگیر سے ملنے کے لئے لاہور سے آگرہ جا رہا تھا کہ اتفاقاً خسرو سے ملا۔ اس کے ساتھ ہی شامل ہوگیا۔

خسرو نے عبدالرحیم کو وزیر کا عہدہ دیا اور ملک انور بیگ کے خطاب سے بھی نوازا۔ اس طرح عبدالرحیم اپنے ساتھ جو خزانہ لے کر لاہور سے آگرہ جا رہا تھا' وہ بھی خسرو کے لشکر پر صرف ہونے لگا۔ اس موقع پر جہانگیر کے بیٹے خسرو کو ایک اور مدد ملی اور وہ یہ کہ سکھوں کے روحانی رہنما گرو ارجن سنگھ نے بھی پنجاب میں قیام کے دوران خسرو کو تحفے تحائف دیئے اور عسکری امداد کی بھی پیشکش کی۔ اس طرح خسرو کے لشکر کی کل تعداد بڑھ کر بارہ ہزار تک پہنچ گئی۔ اس لشکر کے ساتھ اس نے لاہور کا رخ کیا اور آگے بڑھ کر اس نے لاہور شہر کا محاصرہ کر لیا۔

جہانگیر کو جب ان حالات کی خبر ہوئی' تب اس نے اپنے بیٹے خرم یعنی شاہجہان کے ذریعے فرید خان کو بلایا۔ فرید خان' خرم اور جہانگیر دونوں کا احسان مند تھا۔ خرم کا اس بناء پر کہ اس نے اسے اور اس کے بیٹے رستم خان دونوں کو زندان سے نکال کر ان کی رہائی کے لئے جہانگیر کے سامنے پیش کیا اور جہانگیر کا اس طرح احسان مند تھا کہ جہانگیر نے دونوں باپ بیٹے کی زنجیریں اتار دیں اور رہائی کا حکم دیا تھا۔ اسی بناء پر جب فرید خان کو لشکر گاہ سے طلب کیا گیا' تب وقت ضائع کیے بغیر فرید خان آگرہ کے شاہی محل میں پہنچا اور خرم نے اسے جہانگیر کے سامنے پیش کر دیا۔

جہانگیر کچھ دیر تک خوش کن انداز میں فرید خان کی طرف دیکھتا رہا پھر کہنے لگا۔

"فرید خان پہلے یہ بتاؤ کہ تمہارے بیٹے رستم خان کو امرکا راجہ اپنے ساتھ لے گیا تھا' کیا وہ لوٹ کر آیا ہے کہ نہیں۔ اب تو وہ جوان ہوگیا ہوگا۔"

اس پر فرید خان مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

"شہنشاہ حضور یقیناً وہ جوان ہو چکا ہوگا۔ میں بھی چاہتا ہوں کہ وہ اب واپس آجائے۔ میرے پاس اب کچھ اثاثہ ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہم دونوں باپ بیٹا آگرہ میں ایک مکان لے لیں گے۔"

جہانگیر نے اس موقع پر خرم کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

"بیٹے ان کے لئے مکان کا اہتمام تم کرنا اور رقم انہیں حکومت کی طرف سے ادا کی جائے گی۔" خرم نے سر کو خم کرتے ہوئے اس پر خوشی کا اظہار کیا۔ اس پر جہانگیر فرید خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"فرید خان شاید تمہیں خبر ہو چکی ہے کہ میرا بیٹا خسرو میرے خلاف بغاوت کر چکا ہے۔ میں نے اس سے بڑا حلیمانہ اور مشفقانہ سلوک کیا۔ اسے اپنا ذاتی محل تعمیر کرنے کے لئے رقم بھی دی' لیکن اس نے اس رقم سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔ میرے خیال میں اس رقم سے اس نے اپنے اردگرد مسلح جوان جمع کرنے شروع کر دیئے۔ اب پنجاب میں ایک طرح کا اس نے کہرام مچا کر بغاوت کھڑی کر دی ہے اور جو خبریں اب تک مجھے ملی ہیں' ان کے مطابق آگے بڑھ کر اس نے لاہور شہر کا محاصرہ کر لیا ہے۔ تم سب جانتے ہو کہ لاہور مجھے کتنا عزیز ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ یہ خسرو لاہور میں داخل ہو کر شہر کے اندر تباہی اور بربادی کا کھیل کھیلے۔ میں ایک لشکر تمہارے حوالے کر رہا ہوں اور مجھے امید ہے کہ جس طرح ماضی میں تم نے اپنی بہترین کارگزاری کا مظاہرہ کیا' ایسے ہی عمدہ کام اور ایسی عمدہ کارگزاری کی میں اب بھی تم سے امید رکھتا ہوں۔ وقت بہت کم ہے' میں چاہتا ہوں' تم بہت جلد لشکر لے کر لاہور کی طرف روانہ ہو جاؤ' جس لشکر نے تمہارے ساتھ جانا ہے' خرم اس کی نشاندہی کر دے گا۔ اس کے ساتھ میری طویل گفتگو ہو چکی ہے۔ اب تم خرم کے ساتھ جاؤ۔"

اس کے ساتھ ہی خرم یعنی شاہجہان فرید خان کو اپنے ساتھ لے گیا تھا۔

مؤرخین کہتے ہیں کہ "جس وقت جہانگیر کے لئے خسرو نے پنجاب میں تباہی اور بربادی کا کھیل کھیلتے ہوئے لاہور کا محاصرہ کیا۔ سب سے پہلے جو سالار اس کی سرکوبی کے لئے جہانگیر کی طرف سے روانہ ہوا وہ فرید خان ہی تھا۔"

جہانگیر کے بیٹے خسرو نے لاہور کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ اسے خبر ملی کہ اس کی سرکوبی کے لئے اس کے باپ نے نامور سالار فرید خان کو اس کی طرف روانہ کیا ہے۔ جبکہ بڑی تیزی سے جہانگیر نے دوسرا قدم یہ اٹھایا تھا کہ ایک اور لشکر لے کر وہ خود آگرہ سے لاہور کی طرف روانہ ہوا اور اپنی غیر موجودگی میں مملکت کے انتظام اس نے نور جہاں کے باپ اعتماد الدولہ کے حوالے کیے تھے۔

چنانچہ خسرو کو جب یہ خبر ملی کہ فرید خان اس سے ٹکرانے کے لئے آیا ہے' تب یہ خبر اس کے اطمینان کے لئے کافی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ فرید خان پر حملہ آور ہو کر اسے مار بھگائے گا۔ چنانچہ اپنے لشکر کو لاہور کے محاصرے سے ہٹا کر وہ پلٹا' بڑی تیزی اور برق رفتاری سے فرید خان کی طرف بڑھا اور فرید خان' جو اس وقت لاہور کی طرف گامزن تھا۔ ایک دم اس کے سامنے آتے ہوئے خسرو' بنجر زمینوں' سنسان ٹیلوں کو ادھیڑتی مایوسی کی لہروں' سرابوں کے دشت میں بھٹکتے رونگٹے رونگٹے سے لپٹ جانے والے سیال آتشی لمحوں کے بہاؤ اور سراب نفس کی پیاس کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

چونکہ فرید خان کو بھی مخبر اطلاع دے چکے تھے کہ خسرو نے محاصرہ توڑ کر کے پہلے اس پر حملہ آور ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ لہٰذا وہ خسرو کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھا۔ چنانچہ جوابی کارروائی کرتے ہوئے وہ بھی رگ رگ میں تلاطم برپا کرتے دہکتی موجوں کے تندریلوں' ہوس اور جبر کے مہہ کدوں تک کو مسمار کر دینے والی غیض وغضب کی انگڑائی اور ذلت کی آغوش میں گرہ مارنے والی عداوت کی شرر خیزی اور خوف کی بے پناہ قوت کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

یوں لاہور کے نواح میں دونوں لشکروں کے ٹکرانے سے بستیوں کو بے رونق کرتی بھٹکتی آتش کی جوالا اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اندھے سرابوں کے لاانتہا سلسلوں میں ابھرتے کھولتے ہزاروں طوفان اپنا رنگ دکھانے لگے تھے۔ خواہشوں کے بگولوں کو ریزہ ریزہ کرتے پیچ وتاب کھاتے اضطراب چارسو پھیلنے لگے تھے۔ جبکہ گردشیں دوراں کے تیور تک بدل دینے والی عذابوں کی ہولناک خونخواری چاروں طرف رقص کرنے لگی تھی۔

فرید خان کے مقابلے میں خسرو نے اپنا پورا زور لگایا' اپنی پوری قوت صرف کی کہ کسی نہ کسی طرح شکست دے کر فرید خان کو مار بھگائے' لیکن فرید خان اپنے مختصر سے لشکر کے ساتھ خسرو کے سامنے اپنی جگہ سے نہ ٹلنے والی چٹان اور فولادی کوہستانی سلسلہ ثابت ہوا۔ تھوڑی دیر کی مزید جنگ کے بعد فرید خان نے خسرو کو بدترین شکست دی۔ خسرو نے جب دیکھا کہ فرید خان نے بڑی تیزی سے اس کے ساتھیوں کا قتل عام شروع کر دیا ہے' تب پنجاب کے علاقے بھیروال میں لڑی جانے والی اس جنگ میں خسرو کے لشکر کو خاصا جانی نقصان اٹھانا پڑا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ ''خسرو خود بھی میدان جنگ سے بھاگا۔ اس کے ہیرے' جواہرات اور دیگر قیمتی اشیاء کا صندوق بھی اس دوران افراتفری کے عالم میں گر پڑا جو فرید خان کے

ہاتھ لگ گیا۔ چنانچہ فرید خان کے ہاتھوں شکست اٹھانے کے بعد خسرو پیچھے ہٹا۔ اپنے ادھر ادھر منتشر ہونے والے لشکریوں کو پھر اس نے جمع کیا' کہتے ہیں اسی دوران خسرو نے لاہور کے ایک دروازے کو نذر آتش کر دیا اور اپنے لشکریوں سے وعدہ کیا کہ اگر وہ پوری طاقت اور قوت صرف کر کے لاہور شہر میں داخل ہو جائیں تو وہ قلعہ لاہور فتح کرنے کے بعد سات دن تک اپنے ساتھیوں کو شہر کی لوٹ مار کرنے کی اجازت دے گا۔ نیز تمام عورتوں اور بچوں کو قید میں ڈال دے گا۔'' مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ '' خسرو نے نو دن تک لاہور شہر کا محاصرہ کئے رکھا لیکن لاہور کے حاکم نے باغی خسرو کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ یہاں تک کہ فرید خان خسرو کے سر پر پہنچ گیا۔''

اب خسرو پیچھے ہٹ کر پھر اپنی تیاری کر کے ایک بار پھر فرید خان کے ساتھ اپنی قسمت آزماتے ہوئے اپنی شکست کو اپنی کامیابی میں تبدیل کرنا چاہتا تھا۔ اسی دوران اسے یہ خبر پہنچائی گئی کہ '' جہانگیر بھی ایک لشکر لے کر لاہور کے قریب پہنچ گیا ہے۔''

مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ '' اس موقع پر جہانگیر اپنے بیٹے خسرو سے اچھا سلوک کرنا چاہتا تھا' کچھ مذاکرات بھی ہوئے لیکن ناکام ہوئے۔''

جہانگیر جب لاہور کے قریب پہنچا تب فرید خان نے جو ہیرے جواہرات اور دوسرا قیمتی سامان کا صندوق جو جواہرات سے بھرا ہوا تھا جہانگیر کے حوالے کیا تو جہانگیر فرید خان کی اس کارگزاری پر بے حد خوش ہوا۔

فرید خان اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر گیا تھا' کیونکہ اس نے اپنے زخمیوں کی دیکھ بھال کرنی تھی۔ دوسری طرف خسرو نے پھر اپنی طاقت اور قوت بحال کر کے ٹکرانا چاہا' لیکن اس کی بدقسمتی کہ اس کے اپنے خاص ساتھیوں میں پھوٹ پڑ گئی۔ کچھ چاہتے تھے کہ پلٹ کر ہندوستان میں پھیل جائیں اور تخریبی کارروائیاں شروع کر دیں۔ لیکن کچھ لوگ کابل کا بھاگنا چاہتے تھے۔ آخر فیصلہ یہ ہوا کہ کابل کی راہ لی جائے۔ جہانگیر کو جب خبر ہوئی تو اس نے ایک بار پھر فرید خان کو اس کے پیچھے لگا دیا۔ چنانچہ فرید خان نے سائے کی طرح خسرو اور اس کے لشکر کا تعاقب شروع کر دیا تھا اور جب خسرو نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ دریائے چناب کو عبور کرنے کی کوشش کی تو فرید خان نے اس کے کچھ سرکردہ ساتھیوں اور خسرو کو گرفتار کر لیا۔

جہانگیر اس وقت لاہور پہنچ چکا تھا۔ جہانگیر کو جس وقت خسرو کی گرفتاری کی اطلاع دی

گئی تو اس نے نہایت مسرت کے ساتھ یہ خبر سنی' چنانچہ جہانگیر نے وہاں دربار عام مقرر کیا اور اپنے بیٹے خسرو سمیت تمام جنگی قیدیوں کو پیش کرنے کا حکم دیا۔

خسرو کے پیادہ لشکر کے کمانڈر حسین بیگ کو جہانگیر کے حکم سے گدھے کی کھال میں بند کر کے ایک گدھے پر بیٹھا کر بازار میں پھرایا گیا۔ جوں جوں یہ کھال خشک ہوتی گئی' حسین بیگ کے جسم کو شکنجے میں لیتی رہی' حتیٰ کہ اس کی موت واقع ہوگئی۔

جہانگیر نے اس سزا کا ذکر خود کرتے ہوئے لکھا ہے" میں نے خسرو کو گرفتار کر لیا' حسین بیگ اور عبدالعزیز کو میں نے گائے اور گدھے کی کھالوں میں جکڑ کر گدھوں پر اس طرح بٹھایا کہ ان کے منہ گدھوں کی دم کی طرف ہوں پھر انہیں پورے شہر میں پھرانے کا حکم دیا۔"

باغیوں کی موت کے بعد انہیں گدھوں سے اتار دیا گیا اور کچھ باغیوں کو شکنجے میں کس کر مار دیا گیا۔ اس عالم میں جہانگیر نے اپنے بیٹے خسرو کو زنجیریں پہنا کر ان سزا یافتگان کے درمیان سے گزارا تا کہ وہ اپنی ہونے والی رعایا کا انجام دیکھ سکے۔

چونکہ سکھوں کے پانچویں گرو ارجن سنگھ نے بھی خسرو کی مالی اور عسکری مدد کی تھی۔ لہٰذا گرو ارجن سنگھ کو سزائے موت دے دی گئی اور اس کی تمام جائیداد ضبط کر لی گئی۔ کچھ مؤرخین کا خیال ہے کہ یہ سزا اس لئے دی گئی کہ گرو ارجن سنگھ نے خسرو کی مالی مدد کی تھی۔ لیکن بعض مؤرخین کے خیال میں گرو ارجن کو اس کی غداری کی سزا ملی' کچھ غیر ملکی مؤرخوں کے مطابق گرو ارجن نے جہانگیر کی مخالفت کے باعث نہیں بلکہ اکبر کے عنایات کے باعث خسرو کو یہ امداد مذہبی بنیادوں پر دی تھی۔ بہرحال گرو ارجن سنگھ کی اس سزائے موت پر سکھوں میں بے چینی پھیل گئی اور وہ جہانگیر کے دشمن ہو گئے۔

چنانچہ جہانگیر اپنے لشکر کو لے کر آگرہ کی طرف پلٹا۔ مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ "شہزادہ خسرو کی حیثیت سے دربار جہانگیری میں خسرو کی جتنی تذلیل ہوئی' غالباً تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔" بعض مؤرخین میں خسرو کی آنکھیں نکلوانے کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ تاہم انتخاب جہانگیری میں یہ واقعہ کچھ یوں درج ہے۔

"جب گرم سلائیں شہزادہ خسرو کی آنکھوں میں پھیری گئیں تو وہ شدت کرب سے چلا اٹھا' جس کا بیان بھی مشکل ہے۔"

لیکن بعض مؤرخین کے مطابق" جب جہانگیر کی شفقت پدری نے جوش مارا تو اس نے

خسرو کے علاج کے لئے تجربہ کار معالجوں کی خدمات حاصل کیں۔ اس سلسلے میں ایک ایرانی معالج نے شہزادہ خسرو کا کامیاب علاج کیا۔ تقریباً چھ ماہ بعد اس کی ایک آنکھ کی بینائی بحال ہوگئی تھی۔ دوسری آنکھ کی بینائی میں سقم موجود رہا۔ نیز وہ کچھ چھوٹی بھی ہوگئی تھی۔ بعدازاں اس معالج کو مسیح الزمان کے خطاب سے بھی نوازا گیا۔"

خسرو کی مہم سے فارغ ہونے کے بعد فرید خان جب آگرہ کے مستقر میں اپنی رہائش گاہ میں داخل ہوا اور جنگی لباس اتار کر آرام کرنے کے لئے اپنی مسہری پر بیٹھا ہی تھا کہ اس کے کمرے میں امبر کا راجہ جگن ناتھ داخل ہوا۔ اسے دیکھتے ہی فرید خان اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا' کچھ کہنا چاہتا تھا' شاید اپنے بیٹے رستم خان سے متعلق پوچھنا چاہتا تھا کہ اسی لمحہ راجہ جگن ناتھ کے پیچھے ہی پیچھے اس کا بیٹا رستم خان بھی اس کمرے میں داخل ہوا۔ وہ بڑا قد آور اور کڑیل جوان بنا تھا اور وہ تقریباً چار سال بعد اپنے باپ سے مل رہا تھا۔ دونوں باپ بیٹا غمناک آنکھوں سے ایک دوسرے سے بغلگیر ہوئے۔ پھر فرید خان اپنی مسہری پر بیٹھ گیا۔ رستم خان نے راجہ جگن ناتھ کا کندھا پکڑ کر اسے اپنے باپ فرید خان کے ساتھ بٹھا دیا۔ پھر ایک دم اپنے باپ کے پاؤں کے قریب زمین پر بیٹھ گیا۔

اپنے بیٹے رستم خان کی اس حرکت پر فرید خان چونک اٹھا تھا' پریشان اور فکرمند ہو گیا تھا' ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے رستم خان کے ہاتھ پکڑ کر اس کو اٹھانا چاہا۔ لیکن رستم خان نے اپنے باپ کے ہاتھ پکڑ کر اسے پھر مسہری پر بٹھا دیا' پھر بڑی انکساری میں وہ اپنے باپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"اے میرے باپ! میں نے اب تک کی زندگی میں آپ کی کوئی خدمت نہیں کی' جس وقت میں لڑکا تھا اور اس عمر میں تھا کہ بھاگ دوڑ کر آپ کے کام کاج کرتا۔ اس وقت مجھے زنجیروں میں جکڑ کر زندان میں ڈال دیا گیا' جس وقت آپ کو زندان میں ڈالا گیا۔ میرا فرض تھا کہ زندان میں آپ سے ملاقات کرتا۔ آپ کی بریت کا سامان کرتا' لیکن میں تو خود زندان میں زنجیروں میں جکڑا پڑا تھا' چنانچہ میں اپنے باپ کی کوئی خدمت نہ کر سکا۔ پھر جب خداوند قدوس نے اپنی مہربانی سے ہم دونوں باپ بیٹے کی رہائی کا سامان کیا تو آپ نے مجھے راجہ جگن ناتھ کے ساتھ بھیج دیا۔ میں چار سال ان کے ہاں رہا۔ اب یہ اپنے اہل خانہ کے ساتھ آگرہ میں منتقل ہو چکے ہیں اور یہاں کچھ دوسرے راجاؤں کی طرح انہوں نے بھی ایک بہت

بڑی حویلی خرید لی ہے اور اپنے اہل خانہ کے ساتھ انہوں نے رہائش اختیار کر لی ہے۔ میں ان کا ممنون اور شکر گزار ہوں کہ انہوں نے چار سال تک میری دیکھ بھال کی۔ اے میرے باپ اب آپ مسہری پر بیٹھے رہیں' میں آپ کے پاؤں میں پڑا رہ کر اپنے باپ کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔ اس لئے کہ ایک بیٹے کی حیثیت سے ماضی میں' میں جو کچھ نہیں کر سکا' میں اسے اپنا مستقبل اور اپنی عاقبت سنوارنے کے لئے حال میں کرنا چاہتا ہوں۔"

اس کے ساتھ ہی بڑے پیار اور محبت سے رستم خان نے اپنا سر مسہری پر بیٹھے اپنے باپ فرید خان کے گھٹنے پر رکھ دیا۔ پھر وہ بڑی عقیدت مندی سے اپنے باپ کی دونوں پنڈلیاں اور پاؤں دبانے لگا تھا۔ اس پر بے چینی کا اظہار کرتے ہوئے فرید خان کہنے لگا۔

"بیٹے یہ کیا کر رہے ہو' اب اٹھو میرے پاس بیٹھو۔ یوں جانو یہ میری خواہش ہے اور کیا میرا بیٹا میری خواہش پوری نہیں کرے گا۔"

اس پر رستم خان تڑپ کر اٹھ کھڑا ہوا اور پائنتی سمت اپنے باپ کی مسہری پر ہو بیٹھا تھا۔ اس موقع پر فرید خان اپنے بیٹے رستم خان کو مخاطب کرتے ہوئے کچھ کہنا چاہتا تھا کہ امبر کا راجہ جگن ناتھ بول اٹھا۔

"فرید خان یہ مت سمجھنا کہ تمہارے بیٹے کو چار سال اپنے پاس رکھ کر تم پر کوئی احسان کیا ہے۔ میں نے وہاں اسے اپنی حویلی' اپنے گھر میں رکھنا چاہا لیکن یہ میرے گھر میں نہیں رہا۔ اس کا کہنا تھا کہ میرے ہاں میری دو بیٹیاں بھی ہیں۔ اس بناء پر میرا یہاں آنا جانا اچھا نہیں' بلکہ معیوب ہے۔ چنانچہ میرے ہاں اس نے اس جگہ قیام کیا' جہاں میرے کچھ آدمیوں کی رہائش گاہ تھی۔ جہاں گھوڑوں کو جنگی اور عسکری تربیت دی جاتی تھی۔"

یہاں تک کہنے کے بعد راجہ جگن ناتھ رُکا۔ پھر دوبارہ وہ فرید خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"فرید خان میں نے تمہارے بیٹے رستم خان پر اس بات کا انکشاف کیا تھا کہ میں تمہارے باپ کا انتہا درجہ کا ممنون اور شکر گزار ہوں کہ اس نے ایک جنگ کے دوران اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر میری جان بچائی تھی۔ لہٰذا اگر میں ساری زندگی بھی فرید خان کی خدمت کرتا رہوں تو جان بچانے کے اس فعل کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ میں اپنے اہل خانہ اور رستم خان کے ساتھ کئی دن سے آگرہ میں قیام کیے ہوئے ہوں۔ میں نے یہاں ایک اچھی اور

صاف ستھری حویلی بھی خرید لی ہے۔ فرید خان کسی دن میں تمہیں اپنی حویلی میں بھی لے کر جاؤں گا۔ یہاں آ کر رستم خان نے میری حویلی میں بھی قیام نہیں کیا۔ آگرہ پہنچ کر سب سے پہلے اس نے مستقر میں داخل ہو کر یہ معلوم کیا کہ تم نے مستقر میں کہاں قیام کر رکھا ہے۔ جب تمہارا یہ کمرہ رستم خان کو دکھایا گیا تو اس نے بھی یہیں قیام کر لیا اور یہ بڑی بے چینی سے تمہارا انتظار کرتا رہا۔ فرید خان میں خوش ہوں کہ زندان سے رہائی ملنے کے بعد تم دونوں باپ بیٹے نے ایک بار پھر آزاد افراد کی حیثیت سے اپنی زندگی کی ابتداء کی ہے۔ میں اپنی حویلی کے انتظامات درست کر چکا ہوں' اب بڑے شاندار انداز میں تم دونوں باپ بیٹے کی دعوت کا اہتمام کروں گا۔"

اسی دوران کچھ لشکری ایک مسہری اور بستر لے آئے تھے۔ وہ مسہری انہوں نے فرید خان کے اس کمرے میں لگا دی۔ اس کے اوپر بستر ڈال دیا۔ اس موقع پر راجہ جگن ناتھ پھر فرید خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"یہ سارے انتظامات تمہارے بیٹے نے خود کئے ہیں۔ یہ چاہتا ہے کہ میں اپنے باپ کے کمرے میں اس کے ساتھ رہوں گا اور یہ اس کی مسہری اور بستر بھی آ گیا ہے۔"

جگن ناتھ کے ان الفاظ کے جواب میں فرید خان نے بڑی شفقت اور پیار سے رستم خان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اس کی طرف میٹھی میٹھی نگاہوں سے دیکھنے لگا تھا۔ اس موقع پر جگن ناتھ نے پھر فرید خان کو مخاطب کیا اور کہنے لگا۔

"فرید خان' میرے بھائی میں ایک بات تم سے کہنے لگا ہوں اور امید ہے کہ تم میرا کہا ٹھکراؤ گے نہیں۔"

فرید خان نے غور سے جگن ناتھ کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

"جگن ناتھ تمہیں مجھ سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے' کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔"

اس پر جگن ناتھ کہنے لگا "پہلے تو میں معذرت کرنا چاہتا ہوں کہ جتنا عرصہ تم دونوں باپ بیٹا زندان میں رہے' میں تم دونوں کی خیر خیریت نہ جان سکا۔ مجھے اس بات کا بھی بے حد صدمہ ہے کہ تمہارے اہل خانہ کے علاوہ تمہاری بیوی کے اہل خانہ کو بھی ہلاک کر دیا گیا اور تمہاری بیوی بھی موت کے گھاٹ اتار دی گئی۔ دیکھو کچھ لوگوں پر میرا شک ہے' اکبر نے تم دونوں باپ بیٹے کو زندان میں اس لئے ڈالا تھا کہ تم دونوں نے اکبر کے دین الٰہی کو ماننے اور

تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس دین الٰہی کا موجد کیونکہ ابوالفیض تھا' لہٰذا اکبر اس طرح کے جو احکامات کیا کرتا تھا۔ اس کا مشورہ یقیناً اسے ابوالفیض ہی دیا کرتا تھا۔ اس لئے کہ ابو الفیض اور اس کا بھائی فیضی دونوں ہی بدخصلت' بدنسل انسان تھے۔ میں وثوق سے نہیں کہتا لیکن میرا دل کہتا ہے کہ تمہارے اہل خانہ پر جو ظلم ہوا وہ یقیناً ابوالفیض یا اس کے بھائی فیضی کی وجہ سے ہوا ہوگا۔ دیکھو ابوالفیض کا بیٹا زندہ ہے۔ وہ خود بھی اپنے باپ کا بدترین دشمن ہے۔ اپنے باپ کو وہ مرتد اور بھٹکا ہوا انسان سمجھتا ہے' بلکہ وہ اپنے باپ کو مسلمان ہی خیال نہیں کرتا۔ میرے خیال میں اگر اس سلسلے میں ابوالفیض کے بیٹے سے ملاقات کی جائے تو وہ تمہارے اہل خانہ کے قاتلوں کی طرف کچھ نہ کچھ نشاندہی ضرور کر سکتا ہے۔''

راجہ جگن ناتھ کے ان الفاظ پر فرید خان ہی نہیں' اس کے بیٹے رستم خان کی آنکھوں میں ایک انوکھی چمک پیدا ہوئی تھی۔ پھر فرید خان کی طرف دیکھتے ہوئے رستم خان کہنے لگا۔

''بابا محترم جگن ناتھ ٹھیک کہتے ہیں۔ اگر ابوالفیض کا بیٹا ہمارے قاتلوں کو نہ جانتا ہوگا تو اس سے کوئی شکوہ' کوئی شکایت نہیں۔ اگر وہ جانتا ہے اور اشارہ دے دیتا ہے تو پھر قاتلوں سے نبٹنا ہمارے لئے بابا مشکل نہیں ہوگا۔ ابوالفیض کا بیٹا ان دنوں دہلی گیا ہوا ہے۔ میں نے اس کا پتہ کیا ہے۔ واپس آئے گا تو اس سے بات کریں گے۔''

فرید خان اور رستم خان دونوں باپ بیٹے کی گفتگو سے راجہ جگن ناتھ خوش ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ جگن ناتھ پھر فرید خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''میں ذرا دوسرے موضوع کی طرف چلا گیا تھا' جس بات کے سلسلے میں میں تم سے یہ کہنے والا تھا کہ میرا کہا نہ ٹالنا وہ یہ کہ میں چاہتا ہوں' آج شام تم دونوں باپ بیٹے کی ہمارے ہاں دعوت ہوگی۔ اس کے لئے میں اپنے اہل خانہ کو بتا کر آیا ہوں۔ لہٰذا فرید خان میرے بھائی انکار مت کرنا۔''

''ساتھ ہی میں رستم خان سے متعلق بھی تمہیں کچھ کہوں' رستم خان کی حیثیت میرے ہاں میرے بیٹے کی سی ہے۔ فرید خان میری دو بیٹیاں ہیں اور ایک بیٹا ہے۔ بڑی بیٹی کا نام مالتی اور چھوٹی کا نام سمترا ہے۔ بیوی کا نام سروجنی ہے۔ میرے بھائی میرے بیٹے کا نام شنکر ناتھ ہے۔ میرے ہمسائے میں مجھ سے پہلے گوالیار کے راجہ رام داس نے حویلی خریدی ہوئی ہے اور آج کل وہ بھی اپنے اہل خانہ کے ساتھ وہیں قیام کیے ہوئے ہیں۔ اس کی ایک بیٹی

ہے اور ایک بیٹا' بیٹے کا نام رام پرشاد ہے اور بیٹی کا نام کامنی' وہ بھی بڑے اچھے لوگ ہیں۔ ہمارے ہاں ان کا اکثر آنا جانا ہے۔ فرید خان یہ ساری تفصیل بتانے سے مقصد یہ ہے کہ رستم خان کو کبھی کبھی میرے ہاں آنا جانا چاہیے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ میرے ہاں آئے' میرے اہل خانہ کے ساتھ اٹھے بیٹھے' میں چاہتا ہوں کہ میری دونوں بیٹیوں میں سے جو بھی اسے پسند کرے گی' میں اسے اس سے بیاہ دوں گا۔ میری بیوی سروجنی اسے اچھی طرح جانتی ہے اور اسے اس کی عادات اور اطوار پسند بھی ہیں۔ وہ اسے بیٹے ہی کی طرح چاہتی ہے۔ وہ کئی بار تقاضا کر چکی ہے کہ رستم خان شرمیلا بہت ہے۔ اسے ہمارے ہاں آنا جانا چاہیے۔ بہرحال آج شام کا کھانا آپ دونوں باپ بیٹا میرے ہاں کھاؤ گے۔ فرید خان فی الحال تم تھکے ہارے ہو میں جاتا ہوں' اس کے ساتھ ہی امبر کا راجہ جگن ناتھ وہاں سے نکل گیا تھا۔''

✧ ✧ ✧

اسی روز مغرب کی نماز کے بعد فرید خان اور رستم خان دونوں باپ بیٹا امبر کے راجہ جگن ناتھ کی حویلی کے سامنے آئے اور دروازے پر انہوں نے دستک دی تھی۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا۔ دروازہ کھولنے والی ایک لڑکی تھی اور لڑکی بھی کمال تھی' وہ جاگتے لمحوں کی انگڑائی میں قرب کے خیالستان طغیان ذوق میں نگارستان حسن جیسی پرکشش تھی۔ در و دیوار پر دمادم رقص کرتی چاندنی اور ماورائے بیان پرخمار مسرت لمحوں میں ہونٹوں سے ٹپکتے نرم بوسوں جیسی جاذب نظر تھی۔ افق با افق پھیلے' شفق شمائل اور بہار شمیم لمحات کی سی خوبصورت تھی۔ اس کے رخ گلگوں دہکتے لبوں' مرمریں پیکر بازوؤں' شفاف تن اور اس کی شخصیت نے اسے کمال قدرت کی صناعی بنا دیا تھا۔ اس کی سحر آفرین نگاہوں کی گھنیر پراسرار پلکوں میں حجاب عصمت اور عفت تھی۔ دروازہ کھولنے کے بعد اس لڑکی کے ریشم سے ہونٹ کھلے پھر طلسماتی جھنکارسی آواز سنائی دی۔ اس نے رستم خان کی طرف دیکھتے ہوئے سلام کیا تھا۔ اس لئے کہ رستم خان کو وہ پہچانتی تھی۔ امبر میں وہ ان کے ہاں چار سال گزار چکا تھا۔ لڑکی عمر کے اس حصے میں تھی' جہاں رخصت ہوتی طفلی اور اٹھتی شوخ جوانی گلے ملتی ہیں۔ کفر سامان شباب اس پر اپنا رنگ جما رہا تھا اور بلوغت کی دہلیز پر وہ قدم رکھ رہی تھی۔ نسوانیت کی اولین کرنیں اس کی شخصیت کے الاؤ کو روشن کر رہی تھیں۔

رستم خان کو باہر کھڑے دیکھ کر اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اس کے ساتھ شاید اس کا

باپ فرید خان ہے۔ لہٰذا اس نے دروازہ کھول دیا' خود پیچھے ہٹ گئی۔

حویلی میں داخل ہونے کے بعد فرید خان نے بڑی شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا' اتنی دیر تک سامنے کی طرف سے خود راجہ جگن ناتھ' اس کی بیوی سروجنی اور بڑی بیٹی مالتی نکل آئی تھیں' جس لڑکی نے دروازہ کھولا تھا' جگن ناتھ اس کی طرف اشارہ کر کے فرید خان سے کہنے لگا۔

"فرید خان یہ میری چھوٹی بیٹی سمترا ہے یہ جو میرے ساتھ آئی ہے' یہ بڑی بیٹی مالتی ہے اور یہ میری بیوی سروجنی ہے۔ اسے تم جانتے ہی ہو۔ سب نے ایک دوسرے سے سلام کیا پھر دیوان خانے میں سب جا بیٹھے تھے۔ یہاں تک کہ جگن ناتھ کی بیوی سروجنی نے گفتگو کا آغاز کیا اور فرید خان کو مخاطب کر کے کہا۔

"فرید خان میرے بھائی' مجھے رستم خان سے بے شمار گلے اور شکوے ہیں۔ میں نے کئی بار اس سے کہا کہ تمہارے باپ فرید خان کے ہم پر نہیں' ہمارے پورے خاندان پر ایسے احسانات ہیں کہ ہم انہیں زندگی بھر نہیں اتار سکتے۔ فرید خان نے میرے شوہر کی ایک ایسے موقع پر جان بچائی' اگر وہ ایسا نہ کرتا تو آج میرے شوہر کا سایہ مجھ پر نہ ہوتا۔ یہ ایسا احسان ہے' جسے ہم جیون بھر نہیں بھلا سکتے۔ میں نے کئی بار اسے شفقت میں کہا' سمجھاتے ہوئے بھی کہا اور کئی بار پیار سے اور ڈانٹنے کے انداز میں بھی کہا۔ رستم خان میرے بچے یہ حویلی تمہاری اپنی ہے۔ یہاں آیا جایا کرو لیکن یہ ایسا شرمیلا ہے کہ آتا ہی نہیں۔ ایک بار تو میں تنگ آ کر خود اس کی طرف جانے لگی۔ آخر میرا بیٹا شنکر حرکت میں آیا۔ اس کی طرف گیا اور زبردستی اسے بلا کر لایا۔"

یہاں تک کہتے کہتے سروجنی کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ حویلی کا بیرونی دروازہ کھلا اور راجہ جگن ناتھ کا بیٹا شنکر ناتھ حویلی میں داخل ہوا۔ شاید وہ گھر کا کچھ سودا سلف خریدنے گیا ہوا تھا۔ اس لئے کہ وہ کچھ سامان اٹھائے ہوئے تھا۔ چودہ پندرہ سال کا وہ لڑکا تھا جب اس نے دیکھا کہ دیوان خانے میں فرید خان اور رستم خان بیٹھے ہوئے ہیں تو جو سامان اس نے اپنے ہاتھوں میں پکڑا ہوا تھا۔ وہ اس نے دیوان خانے سے باہر ہی رکھ دیا' بھاگتا ہوا دیوان خانے میں داخل ہوا اور باری باری بڑے پرجوش انداز میں فرید خان اور رستم خان سے گلے ملا تھا۔

اس موقع پر فرید خان نے جگن ناتھ کی دونوں بیٹیوں سمترا اور مالتی کا جائزہ لیا۔ سمترا چھوٹی' مالتی بڑی تھی لیکن دونوں ہی حسین' خوبصورت تھیں۔ اس موقع پر جگن ناتھ کی بیوی سروجنی بولی اور فرید خان کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

"بھائی آج آپ نے شب بسری بھی ہمارے ہاں کرنی ہے۔ رستم خان ہمارے ہاں رات بسر کرتے ہوئے اس طرح ڈرتا ہے جیسے ہم اسے اغوا کر کے کسی اور دیس میں پہنچا دیں گے۔ جب آپ رکیں گے تو یقیناً آپ کے ساتھ یہ بھی قیام کرے گا۔" اس موقع پر سروجنی نے اپنی دونوں بیٹیوں مالتی اور سمترا کی طرف دیکھا پھر کہنے لگی۔

"میری دونوں بچیوں شنکر جو پھل لے کر آیا ہے۔ وہ جا کر کاٹو اور کھانے پینے کا سامان لاؤ۔ اس کے بعد ہم سب وہیں آ جاتے ہیں۔" اس پر مالتی اور سمترا دونوں بہنیں اٹھ کے باہر نکل گئی تھیں اور وہ چیزیں جو کپڑے کے تھیلوں میں شنکر ناتھ لے کر آیا تھا۔ وہ دونوں بہنیں اٹھا کر لے گئی تھیں۔

کوئی زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ حویلی میں گوالیار کا راجہ رام داس' اس کی بیٹی کامنی' اس کا بیٹا رام پرشاد جو جگن ناتھ کے بیٹے شنکر ناتھ کا ہم عمر تھا اور بیوی پاروتی داخل ہوئے تھے۔ سب نے ایک دوسرے کا تعارف کروایا۔ اتنی دیر تک جگن ناتھ کی بڑی بیٹی مالتی وہاں آئی۔ کھانا لگنے کی اطلاع دی' پھر سب اٹھ کر بڑے کمرے میں داخل ہوئے تھے۔ جہاں بڑے طریقے اور سلیقے سے کھانے کے برتن لگا دیئے گئے تھے۔ جب سب نشستوں پر بیٹھ گئے' تب گوالیار کا راجہ رام داس فرید خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"فرید خان سب سے پہلے تو میں' میری بیوی' میری بیٹی اور بیٹا تمہارے شکر گزار ہیں کہ جگن ناتھ نے تمہاری دعوت کا اہتمام کیا اور اس کی وجہ سے ہمیں بھی اس دعوت سے لطف اٹھانے کا موقع ملا۔ اس کے بعد میں جگن ناتھ کا بھی بے حد شکر گزار ہوں کہ اس نے ہمیں بھی دعوت دی اور اس طرح سب کو ایک دوسرے سے ملنے کا موقع ملا۔"

اس پر سب مسکرا دیئے تھے اور اس کے بعد سب کھانا کھانے لگے تھے۔ وہ شب جگن ناتھ اور اس کی بیوی سروجنی کے زور دینے پر فرید خان اور رستم خان دونوں باپ بیٹے نے وہیں بسر کی اور اگلے روز صبح ہی صبح مستقر میں اپنے کمرے کی طرف چلے گئے تھے۔

✧ ✧ ✧

اپنے بیٹے خسرو کے بغاوت اور سرکشی کرنے کے بعد جہانگیر کو جو سب سے پہلی مہم پیش آئی' وہ بیکانیر کے راجہ رائے سنگھ کی تھی۔ تخت نشین ہونے کے بعد جہانگیر نے بیکانیر کے راجہ کو ترقی بھی دی تھی۔ چنانچہ جس وقت اپنے بیٹے خسرو کی بغاوت کو فرو کرنے کے لئے جہانگیر آگرہ سے لاہور کی طرف روانہ ہوا تھا۔ بیکانیر کے راجہ رائے سنگھ کے ذمے اس نے یہ کام لگایا تھا کہ وہ شاہی حرم کو آگرہ سے لاہور پہنچائے گا۔

چنانچہ بیکانیر کے راجہ رائے سنگھ نے یہ فرض تو ادا کیا کہ جہانگیر کے حرم کو اس نے لاہور پہنچایا' پھر لاہور سے فرار ہو گیا اور جہانگیر کے خلاف اس نے بغاوت کھڑی کر دی۔ دراصل بیکانیر کے راجہ رائے سنگھ کو یہ وہم' یہ غلط فہمی ہو گئی تھی کہ جہانگیر کے خلاف اس کے بیٹے خسرو نے چونکہ بغاوت کھڑی کر دی ہے۔ خسرو نے لاہور کا محاصرہ کر لیا ہے اور ہو سکتا ہے' جہانگیر کے لاہور پہنچنے سے پہلے پہلے خسرو لاہور پر قبضہ کر لے اور اگر خسرو نے لاہور پر قبضہ کر لیا تو اس کی طاقت اور قوت میں اضافہ ہو جائے گا۔ چنانچہ جہانگیر کو وہ تخت و تاج سے محروم کر کے خود ہندوستان کا شہنشاہ بن سکتا تھا۔

اسی بناء پر بیکانیر کے راجہ نے ایک طرح سے جہانگیر کے خلاف اور اس کے بیٹے خسرو کے حق میں بغاوت کھڑی کر دی تھی۔ جہانگیر کو آگرہ پہنچنے کے بعد خبر ہوئی کہ بیکانیر کا راجہ بغاوت' سرکشی پر اترا ہے اور اس نے بہت بڑا لشکر اکٹھا کر لیا ہے اور اس لشکر کو حرکت میں لاتے ہوئے وہ جہانگیر کے لشکر پر ضرب لگانا چاہتا ہے۔ اس سے رائے سنگھ کا یہ ارادہ تھا کہ ایک طرف جب خسرو جہانگیر پر ضرب لگائے گا اور دوسری طرف سے خود بیکانیر کا راجہ رائے سنگھ جہانگیر کے خلاف اٹھ کھڑا ہو گا تو جہانگیر دو طرفہ حملوں کا دفاع نہیں کر سکے گا اور تخت و تاج سے محروم ہو جائے گا۔ لیکن بیکانیر کے راجہ کی بدقسمتی کہ خسرو کو زیر کر لیا گیا اور اسے اس کی بینائی سے بھی محروم کر دیا گیا۔ چنانچہ آگرہ پہنچنے کے بعد جہانگیر نے اپنے امراء اور سالاروں کا اجلاس طلب کر لیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ بڑے سالار فرید خان کے ساتھ اس کا بیٹا رستم خان بھی اس اجلاس میں شامل ہوا تھا اور شہزادہ خرم یعنی شاہجہان نے رستم خان کا تعارف اس مجلس میں جہانگیر سے ایک بار پھر کرایا تھا۔ اس لئے کہ رستم خان چار سال کے بعد سامنے آ رہا تھا۔

چنانچہ جہانگیر نے ایک اہم فیصلہ کیا' پہلے اس کا ارادہ تھا کہ رائے سنگھ کی اس بغاوت کو

امبر کے راجہ جگن ناتھ اور فرید خان کے ذریعے ختم کرے' اس لئے کہ راجہ جگن ناتھ اور فرید خان کے درمیان بڑا تعلق' بڑا اتفاق اور یکجہتی تھی لیکن جب اس نے دیکھا کہ فرید خان اب بوڑھا ہو چکا ہے اور اس کا بیٹا خوب دراز قد اور کڑیل جوان بنا ہے اور ضرب و حرب کے فنون میں بھی مہارت رکھتا ہے' تب اس نے راجہ جگن ناتھ کے ساتھ فرید خان کے بجائے اس کے بیٹے رستم خان کو بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا۔

اس فیصلے کے بعد جب جہانگیر نے اپنے امراء اور دیگر بڑے سالاروں کے اس فیصلے کے متعلق ان کی رائے طلب کی' تب بڑے سالاروں میں سے اسلام خان' عبداللہ خان' پیر خان لودھی' جو تاریخ کے اوراق میں خان جہاں کے نام سے یاد کیا جاتا تھا اور عبدالرحیم خان جسے خان خاناں کہتے تھے۔ اس کے علاوہ نور جہاں کے باپ غیاث بیگ' بھائی آصف خان سب نے اس فیصلے کی حمایت اور تعریف کی۔ تاہم اس فیصلے کے خلاف صرف مہابت خان نے اعتراض کیا۔ مہابت خان سے اس مخالفت کی وجہ پوچھی گئی تو مہابت خان جس کا اصل نام زمان خان تھا اور پہلے وہ ہندوستان میں ایران کے شہنشاہ اسماعیل کا سفیر تھا لیکن کچھ امور میں اختلافات کی بناء پر وہ ایران سے بغاوت کر کے ہندوستان ہی میں مقیم ہو گیا تھا۔ اس نے رستم خان کے خلاف اپنے اعتراض کی وجہ یہ بتائی کہ'' رستم خان ابھی کم عمر ہے۔ ایک مجرم کی حیثیت سے زندان میں بھی رہا ہے' ناجانے اسے تیغ زنی اور حرب و ضرب کا کوئی تجربہ بھی ہے کہ نہیں' شکست کی صورت میں بیکانیر کے راجہ رائے سنگھ کا دماغ اور خراب ہو جائے گا اور وہ طاقت و قوت پکڑ کر ہمارے لئے ایک مصیبت کھڑی کر دے گا۔''

دراصل ایرانی سالار مہابت خان یا دوسرے الفاظ میں زمان خان ایک خود پسند اور خود پرست انسان تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ امبر کے راجہ جگن ناتھ اور فرید خان کے بیٹے رستم خان کی جگہ اس بغاوت کو ختم کرنے کے لئے جو لشکر بھیجا جا رہا ہے' اس کا سالار اسے مقرر کیا جائے تا کہ دربار میں اس کی اہمیت دو چند ہو جائے۔

چنانچہ جب اس نے یہ اعتراض کھڑا کیا۔ تب فرید خان جو اس وقت دربار میں موجود تھا' جہانگیر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

'' شہنشاہ معظم اعتراض کھڑا کرنا ہر ایک کا حق بنتا ہے۔ مہابت خان اگر یہ سمجھتا ہے کہ میں نے اپنے بیٹے کی حرب و ضرب میں تربیت نہیں کی اور یہ کہ میرے بیٹے نے ایک عرصہ

زندان میں گزارا ہے تو یہ اس کی غلط فہمی ہے۔ جب میرا بیٹا زندان میں میرے ساتھ تھا تو میں زندان میں اس کی جنگی اور حرب ضرب کی تربیت کرتا رہا۔ اس کے بعد یہ چار سال تک امبر کے راجہ جگن ناتھ کے پاس رہا۔ وہاں بھی اس نے بہترین اور اعلیٰ پائے کی تربیت حاصل کی۔ اس موقع پر میں مہابت خان کے الفاظ کے خلاف احتجاج بھی کرتا ہوں۔ اس نے میرے بیٹے کے خلاف یہ الفاظ استعمال کیے ہیں کہ میرا بیٹا ایک مجرم کی حیثیت سے زندان میں رہا ہے۔ مہابت خان کا یہ اعتراض غلط ہے۔ میرے بیٹے نے کوئی جرم نہیں کیا تھا۔ صرف میرے ساتھ اس نے دین الٰہی کی مخالفت کی تھی اور اس دین کی مخالفت تقریباً سبھی مسلمانوں نے کی تھی۔ ہاں اگر مہابت خان اس دین کے حق میں تھا تو یقیناً پھر مہابت خان کی حق تلفی ہوئی ہوگی۔ اس کے باوجود میں مہابت خان سے کہتا ہوں کہ اگر یہ سمجھتا ہے کہ میرا بیٹا تیغ زنی یا جنگی امور میں خام کار ہے تو مہابت خان جس کو چاہے مقابلے کے لئے میرے بیٹے کے سامنے لے آئے۔ اگر مقابلے کے لئے اسے کوئی اور نہیں ملتا تو میں مہابت خان کو دعوت دیتا ہوں کہ یہ خود اٹھے اور تیغ زنی میں میرے بیٹے رستم خان کا مقابلہ کرے۔''

رستم خان خود اپنی کارکردگی سے ثابت کرے گا کہ اس کی جنگی تربیت کس طرح کی گئی ہے۔

فرید خان کے ان الفاظ پر دربار کے اندر ایک سناٹا اور سکتہ سا طاری ہو گیا تھا۔ فرید خان کے الفاظ سن کر مہابت خان اپنی بے عزتی محسوس کر رہا تھا کہنے لگا۔

''رستم خان سے تیغ زنی کا مقابلہ میری توہین ہے۔ میرا ایک معمولی شاگرد بھرے دربار میں رستم خان کو اپنے سامنے زیر کر سکتا ہے۔ میں ابھی اسے بلواتا ہوں۔''

اس کے ساتھ ہی مہابت خان نے اپنے ایک ساتھی کو مخصوص اشارہ کیا۔ وہ باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوٹا اور ایک نوجوان کو اپنے ساتھ لے کر آیا جو عمر میں رستم خان سے ذرا بڑا ہی ہوگا۔ جب وہ دربار میں آیا تب مہابت خان کہنے لگا۔

''یہ میرا شاگرد ابھی اپنے ہنر اور تیغ زنی میں خام کار ہے لیکن میں آپ لوگوں کو یقین دلاتا ہوں کہ لمحوں کے اندر رستم خان کو اپنے سامنے زیر کرے گا۔''

سب اس معاملے کو حیرت اور تعجب سے دیکھ رہے تھے۔ سب کی نگاہیں جہانگیر پر جمی ہوئی تھیں۔ اس موقع پر نورجہاں جو جہانگیر کے پیچھے بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ بھی اس سارے

معاملے کو پریشانی سے دیکھ رہی تھی۔ یہاں تک کہ جہانگیر نے اس مقابلے کی اجازت دے دی، جس پر مہابت خان کا وہ شاگرد بیچ میں جو خالی جگہ تھی ادھر آن کھڑا ہوا۔ رستم خان بھی اپنی تلوار بے نیام کر کے اس خالی جگہ میں آیا اور جہانگیر نے مقابلہ شروع کرنے کی اجازت دے دی۔ مہابت خان کی بدقسمتی کہ اپنے جس سالار کو وہ رستم خان کے ساتھ مقابلے کے لئے لایا تھا اور جسے اس نے رستم خان کے سامنے اتارا تھا۔ وہ تیغ زنی میں رستم خان کے سامنے چند لمحے بھی نہ ٹھہر سکا اور رستم خان نے نا صرف یہ کہ اسے زیر کر لیا بلکہ اس کی تلوار اور ڈھال بھی اس سے چھین لی۔

یہ صورت حال دیکھتے ہوئے مہابت خان اپنی جگہ پر بیٹھا گردن جھکائے ندامت اور خجالت محسوس کر رہا تھا۔ یہاں تک کہ رستم خان نے تیز نگاہوں سے مہابت خان کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

''مہابت خان تمہارا یہ چہیتا شاگرد تو مجھ سے مات کھا گیا۔ اب میں تمہیں مقابلے کی دعوت دیتا ہوں۔ ذرا میدان میں اترو اور پھر دیکھتے ہیں کس کی تلوار کس کو ناکامی سے دوچار کرتی ہے اور کس کے دامن میں کامیابیوں کے پھول برساتی ہے۔''

مہابت خان اپنی جگہ پر بیٹھا رہا کچھ نہ بولا' وہ شاید یہ خیال کر رہا تھا کہ وہ پرانا سالار ہے۔ لہٰذا بھرے دربار میں جو رستم خان اس کی توہین کر رہا ہے۔ اس کا جواب جہانگیر دے گا لیکن جہانگیر مسکرا رہا تھا کچھ نہ بولا' جب کچھ دیر تک مہابت خان نہ اٹھا' تب رستم خان مڑا اور جس نشست سے اٹھ کر وہ آیا تھا۔ اسی نشست پر جا کر بیٹھ گیا۔

چنانچہ یہ فیصلہ اپنی جگہ پر رہا کہ بیکانیر کے راجہ رائے سنگھ کی بغاوت کو ختم کرنے کے لئے امبر کا راجہ جگن ناتھ اور رستم خان روانہ ہوں گے۔ چنانچہ اگلے روز ایک لشکر ان کے حوالے کیا گیا اور اس لشکر کو لے کر وہ بیکانیر کی طرف کوچ کر گئے تھے۔

بیکانیر کے راجہ کو بھی خبر ہو چکی تھی کہ اس کی بغاوت کو ختم کرنے کے لئے امبر کے راجہ جگن ناتھ اور بزرگ سالار فرید خان کے بیٹے رستم خان کو بھیجا جا رہا ہے۔ لہٰذا دونوں کا مقابلہ کرنے کے لئے وہ بھی بالکل تیار اور مستعد ہو گیا تھا اور اپنے مرکزی شہر سے دور اس نے راجہ جگن ناتھ اور رستم خان کی راہ روک دی تھی۔

پھر دونوں لشکروں نے ایک دوسرے کے سامنے اپنی صفیں درست کیں۔ ابتداء بیکانیر

کے راجہ رائے سنگھ نے کی اور وہ دکھ بھرے موسموں میں درد کی فصلیں کھڑی کر کے مجروح کرتے تیغ نما حروف موسموں کی گہری گرد اور سرما کی سرد دھند میں کرب بھری داستانوں اور قضا کے ارتعاش کے قصوں کی طرح رستم خان اور راجہ جگن ناتھ کے لشکر پر حملہ آور ہوا تھا۔

دوسری طرف جگن ناتھ اور رستم خان نے بھی اپنے لشکر کو ریگستانوں کی اندھی ویرانیوں میں اچانک جاگ اٹھنے والے بے تحاشا طوفانوں اور بیابانوں کی وحشتوں میں فنا کی تحریریں رقم کرتی وحشت اور بربریت کی ستم آرائی کی طرح آگے بڑھایا' پھر وہ بیکانیر کے راجہ رائے سنگھ کے لشکر پر بدترین اذیت ناک سرخ شعلوں کے رقص' قہرمانیت کی تاریک گہرائیوں میں تقدیر سے الجھتے قہر آلود اضطراب اور آتش زنی اور خون ریزی کا بازار گرم کرتے جوالا مکھی کے دھانوں کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

دونوں لشکریوں کے بیکانیر کی سرزمین میں ٹکرانے سے شوق ادراک اندھا عقل کی معراج گمراہ تدبیر کے تیشے کند ہونے لگے تھے۔ ہر ذات کے حصار میں شکست و ریخت کے لمحے رقص کرنے لگے تھے۔ دل کے آئینے شکست خوردہ اوہام کے زنگار میں بدلنے لگے تھے۔

کچھ دیر تک بیکانیر کے راجہ رائے سنگھ نے ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن آخر کار اسے اپنے لشکر کے اندر شکست اور بددلی کے آثار دکھائی دینا شروع ہوئے۔ اس موقع پر اس کے لشکر کی حالت دیکھتے ہوئے رستم خان اور جگن ناتھ نے اپنے حملوں میں تیزی پیدا کر دی تھی جس کے نتیجے میں بیکانیر کے راجہ رائے سنگھ کو شکست ہوئی۔ اس کے لشکر کی اکثریت کو کاٹ دیا گیا اور بیکانیر کے راجہ رائے سنگھ کو گرفتار کر لیا گیا۔

اس طرح بیکانیر کی بغاوت کو ختم کرنے کے بعد راجہ جگن ناتھ اور رستم خان اپنے لشکر کے ساتھ پلٹے اور آگرہ میں داخل ہوئے۔ باغی راجہ رائے سنگھ کو جہانگیر کے سامنے پیش کیا گیا۔ بیکانیر کا راجہ رائے سنگھ جہانگیر کے قدموں میں گر گیا۔ اپنی غلطی کی معافی مانگی جس پر جہانگیر نے اس کی خطا معاف کر دی۔

جگن ناتھ رائے سنگھ کی معافی کے بعد جب اپنی حویلی میں داخل ہوا تو اس کی واپسی پر اس کی بیوی سروجنی دونوں بیٹیوں مالتی اور سمترا اور بیٹے شنکر ناتھ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ سب بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے جگن ناتھ سے گلے ملے اور دیوان خانے میں بیٹھ گئے۔

اس موقع پر پرکشش اور حسین سمترا بڑے خوش کن انداز میں اپنے باپ جگن ناتھ کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

" بابا اب تو آگرہ کے ہر گھر میں شہنشاہ جہانگیر کے ساتھ آپ کے خلوص اور آپ کی بہادری' جرأت مندی کی داستانیں دہرائی جانے لگی ہیں۔ بیکانیر کی اس مہم میں کامیابی حاصل کر کے آپ نے اپنی ذات کو ایک نئی شہرت بخش دی ہے۔"

سمترا جب خاموش ہوئی' تب کچھ دیر تک توصیفی انداز میں راجہ جگن ناتھ اس کی طرف دیکھتا رہا پھر کہنے لگا۔

" بیٹی سچی بات تو یہ ہے کہ اس لڑائی میں میری کارکردگی کم رہی' اصل کام رستم خان نے کیا۔ رستم خان بیکانیر کے باغی راجہ رائے سنگھ پر اس طرح حملہ آور ہوا کہ اس کے لشکر کی صفوں کے اندر تیز خنجر کی طرح گھستا چلا گیا۔ یہ رستم خان ہی تھا جس نے بیکانیر کے راجہ رائے سنگھ کی اگلی صفوں کا مکمل طور پر صفایا کر دیا اور پھر اس کے لشکر کے وسطی حصے میں جا پہنچا اور یہ بھی رستم خان ہی ہے جس نے بیکانیر کے راجہ رائے سنگھ کو زندہ گرفتار کیا۔

میرے اور رستم خان کے ذمے اس بغاوت کو فرو کرنے کی ذمہ داری لگائی گئی تھی' میں اور رستم خان نے اسے بڑے احسن طریقے سے مکمل کیا' بلکہ رائے سنگھ کو زندہ گرفتار کیا۔ رائے سنگھ کو جہانگیر کے سامنے پیش کیا گیا۔ چنانچہ شہنشاہ نے اس کے معافی مانگنے پر اس کی خطا معاف کر دی ہے اور امید ہے کہ آنے والے دور میں وہ ایسی بغاوت اور سرکشی کھڑی نہیں کرے گا۔

اس موقع پر راجہ جگن ناتھ کی پتنی سروجنی نے کچھ سوچا پھر جگن ناتھ کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

" آپ رستم خان کو اپنے ساتھ ہی یہاں لے آتے۔ اگر آپ اس کی کارکردگی سے اتنے ہی خوش ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کی فتح اس کی وجہ سے ہے تو پھر اسے یہاں لانا چاہیے تھا۔ ہم اس کی دعوت کرتے۔ اس کی خدمت کرتے۔ آخر وہ ہمارا بیٹا ہی ہے۔ اس لئے کہ وہ فرید خان کا بیٹا ہے اور فرید خان وہ سالار رہے جس نے ہم پر ایک ایسا احسان کیا ہے جس کا بدلہ نہیں چکایا جا سکتا۔"

جواب میں راجہ جگن ناتھ کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اس کی بیٹی سمترا نے اس بار بڑی

سنجیدگی میں پوچھ لیا۔

"بابا جب ان دونوں باپ بیٹے نے ایک شب ہمارے ہاں بسر کی تھی تو دوران گفتگو آپ نے بتایا تھا کہ وہ دونوں باپ بیٹا مستقر کے ایک کمرے میں رہتے ہیں۔ اگر ان کا اتنا بڑا گھرانہ تھا' جسے کسی نے قتل کر دیا تو پھر جس گھر میں یا جس حویلی میں وہ رہتے تھے اس کا کیا بنا۔"

اس پر دکھ کے اظہار میں جگن ناتھ کہنے لگا۔

"بیٹی ان دونوں باپ بیٹے کو زندان میں اس لئے ڈالا گیا تھا کہ انہوں نے اکبر کے دین الٰہی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا اور جب ان کو زندان میں ڈالا گیا تو اکبر کے حکم سے ان کی حویلی اور جس قدر جائیداد تھی وہ سب دوسرے لوگوں میں تقسیم کر دی گئی تھی۔"

"اب چونکہ شہزادہ خرم ان دونوں باپ بیٹے کی حمایت پر ہے۔ لہٰذا اپنے باپ شہنشاہ جہانگیر سے بات کر کے وہ آگرہ شہر میں ان کی جو حویلی ہوا کرتی تھی' وہ خالی کرا کے ان کے حوالے کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔"

جگن ناتھ کے اس انکشاف پر سمترا اور مالتی ہی نہیں اس کی پتنی سروجنی بھی خوش ہو گئی تھی۔ اس موقع پر جگن ناتھ کو اچانک کوئی خیال گزرا اور پھر کہنے لگا۔

"میں تم لوگوں سے ایک بڑی اچھی بات کہنا بھول گیا' جس وقت شہنشاہ نے دربار منعقد کیا تھا اور باغی رائے سنگھ کے خلاف جس لشکر نے جانا تھا اس کی کمانداری میرے اور رستم خان کے حوالے کی گئی تھی۔ تب سب نے اس کمانداری پر اپنے اطمینان کا اظہار کیا تھا۔ صرف مہابت خان نے اعتراض کیا تھا کہ رستم خان ابھی نوعمر ہے۔ اس کا جنگ کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔ اس نے زندان میں بھی کئی سال گزارے ہیں۔ پتا نہیں اس کی عسکری تربیت بھی ہوئی ہے کہ نہیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ رستم خان کو اس مہم پر نہ بھیجا جائے بلکہ یہ مہم اس کے سپرد کی جائے تاکہ وہ نام پیدا کر سکے لیکن کمال کی بات یہ کہ اس موقع پر فرید خان نے اٹھ کر مہابت خان کے اس اعتراض کا جواب دیا اور اپنے بیٹے رستم خان کی عسکری تربیت پر روشنی ڈالی' جواب میں مہابت خان نے انکار کر دیا اور یہ جملہ سر دربار کہہ دیا کہ اس کا ایک نوآزمودہ اور نیا شاگرد رستم خان کو زیر کر سکتا ہے۔

چنانچہ شہنشاہ کے کہنے پر اس کے شاگرد کو بلایا گیا۔ دونوں میں مقابلہ ہوا' یعنی رستم خان

اور مہابت خان کے شاگرد کے درمیان' جسے رستم خان نے چند لمحوں میں ہی پچھاڑ دیا اور اس کے بعد رستم خان نے جو کمال کی بات کی وہ یہ تھی کہ مہابت خان کے شاگرد کو ہرانے کے بعد اس نے مہابت خان کو مقابلے کی دعوت دی لیکن مہابت خان اپنی جگہ سے اٹھ کر مقابلے پر نہیں گیا۔ شرمندہ سا ہو کر اپنی جگہ پر بیٹھا رہا جس کے بعد شہنشاہ نے مطمئن ہو کر مجھے اور رستم خان کو اس مہم کی سالاری پر بحال رکھا۔"

اس موقع پر جگن ناتھ کی بڑی بیٹی مالتی بولی اور کہنے لگی۔

"بابا آپ اٹھیں نہا کر لباس تبدیل کریں پھر بیٹھتے ہیں۔" اس پر جگن ناتھ اٹھ کھڑا ہوا اور طہارت خانے کی طرف ہو لیا تھا۔

✧ ✧ ✧

نورجہاں نے جہانگیر کے دل میں اپنا گھر کرنے اور سلطنت میں قدم جمانے کے بعد سازشوں کا ایک سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ اس کو محلاتی سازشیں بھی کہا جا سکتا ہے۔ منگولوں کی بدقسمتی کہ تین ایرانی ان کے خلاف اپنی اپنی سازشوں کے مرکز بنا چکے تھے۔ ایک نورجہاں' دوسرا نورجہاں کا بھائی آصف خان اور تیسرا مہابت خان' جس کا اصل نام زمان خان تھا۔

نورجہاں کی ایک ہی بیٹی تھی جو اس کے پہلے شوہر علی قلی خان یعنی شیر افگن سے تھی۔ نورجہاں یہ چاہتی تھی کہ اس کی بیٹی لاڈلی بیگم کی شادی جہانگیر کے کسی بھی بیٹے سے ہو جائے تاکہ جہانگیر کے بعد نورجہاں اسے ہی ہندوستان کے تاج وتخت کا مالک بنا دے تاکہ اس کے ساتھ اس کی بیٹی بھی حکومت میں شامل رہے اور ساتھ ہی ساتھ جس طرح نورجہاں جہانگیر کے دور میں حکومت کے معاملات میں دخل اندازی کرتی ہے اس کی یہ دخل اندازی اگلے حکمران کے دور میں بھی جاری رہے۔

اپنی اس سازش کی تکمیل کے لئے نورجہاں نے سب سے پہلے شہزادہ خرم یعنی شاہجہان کا چناؤ کیا۔ وہ چاہتی تھی کہ اس کی بیٹی کی شادی شاہجہان سے ہو جائے تاکہ جہانگیر کے بعد شاہجہان کو ہندوستان کا بادشاہ بنایا جائے اور اپنی بیٹی کی وساطت سے وہ حکومت کے معاملات میں اپنا عمل دخل برقرار رکھے۔ جب اندرون خانہ نورجہاں نے یہ بات آگے بڑھائی کہ لاڈلی بیگم کو خرم یعنی شاہجہان سے بیاہ دیا جائے تو خرم نے بڑی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے اس رشتے سے انکار کر دیا۔ اس لئے کہ خرم نورجہاں کو پسند نہیں کرتا تھا۔ اسے شک ہو چکا تھا کہ یہ اس کے خلاف حرکت میں ضرور آئے گی۔

شاہجہان سے مایوس ہونے کے بعد نورجہاں نے اپنا دوسرا شکار جہانگیر کے بیٹے خسرو کو بنایا جس کی پہلے بینائی ضائع کر دی گئی تھی اور بعد میں علاج سے اس کی ایک آنکھ کی بینائی

بحال ہو گئی تھی۔ چنانچہ اس نے کوشش کی کہ اپنی بیٹی لاڈلی بیگم کو جہانگیر کے بڑے بیٹے خسرو کے ساتھ بیاہ دے۔ خسرو گو ان دنوں اپنی ایک آنکھ کی بینائی سے محروم بڑی کسمپرسی کی زندگی بسر کر رہا تھا لیکن وہ پہلے سے شادی شدہ تھا وہ کیونکہ اپنی بیوی سے بے پناہ محبت کرتا تھا لہٰذا اس نے بھی نورجہاں کی بیٹی لاڈلی بیگم سے شادی کرنے سے انکار کر دیا۔

لیکن نورجہاں بھی ہار ماننے والی نہیں تھی۔ اپنی سازشوں کے اس تانے بانے کو وہ کسی انجام پر ضرور پہنچانا چاہتی تھی۔ لہٰذا اب اس نے تیسرے شکار کی طرف دھیان دیا اور تیسرا شکار جہانگیر کا بیٹا شہریار تھا۔ چنانچہ نورجہاں نے یہ فیصلہ کیا کہ اپنی بیٹی لاڈلی بیگم کو شہریار سے بیاہ دے گی اور جہانگیر سے کہہ کر وہ شہریار کو ولی عہد مقرر کر دے گی تاکہ جہانگیر کے بعد شہریار ہی ہندوستان کے تاج وتخت کا مالک بنے۔

دوسری طرف نورجہاں کا بھائی آصف خان بھی اپنی سازشوں میں مصروف تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ جہانگیر کے بیٹوں میں سے کسی ایک کے ساتھ اپنی بیٹی ارجمند بانو کی شادی کر دے تاکہ جہانگیر کے بعد بھی اس کا عمل دخل حکومت کے اندر قائم دائم رہے۔ جہانگیر کے بیٹوں میں سے آصف خان سب سے زیادہ شاہجہان کو پسند کرتا تھا۔ اس لئے کہ دوسرے بھائیوں کی نسبت اس کی عادات بہت بہتر تھیں۔ چنانچہ اس نے شاہجہان یعنی شہزادہ خرم کو اپنا ہدف بنا لیا۔ اس کی بیٹی ارجمند بانو ایک خوبصورت دوشیزہ تھی۔ چنانچہ اس نے اپنی بیٹی ارجمند بانو کو شہزادہ خرم کے روبرو کر دیا تھا۔ دونوں میں تعارف کروا دیا۔ اس طرح ان دونوں کی ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ شاہجہان ارجمند بانو میں دلچسپی لینے لگا۔ آصف خان اس معاملے میں تاخیر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اسے خدشہ تھا کہ اگر اس شادی میں تاخیر سے کام لیا گیا تو ہوسکتا ہے' اس کی بہن نورجہاں کسی اور سازش کی ابتداء کر دے اور اس کی بیٹی کو خرم سے محروم کر دے۔ چنانچہ جہانگیر سے کہہ کر سارا معاملہ حل کر لیا گیا اور شاہجہان اور ارجمند بانو کی شادی کر دی گئی۔ تیسرا سازشی ایرانی مہابت خان تھا وہ بھی اندر ہی اندر کام کرتے ہوئے منگولوں کی سلطنت کے اندر اپنا ایک مقام بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ ہندوستانی عساکر کا اسے سپہ سالار بنا دیا جائے۔ اس بناء پر اپنی خواہشوں اور اپنے ارادوں کی تکمیل کے لئے اس مہابت خان نے بھی پر پرزے نکالنے شروع کر دیئے تھے۔

ادھر ہندوستان میں جو تین ایرانی منگولوں کی سلطنت کے خلاف سازشوں میں مصروف

تھے۔ دوسری طرف پورا ایران منگولوں کی سلطنت کے خلاف حرکت میں آنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ وجہ یہ ہوئی کہ ایرانیوں نے منگولوں کے شہر قندھار پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ قندھار کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ قندھار کے راستے ہر سال تقریباً چودہ ہزار اونٹ جن پر تجارتی سامان لدا ہوتا تھا۔ ہندوستان سے ایران جاتے تھے۔ اسی لئے قندھار برصغیر اور ایران کی حکومتوں کے درمیان وجہ نزاع بن گیا۔

بابر نے قندھار کو فتح کیا تھا۔ اس کی وفات کے بعد اس کے بیٹے کامران نے یہاں انتظام سنبھالا۔

گورنر مظفر حسین نے قندھار کو اکبر کے حوالے کر دیا اور خود بھی اکبر کے درباریوں میں شامل ہو گیا۔

اکبر کی وفات تک قندھار سلطنت مغلیہ کا حصہ رہا لیکن شاہ ایران کے دل میں قندھار سے محرومی خار کی طرح کھٹک رہی تھی۔ اس نے قندھار کو دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش شروع کر دی۔

ایرانی لشکریوں نے حملے میں پہل کی۔ اس وقت منگولوں یعنی مغلوں کی طرف سے ایک شخص شاہ بیگ خان قندھار کا حکمران تھا۔ چنانچہ اس شاہ بیگ خان نے ایرانی لشکر کو بدترین شکست دے کر مار بھگایا اور ایرانیوں کے ساتھ اس نے نہایت اہانت آمیز سلوک کیا۔

علاوہ ازیں اس نے مزید حملے سے بچنے کے لئے اپنی عسکری حالت بھی مضبوط کر لی' جب جہانگیر کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو اس نے ٹھٹھہ کے حاکم مرزا جانی ترخان کے لڑکے مرزا غازی کی قیادت میں شاہ بیگ خان کی مدد کے لئے ایک لشکر روانہ کیا۔

اس دوران ایرانیوں نے قندھار شہر کا محاصرہ کر لیا اور مغلوں کی طرف سے قندھار کا حاکم شاہ بیگ خان وہاں محصور ہو گیا۔ لیکن جب ایرانیوں کو خبر ہوئی کہ مغلوں کا ایک اور لشکر ان سے نبٹنے کے لئے پہنچ رہا ہے' تب وہ کچھ پریشان ہوئے' گو اس دوران تک انہوں نے قندھار کا محاصرہ کر لیا تھا لیکن جب انہیں مغلوں کے لشکر کی آمد کی خبر ملی تو فوراً محاصرہ اٹھا کر بھاگ گئے۔

چنانچہ ایران کے حکمران شاہ عباس نے اس واقعے کی مذمت کی اور اسے محض ایک سرحدی تنازع اور ایرانی عسکری افسروں کی غیر ذمہ دارانہ حرکت قرار دیتے ہوئے بات کو ختم

کرنے کی کوشش کی۔ دراصل یہ شاہ عباس کی چال تھی۔ جہانگیر نے بھی بات کو بڑھانا مناسب نہ سمجھا اور ایران کے بادشاہ شاہ عباس کی اس وضاحت کے بعد مطمئن ہو گیا۔

شاہ عباس موقع کی تاک میں رہا۔ وہ محسوس کر چکا تھا کہ کھلے بندوں جنگ کے ذریعے قندھار حاصل کرنا بہت مشکل ہے۔ لہٰذا اس مقصد کے لئے سیاست سے کام لیا جائے چنانچہ شاہ عباس نے مغل دربار میں بہت سے سفیر بھیجے' تحائف بھی روانہ کیے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مغل قندھار کی سرحدوں کی حفاظت کی طرف سے مطمئن ہو گئے۔ ان حالات کو سامنے رکھتے ہوئے ایرانیوں نے ایک بار پھر جنگ کے بغیر قندھار پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

✧ ✧ ✧

رستم خان اور فرید خان دونوں باپ بیٹا ایک روز اپنے مستقر کے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے کہ جہانگیر کے حاجب کا ایک کارندہ ان کے کمرے کے دروازے پر آیا اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔

فرید خان نے جب اسے اندر آنے کے لئے کہا تب وہ آگے بڑھا۔ اپنے لباس کے اندر سے اس نے ایک کاغذ نکالا اور وہ کاغذ اس نے فرید خان کو تھماتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

"فرید خان مجھے شاہجہان نے آپ دونوں باپ بیٹے کی طرف بھجوایا ہے۔ یہ شہنشاہ جہانگیر کا حکم نامہ ہے۔ شہنشاہ اکبر کے دور میں جو تمہاری حویلی تم سے چھین لی گئی تھی اس لئے کہ تم نے اکبر کا دین الٰہی قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ آج اس کی تلافی ہو رہی ہے۔ اس کاغذ کے تحت وہ حویلی دوبارہ تمہیں دی جاتی ہے۔ اس پر شہنشاہ کی مہر بھی ہے۔ یہ حکم نامہ جہانگیر نے اپنے بیٹے خرم کے حوالے کیا تھا اور خرم نے یہی کاغذ آپ کو پہنچانے کے لئے مجھے دیا ہے اور ساتھ یہ بھی پیغام دیا ہے کہ آپ دونوں باپ بیٹا تھوڑی دیر تک مستقر کے اپنے کمرے سے نکل کر اس حویلی میں داخل ہو جائیں جو کبھی آپ کی اپنی تھی اور جس میں کبھی آپ اپنے اہل خانہ کے ساتھ قیام کرتے تھے۔"

فرید خان کے چہرے پر یہ الفاظ سن کر مسکراہٹ نمودار ہوئی تو دوسری طرف رستم خان بے پناہ خوشی کا اظہار کر رہا تھا۔ فرید خان نے ہاتھ آگے بڑھا کر وہ کاغذ لے لیا' اسے پڑھا' اس کے چہرے پر خوشیاں بکھر گئی تھیں۔ پھر رستم خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"رستم خان میرے بیٹے اپنا سارا سامان سمیٹو اور گھوڑوں کی زینوں سے سامان باندھ کر

گھوڑوں پر سوار ہو کر اپنی آبائی حویلی کی طرف چلیں۔"

رستم خان خوش ہو گیا تھا۔ دونوں باپ بیٹے نے جلدی جلدی تیاری کی جو شخص ان کی حویلی کے کاغذات لے کر آیا تھا اسے انہوں نے وہیں بٹھائے رکھا۔ اپنی تیاری مکمل کرنے کے بعد اپنا سامان انہوں نے اپنے اپنے گھوڑوں کی زینوں کے ساتھ باندھا پھر جائیداد کے کاغذ لانے والے شخص کے ساتھ وہ باہر نکل گئے تھے۔

جس وقت وہ دہلی شہر کی ایک شاہراہ پر گزر رہے تھے کہ سامنے کی طرف سے امبر کا راجہ جگن ناتھ، اس کی بیٹی مالتی، چھوٹی بیٹی سمترا اور بیٹا شنکر ناتھ آتے دکھائی دیئے وہ سب گھوڑوں پر سوار تھے۔

جب انہوں نے دیکھا کہ ان کے مخالف سمت سے فرید خان اور اس کا بیٹا رستم خان آ رہے ہیں تو ان سب نے اپنے گھوڑوں کو روک لیا۔ فرید خان اور رستم خان دونوں باپ بیٹا جب قریب آئے تب فرید خان نے امبر کے راجہ جگن ناتھ کو مخاطب کیا اور پوچھنے لگا۔

"آج بیٹیوں کے ساتھ کدھر کی تیاری ہے۔"

جواب میں جگن ناتھ کہنے لگا۔

"دراصل اس وقت ہم سب ہر روز گھوڑ دوڑ کے لئے جاتے ہیں اور یہ تو کہو کہ آپ دونوں باپ بیٹے کو کیا ہوا کہ تم اتنا ڈھیر سا سامان اپنے اپنے گھوڑوں کی زین سے باندھ کر کہاں، کس سمت جا رہے ہو۔"

جواب میں فرید خان نے پہلے اپنے پہلو میں گھوڑے پر سوار اپنے بیٹے رستم خان کی طرف دیکھا پھر بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے وہ کہنے لگا۔

"جگن ناتھ میرے عزیز ساتھی، بات یہ ہے کہ ماضی میں جو ہمارے ساتھ کچھ ناانصافیاں ہوئی تھیں، ان کی کسی حد تک تلافی ہوئی ہے۔ میں نے اکبر کے دور میں جو اس کا دین الٰہی ماننے سے انکار کر دیا تھا اور مجھے زندان میں ڈال دیا گیا تھا اور میری جائیداد ضبط کر لی گئی تھی، آج شہنشاہ کی طرف سے شہر کے اندر جو ہماری حویلی تھی، وہ ہمیں واپس کر دی گئی ہے۔ یہ شخص جو ہمارے ساتھ ہے یہ حکومت ہی کا کارندہ ہے۔ یہی ہماری حویلی کے کاغذات لے کر آیا ہے اور اب ہمیں ہماری حویلی ہی میں چھوڑنے جا رہا ہے۔ میں سمجھتا ہوں شاہجہان کا ہم پر بڑا احسان ہے۔ اس نے یہ سارا کام اپنے باپ سے کہہ کر کروایا ہے اور اسی نے یہ

کاغذات دے کر اس شخص کو ہماری طرف روانہ کیا ہے۔ لہٰذا اس وقت میں اور رستم خان دونوں باپ بیٹا اپنا مختصر سا سامان لیے اپنی حویلی کی طرف جا رہے ہیں۔"

فرید خان کے اس انکشاف پر راجہ جگن ناتھ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ کچھ دیر تک بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اور مسکراتے ہوئے فرید خان اور رستم خان کی طرف باری باری دیکھتا رہا اس دوران مالتی، سمترا اور شنکر ناتھ بھی بے پناہ خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ پھر امبر کا راجہ جگن ناتھ اپنی دونوں بیٹیوں اور بیٹے کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"میرے بچو! آج کی گھڑ دوڑ ختم کرتے ہیں۔ فرید خان اور رستم خان کے ساتھ چلتے ہیں اور پہلے ان کی حویلی دیکھتے ہیں اور اس کا جائزہ لیتے ہیں۔"

مالتی، سمترا اور شنکر ناتھ تینوں نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ لہٰذا سب اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگا کر پھر آگے بڑھنے لگے۔

ایک کافی بڑی حویلی کے صدر دروازے پر آ کر سب رک گئے جو شخص اس حویلی کے کاغذات لے کر آیا تھا۔ اس نے اپنے لباس کے اندر سے چابی نکالی، حویلی کو جو باہر قفل لگا ہوا تھا اسے کھولا۔ پھر اس نے حویلی کا صدر دروازہ کھول دیا تھا۔ چنانچہ جب سب حویلی میں داخل ہوئے تو وہ شخص جو حویلی کے کاغذات لے کر آیا تھا فرید خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"محترم فرید خان میں اب جاتا ہوں۔ اب تک کی کارروائی جا کر میں شہزادہ خرم سے کہتا ہوں۔ فرید خان نے جب اسے جانے کی اجازت دے دی، تب وہ شخص وہاں سے ہٹا اور چلا گیا تھا۔"

پہلے سب اصطبل کی طرف گئے۔ وہاں گھوڑوں کو باندھا، پھر فرید خان سب کو اپنی حویلی کے سارے کمرے دکھانے لگا تھا۔ خاصی بڑی حویلی تھی۔ سامنے اصطبل بھی کافی بڑا تھا جس میں بیک وقت کئی گھوڑے باندھے جا سکتے تھے۔ پشت پر باغ باغیچہ بھی تھا۔ جب سب حویلی کا جائزہ لے چکے، تب راجہ جگن ناتھ فرید خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"فرید خان تم دونوں باپ بیٹا پہلے بھی حویلی کی طرف آئے تھے۔"

جواب میں فرید خان نے نفی میں گردن ہلائی اور کہنے لگا۔

"نہیں جگن ناتھ ابھی تو پہلی دفعہ آئے ہیں۔"

اس پر جگن ناتھ نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

"یہ حویلی کے اندر ہر چیز سجی ہوئی ہے۔ مسہریاں بھی لگی ہوئی ہیں اور مسہریاں بھی نئی ہیں۔ دیوان خانے کو بھی میں نے دیکھا ہے۔ وہاں بھی نئی بہترین نشستوں کا اہتمام ہے۔"

جواب میں رستم خان کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اس کا باپ فرید خان بول اٹھا۔

"یہ سارا اہتمام شہنشاہ کی طرف سے ہوا ہے۔ زندان کی رہائی کے بعد آپ جانتے ہیں، شہنشاہ نے مجھے اپنے بیٹے خسرو کی مہم پر مقرر کیا تھا۔ خسرو کی مہم کو میں نے کیونکہ کامیابی سے انجام دیا تھا اور دریائے چناب عبور کرتے وقت اس کے سارے ساتھیوں کو گرفتار کر لیا تھا۔ اس پر شہنشاہ نے میری کارگزاری سے اطمینان کا اظہار کیا اور یہ حویلی واگزار کرنے کے ساتھ ساتھ حویلی میں جس قدر زیبائش اور آرائش کا سامان ہے، یہ سارا شہنشاہ کی طرف سے کیا گیا ہے اور اس کے لئے میں اس کا ممنون اور شکر گزار ہوں۔"

کچھ دیر خاموشی رہی پھر راجہ جگن ناتھ کی نگاہیں رستم خان پر جم گئیں۔ اس کے بعد وہ فرید خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"فرید خان یہ حویلی بہت بڑی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمہارے خاندان کے افراد بھی کافی تھے۔ پھر اب تم دونوں باپ بیٹا کیسے اور کس طرح اتنی بڑی حویلی میں رہو گے۔ اس کی تو دیکھ بھال کرنی ہی مشکل ہے۔ ہاں ایک معاملہ اس سارے مسئلے کو حل کر سکتا ہے وہ یہ کہ رستم خان کی شادی کر دو۔ اس طرح اس حویلی میں رونق بھی آ جائے گی اور یہ خوب آباد بھی ہو جائے گی۔"

ان الفاظ پر رستم خان بدکا تھا اور راجہ جگن ناتھ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"اس سے پہلے بابا نے بھی میرے ساتھ اس موضوع پر گفتگو کی تھی۔ لیکن ابھی میں شادی نہیں کرنا چاہتا۔ ابھی میں نے اپنی ذات کے لئے کچھ بھی نہیں کیا۔ آپ کے ساتھ صرف ایک مہم میں شامل ہوا ہوں۔ گو اس مہم میں ہم نے کامیابی حاصل کی ہے لیکن یہ میرے مستقبل کی پہلی سیڑھی ہے، میں ابھی بہت کچھ کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد شادی کی طرف آؤں گا۔"

رستم خان جب خاموش ہوا تب فرید خان کہنے لگا۔

"جگن ناتھ میرا خیال ہے رستم خان ٹھیک کہتا ہے۔ ویسے بھی اس کی عمر ہے ہی کتنی، ابھی تو یہ بالغ ہوا ہے۔ پہلے اپنا مستقبل سنوار لے۔ اس کے بعد اس کی شادی کا اہتمام کیا

جائے گا۔ حویلی کے انتظامات کے بارے میں مجھے کوئی زیادہ فکرمندی بھی نہیں ہے۔ اس لئے کہ ہماری حویلی کا جو پرانا ملازم ہوا کرتا تھا وہ تو فوت ہو گیا ہے، اس کی ایک ہی بیٹی تھی، جس کا نام نسیمہ خاتون ہے۔ اس کی بیوی کا نام جہاں آراء ہے۔ دونوں زندہ ہیں۔ جہاں آراء بیچاری ضعیف ہو چکی ہے۔ نسیمہ خاتون جو اس کی بیٹی ہے اس کی اس نے شادی کی تھی لیکن اس کا شوہر مر گیا جو بہت اچھا انسان تھا۔ اس لئے کہ نسیمہ خاتون بانجھ ہے۔ اس کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہے اب وہ دونوں ماں بیٹی کسمپرسی کی حالت میں زندگی بسر کر رہی ہیں۔ جب میں خسرو کی مہم سے لوٹا تھا تو کچھ رقم میں نے ان ماں بیٹی کو دی تھی۔ اس لئے کہ جہاں آراء ہمارے ہاں صرف ملازمہ ہی نہیں تھی اس کی حیثیت میرے ہاں میری بہن کی سی تھی اور اس کی بیٹی نسیمہ خاتون کی حیثیت میری بیٹی کی سی تھی۔ اب ان دونوں کو ہم اس حویلی میں لائیں گے اور میرے بھائی آپ لوگ دیکھئے گا کہ ان کی آمد پر اس حویلی میں کیا رونق اور چہل پہل ہوتی ہے۔ جہاں آراء کی بیٹی نسیمہ خاتون گو اب عمر کے ڈھلتی جا رہی ہے، تاہم بڑے سلیقے اور بڑے قرینے کی خاتون ہے اور گھر کو سجانا خوب جانتی ہے۔ ہم دونوں باپ بیٹا اگر کبھی حویلی میں نہ بھی ہوئے تو حویلی کے سلسلے میں ان دونوں ماں بیٹی کی موجودگی میں ہمیں کوئی فکر لاحق نہیں ہو گی۔ ویسے بھی میرا بیٹا رستم خان چند یوم تک ایک مہم پر روانہ ہو جائے گا۔ اس لئے کہ تم بھی جانتے ہو میواڑ کے راجہ رانا امر سنگھ نے نا صرف شہنشاہ کے خلاف بغاوت کھڑی کی ہے بلکہ تخریبی کارروائیوں میں بھی مصروف ہے۔ خصوصیت کے ساتھ وہ مسلمانوں پر حملہ آور ہو کر انہیں بے پناہ نقصان پہنچا رہا ہے۔ شہنشاہ نے اس مہم کا سالار اعلیٰ اپنے بیٹے پرویز کو بنایا ہے اور اس کے نائب کی حیثیت سے رستم خان اس کے ساتھ جائے گا لیکن اس مہم کے لئے لشکر چند یوم تک روانہ ہو گا کیونکہ چند یوم تک شہنشاہ اپنے بیٹے خرم کی شادی نور جہاں کے بھائی آصف خان کی بیٹی ارجمند بانو سے کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا یہ مہم اس شادی کے بعد روانہ ہو گی۔"

اس موقع پر راجہ جگن ناتھ کی بڑی بیٹی مالتی فرید خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"بابا اگر آپ برا نہ مانیں تو جہاں آراء اور نسیمہ خاتون تو جب آئیں گی دیکھا جائے گا۔ اس وقت بھی دیکھیں حویلی کی صفائی ستھرائی ہونے والی ہے۔ چیزوں پر گرد کی تہیں جمی ہوئی ہیں۔ آپ برا نہ مانیے گا میں اور میری چھوٹی بہن سمترا اگر حویلی کی صفائی ستھرائی کر دیں تو آپ کو کوئی اعتراض تو نہ ہو گا۔"

جواب میں فرید خان نے گھورنے کے انداز میں مالتی کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔
"بیٹی تم زحمت نہ کرو۔ جہاں آراء اور نسیمہ خاتون دونوں ماں بیٹی آ جائیں گی۔ میں اور رستم خان دونوں بھی ان کے ساتھ لگ جائیں گے اور حویلی کی صفائی ستھرائی کر دیں گے۔ میں ابھی تھوڑی دیر تک ان کی طرف جاتا ہوں اور انہیں اپنے ساتھ لے کر آتا ہوں اور آج ہی وہ اس حویلی میں منتقل ہو جائیں گی۔"
فرید خان جب خاموش ہوا' تب جگن ناتھ بولا اور کہنے لگا۔
"فرید خان میرے عزیز دوست میں تمہاری اس تجویز سے اتفاق نہیں کرتا۔ پہلے سب دیوان خانے میں بیٹھتے ہیں۔ گھر کی ضرورت کی جو چیزیں ہوتی ہیں مالتی اور سمترا دونوں مل کر اس کی فہرست بناتی ہیں۔ ہم سب یہیں رہیں گے۔ رستم اور شنکر دونوں بازار کا رخ کریں۔ پہلے میری حویلی کی طرف جائیں گے۔ وہاں میری پتنی سروجنی کو اس سارے معاملے کی اطلاع کریں گے اسے اس حویلی میں بھیج دیں گے۔ مالتی اور سمترا نے جو سامان کی فہرست بنائی ہوگی وہ سارا سامان بازار سے خرید کر یہاں لائیں گے۔ اس دوران فرید خان تم جہاں آراء اور نسیمہ خاتون کو یہاں لے آنا۔ میری پتنی سروجنی بھی یہاں آ جائے گی۔ پھر سارے مل کر اس حویلی کے نا صرف انتظامات درست کریں گے۔ اس کی صفائی ستھرائی بھی ہو جائے گی۔ شام کا کھانا یہاں پکایا جائے گا اور ہم سب تم لوگوں کے ساتھ شام کا کھانا کھانے کے بعد گھر چلے جائیں گے' اب بولو تم کیا کہتے ہو۔"
جواب میں فرید خان مسکرایا' کہنے لگا۔
"جگن ناتھ جو فیصلہ تم نے کیا ہے۔ یہی آخری ہے' میں نے کیا کہنا ہے۔"
اس پر سب مسکراتے ہوئے دیوان خانے میں جا کر بیٹھ گئے۔ مالتی اور سمترا دونوں بہنوں نے مل کر سامان کی فہرست بنا دی' جسے لے کر رستم خان اور شنکر ناتھ دونوں وہاں سے نکل گئے تھے۔ رستم خان باہر کھڑا رہا۔ شنکر اپنی حویلی میں داخل ہوا اور اس سارے معاملے کی اطلاع اس نے اپنی ماں سروجنی سے کی۔ چنانچہ سروجنی بھی اپنی حویلی سے نکل کر فرید خان کی حویلی کی طرف ہو لی تھی۔ جبکہ رستم خان اور شنکر دونوں بازار کا رخ کر گئے تھے۔
رستم خان اور شنکر دونوں سامان سے لدے پھندے گھر لوٹے۔ ان کے ساتھ دو مزدور بھی تھے جو سارا سامان اٹھائے ہوئے تھے۔ سامان انہوں نے حویلی کے دیوان خانے کے

باہر رکھوا دیا۔ سامان لانے والوں کو ان کا معاوضہ دے کر رستم خان نے فارغ کر دیا۔ اتنی دیر تک حویلی کے اندر سے مالتی' سمترا' ان دونوں کی ماں سروجنی' جہاں آراء اور نسیمہ خاتون نکل آئے تھے۔ جہاں آراء اور نسیمہ خاتون نے جب رستم خان کو دیکھا تب سروجنی کو مخاطب کر کے جہاں آراء کہنے لگی۔
"بہن یہ دونوں بچے کون ہیں۔" اس پر سروجنی مسکراتے ہوئے کہنے لگی" چھوٹا تو میرا بیٹا شنکر ناتھ ہے' دوسرے کو آپ نہیں پہچانتی یہی تو رستم خان ہے۔"
اس پر جہاں آراء بیچاری اداس اور افسردہ ہو گئی تھی۔ کہنے لگی۔
"یہ بیچارہ چھوٹا تھا جب یہ حویلی چھن گئی تھی۔ اب تو ماشاء اللہ خوب کڑیل اور قد آور جوان بنا ہے۔ پھر جہاں آراء آگے بڑھی رستم خان کو گلے لگا کر ملی اس کی پیشانی چومی' نسیمہ خاتون نے بھی اس کے سر اور کندھوں پر ہاتھ پھیرا' اسے پیار کیا' پھر جہاں آراء کہنے لگی۔
"بیٹے خدا کرے تجھے اور تیرے باپ کو اس حویلی میں رہنا اور خوب پھلنا پھولنا نصیب ہو۔"
اس موقع پر جگن ناتھ کی چھوٹی بیٹی سمترا نے پہلی بار براہ راست رستم خان کو مخاطب کیا اور کہنے لگی۔
"یہ سامان آپ لوگ یہیں رہنے دیں' ہم سنبھال لیں گی' پہلے آپ ہمارے ساتھ آئیں' ہم حویلی کی آپ کو صفائی ستھرائی اور اس کی زیبائش بتاتی ہیں۔ پھر دوسرے کام شروع کریں گی۔"
چنانچہ رستم خان اور شنکر ناتھ دونوں ان سب کے ساتھ ہو لئے۔ انہوں نے سارے کمرے انہیں دکھائے جو دھو کر بالکل صاف کر دیئے گئے تھے۔ مسہریاں اور دوسرا لکڑی کا سامان جو بالکل نیا تھا اسے بھی صاف کر کے چمکا دیا گیا تھا۔ حویلی کے پیچھے جو باغیچہ جس کے اندر درختوں کے گرے ہوئے پتے ادھر ادھر اڑتے پھر رہے تھے' وہاں بھی جھاڑو لگا کر اسے بھی صاف کر دیا گیا تھا۔
اپنی حویلی کا جائزہ لینے کے بعد ایک جگہ رک کر رستم خان تھوڑی دیر مسکراتا رہا پھر اس نے باری باری مالتی اور سمترا کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔
"لگتا ہے اماں جہاں آراء اور بہن نسیمہ خاتون کے آنے سے پہلے پہلے تم لوگوں

نے......"

رستم خان کو رک جانا پڑا تھا اس لئے کہ نسیمہ خاتون بول اٹھی۔

"بیٹے ہمارے آنے سے پہلے پہلے انہوں نے صفائی ستھرائی کر دی تھی۔ ہمیں تو کچھ بھی نہیں کرنا پڑا۔" جواب میں باری باری مالتی اور سمترا کی طرف دیکھتے ہوئے رستم خان نے دونوں بہنوں کا شکریہ ادا کیا جس پر سمترا نے اعتراض کرتے ہوئے رستم خان کو مخاطب کیا۔

"آپ تو ہمارا شکریہ اس طرح ادا کر رہے ہیں' جس طرح ہم سے کوئی واقفیت نہ ہو' کوئی تعلق' واسطہ ہی نہ ہو۔"

جواب میں رستم خان مسکرا دیا کہنے لگا۔

"نہیں یہ بات نہیں ہے۔ یہ حویلی آپ لوگوں کی اپنی ہے' اچھا پہلے یہ بتائیں کہ وہ سامان اٹھا کر کہاں رکھنا ہے۔"

جواب میں اس بار مالتی بول اٹھی۔

"آپ جا کے دونوں بھائی دیوان خانے میں بیٹھ جائیں۔ اس کے آگے ہمارا کام ہے۔ آپ لوگوں کو کچھ نہیں کرنا۔ وہ سارا سامان اٹھا کر میں اور سمترا باورچی خانے کی طرف لے جاتی ہیں۔ اس سلسلے میں نسیمہ خاتون جو ہماری بڑی بہن کی مانند ہیں ہمارا ساتھ دیں گی۔" اس پر مطمئن ہو کر رستم خان اور شنکر ناتھ دونوں دیوان خانے کی طرف چلے گئے تھے۔

مالتی' سمترا' نسیمہ خاتون' جہاں آراء اور سروجنی سب نے مل کر بہترین انداز میں کھانا تیار کرنا شروع کیا تھا کہ اتنے میں حویلی کے دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ رستم خان اپنے باپ فرید خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"بابا میں دیکھتا ہوں' دستک دینے والا کون ہے۔"

چنانچہ رستم خان تیزی سے دیوان خانے سے نکلا۔ جب اس نے صدر دروازہ کھولا تو سامنے ایک شاہی ہرکارہ کھڑا تھا۔ اسے مخاطب کر کے رستم خان کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اس نے مخاطب کرنے میں پہل کی اور رستم خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"رستم خان تمہیں اور تمہارے باپ محترم فرید خان کو شہنشاہ نے طلب کیا ہے۔ ابھی' اسی وقت بلکہ فوراً۔"

اس طلبی پر رستم خان کچھ فکر مند اور پریشان ہو گیا تھا۔ تاہم اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"تم چلو ہم تمہارے پیچھے پیچھے آتے ہیں۔"

اس پر وہ ہرکارہ وہاں سے ہٹ گیا تھا کیونکہ صدر دروازے پر دستک ہوئی تھی لہٰذا مالتی اور سمترا دونوں بہنیں مطبخ سے باہر آ کر کھڑی ہو گئی تھیں کہ شاید کوئی آیا ہے۔ جب شاہی ہرکارے سے گفتگو کرنے کے بعد رستم خان پلٹا مالتی اور سمترا نے دیکھا کہ رستم خان کچھ سنجیدہ اور الجھا ہوا تھا۔ تب مالتی اپنی چھوٹی اور خوبصورت بہن سمترا کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

"سمترا کوئی سنجیدہ معاملہ ہے۔ تم نے دیکھا رستم خان جب پلٹا وہ معمول کے خلاف زیادہ سنجیدہ اور الجھا ہوا ہے۔ نجانے کون آیا ہے اور کیا کہہ گیا ہے۔"

اس پر سمترا بھی پریشانی کا شکار ہو گئی۔ کہنے لگی۔

"ابھی پتا چل جاتا ہے کہ کون آیا ہے۔" دونوں بہنیں وہیں کھڑی رہیں یہاں تک کہ رستم خان دیوان خانے میں داخل ہوا اور اپنے باپ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"بابا مجھے اور آپ دونوں کو اسی وقت بلکہ فی الفور شہنشاہ نے طلب کیا ہے۔ لہٰذا اٹھیں اور چلیں۔"

رستم خان کے ان الفاظ پر جہاں فرید خان پریشان ہو گیا تھا۔ وہاں راجہ جگن ناتھ اور اس کا بیٹا شنکر ناتھ بھی پریشان دکھائی دینے لگے تھے۔ اس موقع پر فرید خان اپنی جگہ پر اٹھا' راجہ جگن ناتھ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"جگن ناتھ میرے عزیز تم لوگ بیٹھو' کھانا تیار ہو رہا ہے۔ اگر ہم دونوں باپ بیٹے کو دیر ہو گئی تو تم سب مل کر کھانا کھا لینا' اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔"

اس کے ساتھ ہی فرید خان اور رستم خان دیوان خانے سے نکلے اور صدر دروازہ کھول کر باہر چلے گئے تھے۔

دوسری طرف مالتی اور سمترا دونوں ابھی تک وہیں کھڑی تھیں۔ فرید خان اور رستم خان کے جانے کے بعد دونوں بہنیں تیز تیز چلتی ہوئی دیوان خانے میں داخل ہوئیں۔ دیوان خانے میں اس وقت ان کا باپ اور بھائی بڑی سنجیدگی کی حالت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ بڑی بہن مالتی نے انہیں مخاطب کیا۔

"بابا تھوڑی دیر پہلے دروازے پر دستک ہوئی تھی اور دروازہ کھولنے رستم خان گیا تھا۔ اس کے بعد وہ پلٹا' جس وقت وہ پلٹا میں اور سمترا دونوں بہنیں وہاں کھڑی تھیں' وہ کچھ پریشان

اور سنجیدہ سا تھا۔ اس کے بعد ہم دونوں بہنوں نے دیکھا کہ دونوں باپ بیٹا باہر نکل گئے' بابا کیا معاملہ ہے۔''

اس پر جگن ناتھ سنجیدگی میں کہنے لگا۔

'' بیٹے کوئی شاہی ہرکارہ آیا تھا اور اس نے آ کر یہ پیغام دیا ہے کہ شہنشاہ نے فرید خان اور رستم خان دونوں باپ بیٹا کو ابھی اور اسی وقت طلب کیا ہے۔ لہٰذا دونوں باپ بیٹا شاہی قصر کی طرف چلے گئے ہیں۔''

راجہ جگن ناتھ جب خاموش ہوا' تب مالتی فکر گیری آواز میں کہنے لگی۔

'' بابا خیریت تو ہے' ان دونوں باپ بیٹے کو کیوں طلب کیا گیا ہے۔''

جگن ناتھ کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اس بار چھوٹی بہن سمترا انتہائی سنجیدگی اور پریشان کن آواز میں راجہ جگن ناتھ کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

'' پتا جی یہ دونوں باپ بیٹا تو پہلے ہی کافی بے گناہی کی سزا کاٹ چکے ہیں۔ جیسا کہ آپ نے بتایا تھا کہ دونوں کو زنجیروں میں جکڑ کر زندان میں ڈال دیا گیا تھا اور اس پر مزید ظلم یہ کہ دونوں کو علیحدہ کر کے مختلف زندانوں میں بند کر دیا گیا۔ اب جبکہ انہیں رہائی ملی ہے اور وہ کس قدر سکون محسوس کرنے لگے ہیں پھر ان پر کوئی آفت تو نہیں آنے والی۔''

اس پر جگن ناتھ کہنے لگا۔

'' بیٹی ایسی کوئی بات نہیں' دونوں باپ بیٹا آئیں گے تو پتا چل جائے گا کہ کیا معاملہ ہے۔ فی الحال جو شاہی ہرکارہ آیا تھا اس نے کوئی تفصیل نہیں بتائی۔ تم دونوں بہنیں فکر مند نہ ہو۔ جاؤ جا کر رسوئی میں کام کرو۔ اس کے ساتھ ہی مالتی اور سمترا وہاں سے ہٹ گئی تھیں۔

✧ ✧ ✧

چوبدار نے جب فرید خان اور رستم خان دونوں باپ بیٹے کو جہانگیر کے سامنے پیش کیا' تب اس وقت جہانگیر کے ساتھ اس کی ملکہ نور جہاں اور قریب ہی جہانگیر کے تینوں بیٹے خرم' پرویز اور شہریار بیٹھے ہوئے تھے۔ جہانگیر نے ہاتھ کے اشارے سے سامنے جو خالی نشستیں تھیں ان پر دونوں باپ بیٹے کو بیٹھنے کے لئے کہا۔ جب وہ دونوں بیٹھ گئے تو تب سب نے دیکھا وہ دونوں کچھ پریشان اور فکر مند تھے۔ جہانگیر بھی بڑی گہری نگاہوں سے ان دونوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ پھر جہانگیر رستم خان کے باپ فرید خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

'' فرید خان میں دیکھتا ہوں تم اور تمہارا بیٹا دونوں کچھ پریشان اور فکر مند لگتے ہو' کیا معاملہ ہے۔''

اس پر فرید خان کہنے لگا۔

'' شہنشاہ معظم کچھ بھی نہیں ہے۔ ہم تو آج اپنی حویلی میں آباد ہوئے ہیں۔ وہیں آپ کا پیغام پہنچا اور ہم آپ کی طرف چلے آئے۔''

اس پر کسی قدر اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے جہانگیر کہنے لگا۔

'' فرید خان اس سے پہلے میں نے یہ حکم جاری کیا تھا کہ رستم خان میرے بیٹے پرویز کے ساتھ میواڑ کے راجہ امر سنگھ کی بغاوت کو فرو کرنے کے لئے جائے گا لیکن حالات نے اچانک پلٹا کھایا ہے۔ لہٰذا میواڑ کے راجہ کی بغاوت کو فرو کرنے کے لئے کل میرا بیٹا پرویز اکیلا ایک لشکر لے کر روانہ ہوگا اور مجھے امید ہے کہ یہ میواڑ کے راجہ کو اپنے سامنے زیر کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔''

دراصل دو اور اہم مہمیں اٹھ کھڑی ہوئی ہیں۔ ایک دکن کی' دوسری نگرکوٹ کی۔ یہاں تک کہنے کے بعد جہانگیر پھر فرید خان اور رستم خان دونوں باپ بیٹے کی طرف باری باری

دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

" جو کچھ میں کہنے لگا ہوں تم دونوں باپ بیٹا غور سے سنو۔ دکن کی مہم کو تو میں ابھی التوا میں ڈالنے لگا ہوں۔ اس کے لئے میں بعد میں فیصلہ کروں گا کہ اس مہم کو سر کرنے کے لئے کسے بھیجنا چاہیے۔ فی الحال میں نگرکوٹ کی مہم کو اہمیت دیتا ہوں۔ اس لئے کہ اگر اس مہم کے سلسلے میں دیر کی تو ہمیں خاطر خواہ نقصان اٹھانا پڑے گا۔"

بات یہ ہے کہ چند دن پہلے ہی نگرکوٹ میں بغاوت کے آثار اٹھے تھے جس پر میں نے پنجاب کے اپنے حاکم مرتضیٰ خان کو ایک لشکر لے کر نگرکوٹ پر حملہ آور ہونے کے لئے احکامات جاری کر دیئے تھے۔

میرا خیال ہے کہ ایک دو روز تک پنجاب کا حاکم مرتضیٰ خان لاہور سے ایک لشکر لے کر نکلے گا اور نگرکوٹ کی طرف کوچ کرے گا اور وہاں اٹھنے والی بغاوت کو فرو کرے گا۔

لیکن اسی دوران ہمیں یہ بھی خبر ملی ہے کہ نگرکوٹ کے اندر جو لشکر ہے وہ یقیناً مرتضیٰ خان سے ٹکرائے گا اور نگرکوٹ کا دفاع کرے گا۔ اس کے علاوہ کوہستانی سلسلوں کے اندر ایک بہت بڑا لشکر نگرکوٹ کے حاکم کے حامیوں کا بیٹھا ہو گا۔ پنجاب کا حاکم مرتضیٰ خان جب نگرکوٹ پہنچے گا تو جس وقت وہ نگرکوٹ کا محاصرہ کرے گا۔ نگرکوٹ کے اندر سے مقامی لشکر نکل کر مرتضیٰ خان پر ضرب لگائے گا اور دوسرا لشکر اپنی کوہستانی گھات سے نکل کر پشت کی جانب سے مرتضیٰ خان پر حملہ آور ہو گا اور اگر ایسا ہوتا ہے تو پھر مرتضیٰ خان سمیت ہمارے لشکر میں سے کوئی بھی زندہ بچ کر واپس نہیں آئے گا۔

جو مخبر یہ خبر لے کر نگرکوٹ کی طرف سے آئے ہیں انہیں میں نے روک رکھا ہے۔ میں چاہتا ہوں آج رات کے پچھلے حصے میں تم دونوں باپ بیٹا ایک لشکر لے کر نگرکوٹ کی طرف روانہ ہو جاؤ اور جس لشکر میں مرتضیٰ خان کی پشت پر حملہ آور ہونے کے لئے گھات لگائی ہے اس سے تم نبٹو۔ میں نے اپنے کچھ تیز رفتار قاصد مرتضیٰ خان کی طرف روانہ کیے ہیں اور اسے یہ حکم بھیجا ہے کہ اس کی مدد کے لئے ہمارا بہترین سالار فرید خان اور اس کا بیٹا رستم خان آ رہے ہیں۔ لہٰذا وہ ان کے ساتھ پورا تعاون کرے۔ اب بولو تم دونوں باپ بیٹا کیا کہتے ہو۔

فرید خان اور رستم خان کچھ اور ہی سمجھ رہے تھے۔ یہاں تک کہنے کے بعد جہانگیر جب رکا، تب دونوں باپ بیٹے نے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہوئے سکھ کا سانس لیا۔ پھر فرید

خان خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

" شہنشاہ معظم ہم نے کچھ نہیں کہنا، آپ کا حکم ہمیں مل گیا ہے اور ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ آج رات کے پچھلے حصے میں ہم دونوں باپ بیٹا لشکر لے کر نگرکوٹ روانہ ہو جائیں گے۔ صرف ہمیں اس لشکر کی نشاندہی کر دی جائے، جسے ہمیں لے کر کوچ کرنا ہے۔"

اس موقع پر جہانگیر نے اپنے قریب بیٹھے اپنے بیٹے خرم کی طرف گہری نگاہ سے دیکھا پھر فرید خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

" خرم ابھی تمہارے ساتھ مستقر کی طرف جائے گا اور اس لشکر کی نشاندہی کر دے گا جو لشکر تم دونوں باپ بیٹے نے لے کر آج رات کے پچھلے حصے میں نگرکوٹ کی طرف جانا ہے۔"

اس کے ساتھ ہی خرم یعنی شاہجہاں اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور جہانگیر کی طرف سے اجازت ملنے کے بعد وہ فرید خان اور رستم خان دونوں باپ بیٹے کو لے کر شاہی قصر کے اس کمرے سے نکل گیا تھا۔

کھانا تیار کرانے کے بعد راجہ جگن ناتھ اور اس کا بیٹا شنکر ناتھ دیوان خانے میں بیٹھ کر مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے رہے جبکہ حویلی کے ایک دوسرے کمرے میں جگن کی بیوی سروجنی دونوں بیٹیاں مالتی اور سمترا اور اس کے علاوہ جہاں آراء اور نسیمہ خاتون بیٹھ کر انتظار اور آپس میں باتیں کرتی رہیں۔ یہاں تک کہ سمترا بولی اور اپنی ماں سروجنی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

" ماما رستم خان اور فرید خان دونوں باپ بیٹے کو گئے ہوئے کافی دیر ہو گئی ہے۔ ان کا پتا کرنا چاہیے کہ کہاں گئے ہیں، جو کھانا ہم نے پکایا ہے اب تو وہ بھی ٹھنڈا ہو گیا ہو گا۔"

اس پر سروجنی نے سمترا کی طرف دیکھا پھر کہنے لگی۔

" تم دونوں بہنیں ذرا اٹھ کر اپنے باپ کی طرف جاؤ، اس سے اس موضوع پر گفتگو کرو۔"

سروجنی کے کہنے پر مالتی اور سمترا دونوں اپنی جگہ پر اٹھیں۔ اس کمرے سے نکلیں، سیدھی دیوان خانے کی طرف گئیں۔ دونوں بہنیں دیوان خانے میں داخل ہونے کے بعد راجہ جگن ناتھ کے قریب بیٹھ گئیں، پھر سمترا جگن ناتھ کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

" پتا جی فرید خان اور رستم خان کو گئے کافی دیر ہو گئی ہے۔ ابھی تک نہیں لوٹے، ان کا پتا

کرنا چاہیے۔ کسی الجھن اور مصیبت میں تو نہیں پھنسا دیئے گئے۔ بابا کھانا کافی دیر کا تیار ہو چکا ہے اور میں سمجھتی ہوں، ٹھنڈا بھی ہو گیا ہوگا۔ آخر ان دونوں کا پتا تو کرنا چاہیے۔ اگر ان پر کوئی افتاد آئی ہے تو وہ یہ سوچیں گے کہ کسی نے ان کی خیر خبر ہی نہیں لی۔"

سمترا کے ان الفاظ پر راجہ جگن ناتھ کچھ پریشان ہو گیا تھا۔ کچھ سوچا پھر کہنے لگا۔

"بیٹی فرید خان نے جاتے جاتے صرف یہ کہا تھا کہ اگر ان دونوں باپ بیٹے کو دیر ہو گئی تو ہم لوگ کھانا کھا لیں، پر بچی میں سوچتا ہوں کہ......"

راجہ جگن ناتھ اپنی بات مکمل نہ کر سکا اس لئے کہ شکووں بھری آواز میں سمترا بول اٹھی۔

"پتا جی یہ کیسے ہو سکتا ہے اور کیسے ممکن ہے کہ فرید خان اور رستم خان گھر پر ہی نہ ہوں اور ان کی غیر موجودگی میں ہم کھانا کھا لیں۔ پتا جی کیا یہ اچنبھے کی بات نہیں ہے کہ میزبان گھر پر ہی نہ ہو اور مہمان کھانا کھا کر اور منہ پونچھ کر چلتے بنیں۔" سمترا کے ان الفاظ سے راجہ جگن ناتھ پریشان ہو گیا تھا۔ اس موقع پر سمترا کا چھوٹا بھائی شنکر ناتھ اپنے باپ جگن ناتھ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"بابا آپ سب لوگ بیٹھے رہیں۔ وہ جو دونوں باپ بیٹا ابھی تک نہیں آئے تو اس میں کوئی نہ کوئی پریشانی کی بات ضرور ہے۔ اس لئے کہ بھائی رستم خان کے لئے تو پہلے سے احکامات جاری ہو چکے تھے کہ وہ شہزادہ پرویز کے ساتھ میواڑ کے راجہ امر سنگھ کو بغاوت کی فرو کرنے کے لئے کوچ کریں گے۔ لہٰذا بیچ میں یا تو کسی نے سازش کی ہے یا دونوں باپ بیٹے پر کوئی الزام لگایا ہے کہ انہیں کسی الجھن میں پھنسا دیا جائے تاکہ وہ شہنشاہ کی نگاہوں میں گر جائیں۔ بابا آپ سب لوگ بیٹھے رہیں، میں جاتا ہوں اور پتا کر کے آتا ہوں کہ رستم خان اپنے محترم باپ کے ساتھ کہاں ہیں۔"

جواب میں راجہ جگن ناتھ کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ شنکر ناتھ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ باہر نکلنا ہی چاہتا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ شنکر ناتھ اپنی جگہ پر اچھل کھڑا ہوا اور اپنے باپ جگن ناتھ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"میرا دل کہتا ہے کہ بھائی رستم خان اور ان کے والد آ گئے ہیں۔" اس کے ساتھ ہی جب وہ بھاگتا ہوا باہر نکلا۔ دروازے کی زنجیر کھولی تو باہر واقعی فرید خان اور رستم خان دونوں باپ بیٹا کھڑے تھے۔ ان دونوں کو مخاطب کر کے شنکر ناتھ کہنے لگا۔

"آپ دونوں اتنی دیر سے آئے ہیں کہ ہم سب آپ لوگوں کی وجہ سے پریشان اور فکر مند بیٹھے ہیں۔ اگر آپ چند لمحے اور نہ آتے تو میں آپ دونوں کا پتا کرنے کے لئے نکلنے والا تھا۔"

رستم خان نے شنکر ناتھ کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ اس کا گال تھپتھپایا، پھر دونوں باپ بیٹا آگے بڑھ کر دیوان خانے میں داخل ہوئے۔ شنکر ناتھ بھی ان کے پیچھے پیچھے تھا۔ دیوان خانے میں پہلے ہی راجہ جگن ناتھ، مالتی اور سمترا بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے آنے کی خبر سن کر سروجنی، جہاں آراء اور نسیمہ خاتون بھی حویلی کے دوسرے کمرے سے نکل کر دیوان خانے میں آ کر بیٹھ گئی تھیں۔

پھر راجہ جگن ناتھ فرید خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"فرید خان میرے بھائی شہنشاہ نے کیوں بلایا تھا۔ خیریت تو تھی اور پھر تم دونوں باپ بیٹے نے اتنی دیر لگا دی۔ ہم سب بڑے پریشان اور فکر مند تھے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے سمترا میرے پاس آئی اور شکوہ کر رہی تھی کہ ہم نے آپ دونوں کا پتا ہی نہیں کیا۔ کھانا بھی ٹھنڈا ہو رہا ہے اور آپ دونوں باپ بیٹا یہ سوچیں گے کہ ہم کسی مصیبت میں پڑ گئے ہیں اور کسی نے ہماری خیر خبر ہی نہیں لی۔"

راجہ جگن ناتھ کے ان الفاظ پر فرید خان اور رستم خان دونوں مسکرا دیئے تھے۔ یہاں تک کہ فرید خان کہنے لگا۔

"کوئی مصیبت نہیں آئی۔" اس کے بعد جہانگیر کے ساتھ جو گفتگو فرید خان اور رستم خان کی ہوئی تھی اس کی تفصیل فرید خان نے سب سے کہہ دی تھی۔

فرید خان جب خاموش ہوا تب کسی قدر پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے راجہ جگن ناتھ کہنے لگا۔

"اس کا مطلب ہے میواڑ کی نسبت نگرکوٹ کے حالات زیادہ خراب ہو گئے ہیں، جس کی بناء پر شہنشاہ نے تم دونوں باپ بیٹے کو نگرکوٹ کی طرف جانے کا حکم دیا ہے اور ساتھ ہی پنجاب کے حاکم مرتضیٰ خان کو بھی ایک لشکر کے ساتھ ادھر جانے کے احکامات جاری کیئے ہیں۔ ورنہ آپ جانتے ہیں، اس سے پہلے شہنشاہ رستم خان کو میواڑ کی طرف شہزادہ پرویز کے ساتھ جانے کا حکم جاری کر چکے تھے۔ بہرحال میرا اندازہ ہے کہ نگرکوٹ کی یہ مہم بڑی سخت اور

کڑیل ہو گی اس لئے کہ یہ کوہستانی علاقہ ہے' ساتھ ہی میں تم دونوں باپ بیٹے کو یہ بھی مشورہ دوں گا کہ اس مہم کے دوران تم دونوں بڑے محتاط رہنا' چاروں طرف نگاہ رکھنا کیونکہ تم دونوں باپ بیٹے نے اس لشکر سے نبٹنا ہے جو کوہستانی سلسلوں میں گھات میں ہو گا۔ لہٰذا یہ ایک خطرناک فعل ہے۔ اس بناء پر دونوں باپ بیٹا اپنے چاروں طرف سے محتاط رہنا۔"

راجہ جگن ناتھ کی اس گفتگو سے مالتی اور سمترا دونوں پریشانی کا شکار ہو گئی تھیں۔ سروجنی بھی فکر مند تھی۔ جہاں آراء اور نسیمہ خاتون کا رنگ بھی پیلا ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ سمترا بول اٹھی۔

"پتا جی آپ کس قسم کی گفتگو کر رہے ہیں۔ ابھی تو سب نے مل کر کھانا کھانا ہے اور آپ سب پہلے ہی پریشانیاں پھیلانے لگے ہیں۔"

اس پر سب کھلکھلا کر ہنس دیئے' پھر سروجنی کے کہنے پر سب اٹھے اور حویلی کے دوسرے کمرے میں کھانا کھانے لگے تھے۔ اسی شب کے پچھلے حصے میں فرید خان اور رستم خان ایک لشکر لے کر نگر کوٹ کی طرف کوچ کر گئے تھے۔

✧ ✧ ✧

لاہور کے حاکم مرتضیٰ خان کو شہنشاہ جہانگیر کا یہ پیغام مل چکا تھا کہ اس کی مدد کے لئے فرید خان اور اس کا بیٹا ایک لشکر لے کر نگر کوٹ یعنی کانگڑا کا رخ کر رہے ہیں۔ لہٰذا جو شاہراہ آگرہ سے کانگڑا یعنی نگر کوٹ کی طرف جاتی تھی اس کے قریب مرتضیٰ خان نے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر لیا تھا۔ یہاں تک کہ فرید خان اور رستم خان دونوں باپ بیٹا بھی اپنے لشکر کے ساتھ وہاں پہنچ گئے۔ مرتضیٰ خان نے شاندار انداز میں دونوں کا استقبال کیا۔ دونوں لشکریوں نے ایک دن وہاں قیام کیا۔ اس کے بعد کوچ کیا اور کانگڑہ شہر کے نواح میں جا کر پڑاؤ کیا تھا۔

پڑاؤ کرنے کے تھوڑی دیر بعد مرتضیٰ خان' رستم خان' فرید خان اور کچھ دیگر سالار ایک جگہ جمع ہوئے پھر مرتضیٰ خان فرید خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"فرید خان میری نسبت تم جنگ کا وسیع تجربہ رکھتے ہو۔ لہٰذا میں نگر کوٹ پر حملہ آور ہونے کا سارا معاملہ تم پر چھوڑتا ہوں۔ جیسا تم چاہو گے ویسا ہی ہو گا۔"

"جیسا کہ شہنشاہ نے میری طرف پیغام بھجوایا تھا۔ نگر کوٹ والوں کی مدد کے لئے

کوہستانی سلسلے کے اندر ایک اور لشکر بھی گھات میں ہے جو کسی مناسب موقع پر نکلے گا اور پشت کی جانب سے حملہ آور ہو کر ہمیں نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا۔"

یہاں تک کہنے کے بعد مرتضیٰ خان رکا' پھر وہ اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"کیا پہلے ہمیں اس لشکر کو اپنا ہدف اور نشانہ بنانا چاہیے جو گھات میں ہے جو ہماری پشت کی جانب سے حملہ آور ہونے کے درپے ہے۔"

اس موقع پر ہلکی سی مسکراہٹ فرید خان کے چہرے پر نمودار ہوئی پھر اس نے اپنے پہلو میں بیٹھے اپنے بیٹے رستم خان کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

"رستم خان میرے بچے جو کچھ مرتضیٰ خان نے کہا ہے اس کا جواب دو' میں دیکھتا ہوں تم کیا کہتے ہو۔ اس کے بعد جو میں نے سوچ رکھا ہے' کہوں گا۔"

ذرا کھانستے ہوئے رستم خان نے گلا صاف کیا۔ اس کے بعد وہ مرتضیٰ خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"میرے خیال میں ہمیں یہاں سے حرکت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں گھات میں بیٹھے ہوئے لشکر کی طرف نہ جانا چاہیے اور نہ ہی اس پر ضرب لگانے کا کوئی فیصلہ کرنا چاہیے۔ جہاں تک میرا ذہن کام کرتا ہے اس کے مطابق یہیں رہ کر اپنے کام کو انجام تک پہنچانا چاہیے۔ محترم مرتضیٰ خان آپ اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ آگے رہیں۔ میں اور میرے بابا آپ کے لشکر کے دائیں بائیں جانب رہیں گے اور شہر کی فصیل پر حملے کرنے شروع کر دیں گے اور فصیل پر رسوں کی سیڑھیوں کے ذریعے چڑھ کر شہر پر قبضہ کرنے کی کوشش کریں گے۔ اس دوران جو لشکر گھات میں بیٹھا ہوا ہے یقیناً وہ نگر کوٹ کا رخ کرے گا اور ہماری پشت کی طرف سے حملہ آور ہو گا لیکن میں اور میرے باپ چونکہ آپ کے لشکر سے تھوڑا سا پیچھے ہوں گے۔ ہم اپنے لشکر کے آگے نہیں پیچھے رہیں گے اور جونہی گھات میں بیٹھا وہ لشکر پشت کی جانب نمودار ہو گا میں اور میرے باپ ایک ساتھ تکبیریں بلند کریں گے جو ہمارے لشکریوں کو اشارہ ہو گا کہ وہ پلٹ پڑیں۔ چنانچہ جب ہمارے لشکری پلٹیں گے تو میں اور میرے باپ اپنے لشکر کے آگے آ جائیں گے اور اسی لمحہ ہم ایک ساتھ گھات کی طرف سے حملہ آور ہونے والے لشکر پر حملہ آور ہوں گے اور مجھے امید ہے کہ ہم اسے مکمل طور پر فنا کر کے رکھ دیں گے۔

اس کے بعد نگر کوٹ کو فتح کرنا اور اس کی فصیل پر اپنا پرچم لہرانا ہمارے لئے کافی حد تک آسان ہو جائے گا۔"

یہاں تک کہنے کے بعد رستم خان جب خاموش ہو گیا' تب گہری مسکراہٹ فرید خان کے چہرے پر نمودار ہوئی۔ کئی بار اس نے اپنے بیٹے رستم خان کی پیٹھ تھپتھپائی' پھر کہنے لگا۔

"میرے بچے جو کچھ میں کہنا چاہتا تھا۔ اس کی عکاسی تفصیل کے ساتھ تم نے کر دی ہے۔ لہٰذا دشمن سے نمٹنے کے لئے اسی پر عمل کیا جائے گا۔"

چنانچہ ایک شب وہاں بسر کی گئی اور اس شب کے دوران پڑاؤ کے اردگرد مشعلیں روشن کر دی گئی تھیں۔ لشکر کے دو حصے کر دیئے گئے تھے۔ ایک پشت کی جانب اور ایک سامنے تا کہ اگر کوئی نگر کوٹ سے نکل کر حملہ آور ہو تو اس کا جواب دیا جائے اور اگر پشت کی جانب سے کوئی حملہ آور ہو' تب بھی اسے مار بھگایا جائے۔

نگر کوٹ سے متعلق مؤرخین لکھتے ہیں کہ "برصغیر میں تغلق خاندان کے دور میں نگر کوٹ کو بہت اہمیت دی گئی۔ نگر کوٹ کانگڑا کے قریب واقعہ قلعے کے ساتھ آباد ایک چھوٹا سا شہر تھا۔ لیکن اس کو انتہائی عسکری اہمیت حاصل تھی۔ سلطان محمد تغلق نے سن تیرہ سو سینتیس میں نگر کوٹ پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا تھا۔"

"فیروز تغلق کے عہد میں ہندوؤں نے وہاں ایک بار پھر شورش کی۔ آخر تیرہ سو ساٹھ میں فیروز تغلق نے چھ ماہ تک قلعے کا محاصرہ جاری رکھا۔ نتیجتاً مقامی راجہ نے اطاعت قبول کرتے ہوئے معافی طلب کر لی۔ چنانچہ وہاں کے حکمران کو اس کے علاقے لوٹا دیئے۔ وہ فیروز تغلق کا اطاعت گزار ہو گیا تھا۔"

چنانچہ دوسرے روز مرتضیٰ خان' فرید خان اور رستم خان تینوں نے اپنے کام کی ابتداء کی اور شہر کی فصیل پر انہوں نے حملہ آور ہونا شروع کر دیا تھا۔ یہ حملے بڑے شدید اور سخت تھے اور مسلمان لشکری بار بار رسوں اور سیڑھیوں کے ذریعے شہر کی فصیل پر چڑھنے کی کوشش کرنے لگے تھے۔

ایسے میں نگر کوٹ کے نواح میں کوہستانی سلسلوں کے اندر جو لشکر گھاٹ میں تھا۔ وہ صدیوں کے زنگ آلود صحرا میں خون کی حدتوں میں المناکیاں' رنگوں میں اندھی اداسیاں بھرتے جلتے' چڑھتے دکھ کے قہری الاؤ کی طرح نمودار ہوا۔ فرید خان اور رستم خان نے بھی اس

لشکر کو دیکھ لیا تھا۔ لہٰذا اپنے اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ وہ مڑ گئے تھے اور ساتھ ہی مرتضیٰ خان کے لشکر کی پوری پشت پر ایک طرح سے چھا گئے تھے۔ گھات میں بیٹھنے والا لشکر آتے ہی رات کی گہری تاریکیوں میں دلوں کو لخت لخت' آنکھوں کی پتلیوں میں خوف' چہروں پر مرگ کی پیلاہٹ پھیلاتی غموں کی بے روک یلغار کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

انہیں صورت حال کا نہ احساس ہوا نہ انہوں نے اندازہ لگایا۔ وہ یہی سمجھے کہ بس دشمن کی پشت پر حملہ آور ہو کر اس کی ساری تنظیم کو تلپٹ کر کے رکھ دینا ہے۔

لیکن ان کا استقبال کرنے کے لئے فرید خان اور رستم خان دونوں باپ بیٹا بالکل تیار اور مستعد تھے۔ رستم خان اور فرید خان دونوں نے پہلے بڑی عزیمت اور استقامت و جرأت اور ہمت اور قوت اور عظمت کی پرشکوہ علامتوں کی طرح حملہ آور ہونے والے لشکر کے حملے کو روکا۔ اس کے بعد دونوں باپ بیٹے نے زمین کو ہلا کر کوہستانوں کو ریزہ ریزہ کرتی کف اڑاتی موجوں' دلوں میں تجسس' ذہن میں تحیر' روح میں کلپنا' آنکھوں میں حیرت بھر دینے والے موت کے وجد آفرین رقص کی طرح تکبیریں بلند کیں۔ اس کے بعد دونوں باپ بیٹا اپنے لشکر کو حرکت میں لائے۔ فطرت کی بے نفسی اور بے غرضی میں ساز حیات توڑتے مصاف زندگی کو تمام کرتے آگ و خون کے پیغام کی طرح وہ آگے بڑھے۔ اس کے بعد وہ گھات سے نکل کر آنے والے لشکر پر تپتے ویران صحراؤں اور فضاؤں کے سناٹوں میں ہر اہم دفاعی حصار کو توڑ دینے والے ریت کے سرخ طوفانوں' موت کے طمانچے مارتے بگولوں اور بصارتوں کے ادراک کو غیر متحرک کرتے غم زدہ و حریص جذبوں کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

نگر کوٹ کے نواح میں دونوں لشکروں کے ٹکرانے سے رزم گاہ کی بھڑکتی آگ میں خیر و شر کا تصادم شروع ہو گیا تھا۔

نامساعد ماحول میں جنگ کی آوارہ آگ خوف و ہراس پھیلانے لگی تھی۔ خونی لمحوں کی یورش میدان جنگ میں چاروں طرف رقص کر رہی تھی۔

اسی دوران مرتضیٰ خان اس جنگ میں کام آ گیا۔ شہنشاہ جہانگیر کو جب مرتضیٰ خان کے مرنے کی اطلاع ملی تو نگر کوٹ کی اس مہم کو کلی طور پر کامیاب کرنے کے لئے اور آس پاس کے سارے علاقوں کو اپنی گرفت میں کرنے کے لئے اس نے اپنے بیٹے خرم کو ایک لشکر دے کر نگر کوٹ کی طرف روانہ کر دیا تھا۔

گو فرید خان اور رستم خان نے جوگھات میں بیٹھنے والے لشکر کا خاتمہ کیا تو اس سے دشمن کی دفاعی قوت میں کافی کمزوری آ چکی تھی۔ اس کے باوجود جو لشکر شہر میں محصور تھا۔ وہ مزاحمت کر رہا تھا۔ چنانچہ جب شہزادہ خرم یعنی شاہجہان ایک اور لشکر لے کر وہاں پہنچ گیا۔ تب نگر کوٹ کو بڑی آسانی کے ساتھ فتح کر لیا گیا۔ اس طرح یہ شہر مغلوں کی عملداری میں شامل ہوا۔

جہاں تک میواڑ کے باغی راجہ رانا امر سنگھ کا تعلق تھا تو شہنشاہ جہانگیر نے اس کی تخریبی کارروائیوں اور اس کی سرکشی پر قابو پانے کے لئے ایک لشکر اپنے بیٹے پرویز کو دے کر میواڑ کی مہم پر روانہ کیا تھا۔

چنانچہ مؤرخین لکھتے ہیں کہ ”راجپوتوں اور منگولوں کے درمیان زبردست جنگ کے باوجود کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ جب کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ آیا تب جہانگیر نے اپنے سالار مہابت خان کو مزید لشکر دے کر میواڑ کی طرف روانہ کیا۔“

اس میں کوئی شک نہیں کہ مہابت خان نے راجپوتوں کو کئی مقام پر شکست دی لیکن مکمل طور پر راجپوتوں پر قابو نہ پایا جا سکا۔ لہٰذا مہابت خان کو بھی واپس بلا لیا گیا اور بقول مؤرخین شہزادہ خرم یعنی شاہجہان کو اس مہم پر روانہ کیا گیا۔

خرم یعنی شاہجہان، فرید خان اور رستم خان تینوں کیونکہ ان دنوں نگر کوٹ میں مصروف تھے۔ لہٰذا نگر کوٹ کی مہم سے فارغ ہونے کے بعد جہانگیر کے حکم کے مطابق انہوں نے آگرہ کا رخ کیا۔ چند روز تک آگرہ ہی میں قیام کیا۔ خود فرید خان جہانگیر کے حکم کے مطابق آگرہ ہی میں رہا جبکہ شہزادہ خرم اور رستم خان دونوں اپنے لشکر کو لے کر میواڑ کے راجہ امر سنگھ کی مکمل سرکوبی کے لئے روانہ ہو گئے تھے۔

دوسری طرف میواڑ کے راجہ نے جب یہ اندازہ لگایا کہ پہلے جہانگیر کا بیٹا شہزادہ پرویز اس کی سرکوبی کے لئے آیا اور وہ ناکام ہوا۔ بعد میں مہابت خان آیا۔ مہابت خان نے چند ایک مقام پر راجہ امر سنگھ کے لشکر کو شکست بھی دی۔ لیکن امر سنگھ کو مکمل طور پر زیر نہ کیا جا سکا۔ اب اس ادھورے کام کی تکمیل کے لئے جہانگیر کے حکم پر شہزادہ خرم اور رستم خان روانہ ہوئے تھے۔

دوسری طرف راجہ امر سنگھ نے یہ ٹھان لی تھی کہ وہ ان کا ڈٹ کر مقابلہ کرے گا اور کوشش

کرے گا کہ انہیں مار بھگائے۔ چنانچہ میواڑ کے جنگی لحاظ سے ایک انتہائی مناسب علاقے میں اس نے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کیا۔ دوسری طرف شہزادہ خرم یعنی شاہجہان اور رستم خان بڑی تیزی سے اس کی طرف بڑھے تھے۔ ان دونوں لشکروں نے ایک دوسرے کے سامنے پڑاؤ کیا۔

اس کے بعد اگلے روز دونوں لشکر ایک دوسرے کے روبرو ہوئے۔ صفیں درست کیں، پھر راجہ امر سنگھ اور اس کے سالار اس کے لشکری رات کی حشر سامانیوں میں سرسراتی پرہول وحشتوں، سوچوں کے بوجھ سے دامن فطرت کو بھرتے رقص کرتے قضا کے سایوں، دل کی قرار چھینتی پر آشوب فضاؤں کی الم بھری روداد کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔

راجہ امر سنگھ کا یہ حملہ بڑا زوردار، بڑا جان لیوا تھا۔ دوسری طرف لگتا تھا جیسے شہزادہ خرم اور رستم خان نے بھی اپنی ساری منصوبہ بندی پہلے سے طے کر رکھی تھی۔ چنانچہ انہوں نے للکارنے کے انداز میں پہلے بلند آوازوں میں تکبیریں بلند کیں۔ تکبیروں کی یہ للکار ایسی للکار تھی کہ طوفان پناہ مانگے۔ ان میں ایسی روانگی تھی کہ دریا اپنی روانی بھول جائے اور ایسی سورش تھی کہ جرا اپنی تنظیم کھو بیٹھے۔ اس کے بعد پہلے خرم نے اپنے کام کی ابتداء کی، کیونکہ انہوں نے لشکر کو پہلے سے دو حصوں میں تقسیم کیا ہوا تھا۔ لہٰذا خرم اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ شر کے سرخانوں میں موت کی خاک اڑاتے سلگتے سرخ لال فضاؤں میں ناامیدیوں کے سراب باندھ کر بے بس اور مجبور کر دینے والے آکاش کے تیور بگاڑنے والے دست عقوبت اور دل کی فضاؤں میں جان سوز کراہیں بھر دینے والے عذابوں کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

شاہجہان کے ساتھ ہی ساتھ رستم خان بھی آدھے لشکر کے ساتھ قانون فطرت کے آفاق گیر محافظوں، منزل کو خون بار کرتے موت کو لگام ڈالتے طوفانوں کی طرح حرکت میں آیا۔ اس کے بعد وہ تشنگی کے اندھے طوفانوں، سر پر موت بن کر کھیل جانے والے فطرت کے خونخوار عناصر کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

اس طرح میواڑ کی سرزمینوں میں دونوں لشکریوں کے ٹکرانے سے میدان جنگ میں چمکتی اٹھتی گرتی تلواریں، کھنکتی ڈھالیں، لچک دار نیزے، خونخوار جنگ، اداس دل کی فضاؤں میں موت کی خاک اڑانے لگی تھیں۔ ذوق جنگ آوری محرومیوں کی داستانیں رقم کرنے لگے تھے۔ قہری خاموشی، ظلمت میں زخموں کے پیوند لگنے لگے تھے۔

کافی دیر تک راجہ امر سنگھ اپنے سالاروں کے ساتھ اپنے لشکر کو سنبھالے رہا اور مسلمانوں کا مقابلہ کرتا رہا۔ آخر اس کی بد قسمتی کی ابتداء ہوئی اور شہزادہ خرم اور رستم خان نے اس کے لشکر کا اگلا حصہ کافی حد تک تباہ و برباد کر دیا تھا۔ اس کے لشکر کے اگلے مخصوص حصے میں اس کا مقدمہ الجیش تھا جسے مکمل طور پر ختم کر دیا گیا تھا۔ اتنے بڑے نقصان کے بعد راجہ امر سنگھ نے جب یہ اندازہ لگایا کہ اب تو اس کے لشکریوں کی حالت پرانی صداؤں کے کھنڈروں، وحشت بھری تنہائیوں، اداس پتوں کی زرد کہانیوں اور بھاگتی رتوں کی سی ہونا شروع ہوگئی ہے۔ تب وہ شکست اٹھا کر بھاگ کھڑا ہوا۔

اس طرح میواڑ کے راجہ کو فیصلہ کن اور بدترین شکست دی گئی، بعد میں میواڑ کے راجہ نے شہنشاہ جہانگیر سے معافی مانگ لی اور آنے والے دور میں اس نے شہنشاہ کا مطیع اور فرماں بردار رہنے کا عزم کیا، ساتھ ہی اس نے اپنی یہ درخواست بھی شہنشاہ جہانگیر کی خدمت میں پیش کی کہ چتوڑ شہر اس کے پاس رہنے دیا جائے اور وہ خراج دیتا رہے گا۔ مطیع اور فرماں بردار رہے گا۔

چنانچہ جہانگیر نے اس فتح کی خوشی میں اپنے ایک سالار عبداللہ خان کو میواڑ کے علاقوں کا حاکم بنایا اور راجہ امر سنگھ کی خواہش کے مطابق چتوڑ شہر اسی کے پاس رہنے دیا گیا۔ اس طرح اپنی مہم کو کامیابی سے طے کرنے کے بعد خرم اور رستم خان دونوں آگرہ کی طرف چلے گئے تھے۔

امبر کا راجہ جگن ناتھ ایک روز اپنی حویلی میں داخل ہوا۔ اس وقت اس کی بیوی سروجنی، دونوں بیٹیاں مالتی اور سمترا اور بیٹا شنکر ناتھ سب دیوان خانے میں بیٹھے باہم گفتگو کر رہے تھے۔ چنانچہ راجہ جگن ناتھ بھی دیوان خانے میں داخل ہوا اور ان کے اندر ہی جا کر بیٹھ گیا پھر اپنی پتنی سروجنی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"کس موضوع پر گفتگو ہو رہی تھی۔"

اس پر سروجنی مسکرا دی، کہنے لگی۔

"ہم نے کس موضوع پر گفتگو کرنی ہے۔ بس یونہی ادھر ادھر کی ہانک رہی تھیں۔"

اس پر راجہ جگن ناتھ کہنے لگا "تو پھر میرے پاس ایک انتہائی سنجیدہ موضوع ہے اور وہ موضوع میری دونوں بیٹیوں مالتی اور سمترا سے متعلق ہے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد جگن ناتھ رکا، پھر باری باری اپنی دونوں بیٹیوں مالتی اور سمترا کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"میری بچیو! تم دونوں تھوڑی دیر کے لئے دوسرے کمرے میں چلی جاؤ اس لئے کہ۔"

راجہ جگن ناتھ اپنی بات مکمل نہ کر سکا۔ اس لئے کہ اس کی پتنی سروجنی بول اٹھی اور کہنے لگی۔

"اگر جو گفتگو آپ کرنا چاہتے ہیں۔ وہ میری بیٹیوں سے متعلق ہے تو پھر یہ دونوں اٹھ کر کیوں جائیں۔ ان کی موجودگی میں بات کریں تاکہ یہ بھی سنیں اور ہم بھی سنیں اور پھر مل کر کوئی فیصلہ کریں۔"

جواب میں راجہ جگن ناتھ نے کچھ سوچا، پھر کہنے لگا۔

"سروجنی اگر تم ایسا ہی چاہتی ہو تو پھر سنو۔ میری دونوں بیٹیوں مالتی اور سمترا کے لئے

دو رشتے آئے ہیں۔ ان سے متعلق فیصلہ کرنا اب تم تینوں ماں بیٹی کا کام ہے۔''

''ایک رشتہ لاہور کے سعادت خان کے بیٹے کا ہے۔ سعادت خان لاہور کے بااثر اور صاحب ثروت لوگوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس نے میری بیٹی مالتی کا رشتہ مانگا ہے۔ دراصل سعادت خان اپنے اہل خانہ کے ساتھ آگرہ آیا ہوا تھا۔ بازار میں یا کسی اور جگہ پر اس کے بیٹے کی نظر مالتی پر پڑی۔ اس سے متعلق اس نے معلومات حاصل کیں اور پھر اس کا اظہار اپنے باپ سے کیا جس پر سعادت خان اس وقت تو واپس لاہور چلا گیا۔ اب اس نے کچھ قاصد بھجوائے ہیں جو مجھے اس وقت ملے جس وقت میں رستم خان کے باپ فرید خان سے ملنے اور تھوڑی دیر اس کے پاس بیٹھنے کے بعد وہاں سے نکلا تھا۔ اس نے مجھے سعادت خان کا پیغام دیا۔ سعادت خان میرا پرانا جاننے والا ہے۔ اس کا بیٹا بھی بہت اچھا ہے۔ ذاتی طور پر بھی میں اسے جانتا ہوں' جو قاصد اس رشتے کی اطلاع دینے آیا تھا۔ میں نے اسے اپنے ساتھ گھر لانا چاہا لیکن اس کے آگرہ میں عزیز ہیں۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ اپنے عزیزوں کے ہاں ہی قیام کرے گا۔ تین چار دن رہے گا۔ اس دوران آپ کوئی فیصلہ کر لیں۔ اس سے مجھے آگاہ کریں اور آپ کا دیا ہوا جواب وہ سعادت خان تک پہنچا دے گا۔''

راجہ جگن ناتھ جب خاموش ہوا تب سروجنی مالتی اور سمترا کچھ دیر گہری سوچوں میں ڈوبے رہے۔ یہاں تک کہ سروجنی جگن ناتھ کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''اس سلسلے میں آپ کا کیا خیال ہے۔'' جگن ناتھ مسکرایا اور کہنے لگا۔

''میرا خیال بالکل نیک ہے۔ اس لئے کہ میں اس خاندان کو بڑی اچھی طرح جانتا ہوں۔ بڑے صاحب ثروت ہیں' لاہور میں ان کی کئی حویلیاں ہیں اور بہت بڑے تاجر بھی ہیں۔ اب فیصلہ تم سب مل کر کرو۔''

اس موقع پر سروجنی نے کچھ دیر سوچا اس کی نگاہیں اپنی بیٹی مالتی پر جم گئیں کہنے لگی۔

''بیٹی بات تیری ہوئی ہے۔ اب تو ہی اس کا فیصلہ کر' اس لئے کہ تیرا باپ کہتا ہے کہ جن لوگوں نے تیرا رشتہ مانگا ہے' وہ بہت اچھے لوگ ہیں۔ اب بتا میری بیٹی تو کیا چاہتی ہے۔''

لمحہ بھر کے لئے مالتی کی گردن جھک گئی تھی۔ اس کے بعد وہ اپنی ماں سروجنی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''ماتا جن لوگوں نے میرا رشتہ مانگا ہے۔ اگر وہ میرے پتا جی کے جاننے والے ہیں'

اچھے لوگ ہیں تو پھر مجھے کوئی انکار نہیں۔'' مالتی کا یہ جواب سن کر جگن ناتھ سروجنی' سمترا اور شنکر ناتھ سارے ہی خوش ہو گئے تھے۔

کچھ دیر خاموشی رہی' اس کے بعد جگن ناتھ نے ایک گہری نگاہ اپنی چھوٹی اور انتہائی خوبصورت بیٹی سمترا پر ڈالی' پھر کہنے لگا۔

''اب سمترا کی باری آتی ہے۔''

سمترا اس پر بالکل سنجیدہ ہو گئی تھی' یہاں تک کہ جگن ناتھ نے پھر بولنا شروع کیا کہنے لگا۔

''میری بیٹی سمترا کا رشتہ بندھیل کھنڈ کے راجہ بھیر سنگھ کے پوتے کشن سنگھ کے لئے مانگا گیا ہے اور کشن سنگھ راجہ بھیم سنگھ کا بیٹا ہے۔''

''بندھیل کھنڈ کے راجہ بھیر سنگھ کے دو بیٹے ہیں۔ ایک جھجھر سنگھ' دوسرا ہردور سنگھ' سمترا کا رشتہ انہوں نے ہردور سنگھ کے لئے مانگا ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد جگن ناتھ' سروجنی' شنکر ناتھ اور مالتی سب کی نگاہیں سمترا پر جم گئی تھیں۔ سمترا نے بھی اندازہ لگا لیا تھا کہ سب کی نگاہیں اس پر جمی ہوئی ہیں اور وہ اس کے جواب کے منتظر ہیں۔ لہٰذا سمترا نے اپنے خوبصورت گلابی ہونٹوں پر زبان پھیری' پھر کہنے لگی۔

''میں کسی جھجھر سنگھ یا کشن سنگھ سے شادی نہیں کرنے والی' آپ یوں جانیں' فی الحال میرا شادی کرنے کا کوئی ارادہ ہی نہیں ہے۔ جب میرا ارادہ ہوا' میں خود ہی ماتا کو اس کا اشارہ دے دوں گی۔''

سمترا جب خاموش ہوئی' تب سروجنی جستجو بھرے انداز میں اپنے شوہر راجہ جگن ناتھ کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ اس پر جگن ناتھ کہنے لگا۔

''سمترا میری بیٹی کوئی بات نہیں۔ تجھے کافی مہلت دی جائے گی۔ چنانچہ جس کے ساتھ بھی تم تعلق یا رشتہ جوڑنا چاہو گی۔ بیٹی اسی کا رشتہ میں تمہارے لئے حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔''

راجہ جگن ناتھ کے ان الفاظ پر مالتی' سمترا' سروجنی اور شنکر ناتھ سارے خوش ہو گئے تھے۔

یہاں تک کہنے کے بعد جگن ناتھ رکا پھر ایک دم چونکا پھر باری باری سروجنی، مالتی اور سمترا کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"تم چاروں بیٹھ کر باتیں کرو۔ دراصل وقت تھوڑا رہ گیا ہے۔ میں ذرا بازار کی طرف جاتا ہوں۔"

"آپ بازار کیا لینے جاتے ہیں۔" سروجنی نے غور سے راجہ جگن ناتھ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا تھا" اور پھر آپ کا کس کام کے لئے وقت کم رہ گیا ہے۔"

اس پر جگن ناتھ مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

"دراصل شہزادہ خرم اور رستم خان دونوں میواڑ کے راجہ امر سنگھ کی سرکوبی کے لئے گئے ہوئے تھے۔ اس کا تم لوگوں کو بھی علم ہے۔ امر سنگھ کا دماغ خراب ہو گیا تھا۔ اس نے شروع میں دیکھا کہ شہزادہ پرویز اس پر قابو نہیں پا سکا اور مہابت خان جیسا عمدہ سالار بھی چند بار شکست دینے کے علاوہ اس پر مکمل طور پر قابو نہیں پا سکا۔ چنانچہ امر سنگھ کو مطیع اور فرمانبردار بنانے کے لئے آخر خرم اور رستم خان کو بھیجا گیا۔ ان دونوں نے امر سنگھ کو بدترین شکست دی ہے۔ امر سنگھ نے شہنشاہ جہانگیر سے معافی مانگی ہے اور اس طرح شہنشاہ کا مطیع اور فرمانبردار رہنے کا وعدہ کیا ہے۔ اس بناء پر شہنشاہ نے چتوڑ شہر راجہ امر سنگھ کے پاس ہی رہنے دیا ہے۔ اس کے باقی سارے علاقے کو اپنی مملکت میں شامل کر لیا ہے اور وہاں کا حاکم شہنشاہ جہانگیر نے اپنے سالار عبداللہ خان کو مقرر کر دیا ہے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد جگن ناتھ رکا، تب سمترا غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"پتا جی آپ ہمارے ساتھ زیادتی کر رہے ہیں۔ اگر شہزادہ خرم اور رستم خان دونوں میواڑ کے راجہ پر قابو پانے کے بعد فاتح کی حیثیت سے آگرہ شہر میں داخل ہو رہے ہیں تو پتا جی کیا ہمیں اجازت نہیں ہے کہ ہم بھی لشکر کے استقبال کو دیکھیں۔"

اس پر جگن ناتھ اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا، کہنے لگا۔

"اگر یہ بات ہے تو پھر اٹھ جاؤ چلیں، یہاں سے پہلے سیدھے بازار کا رخ کریں گے۔ وہاں سے پھول پتیاں لے کر شہر میں داخل ہونے کے بعد جس شاہراہ سے لشکر نے گزرنا ہے۔ اس شاہراہ پر کھڑے ہو کر اپنے لشکر پہ پھول پتیاں نچھاور کریں گے۔"

سب نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ چنانچہ پانچوں اپنے گھر سے نکلے، بازار میں پہلے پھول پتیاں خریدیں۔ اس کے بعد وہ ان لوگوں میں جا کر کھڑے ہو گئے جو جم غفیر کی صورت میں اپنے فاتح لشکر کا استقبال کرنے کے لئے وہاں جمع ہو چکا تھا۔

تھوڑی دیر بعد خرم اور رستم خان فاتح لشکر آگرہ شہر میں داخل ہوا۔ اس حالت میں کہ لشکر کے آگے آگے شہزادہ خرم اس کے پیچھے رستم خان، رستم خان کے پیچھے چھوڑے سالار پھر پورا لشکر تھا۔ لشکر جہاں جہاں سے گزر رہا تھا۔ لوگ بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے لشکر اور شہنشاہ کے حق میں نعرے بلند کرتے ہوئے لشکر پر پھول پتیاں نچھاور کر رہے تھے۔

راجہ جگن ناتھ اور اس کے اہل خانہ کیونکہ بعد میں آئے تھے اس لئے انہیں ذرا آگے جا کر جگہ ملی تھی۔ چنانچہ جب لشکر ان کے قریب آیا۔ تب خوبصورت سمترا نے نجانے کیا سوچا اس کے ہاتھ میں اس وقت پھولوں اور گلاب کی پتیوں سے بھری ڈب کے پتوں کی ایک چھوٹی سی ٹوکری تھی۔ چنانچہ اچانک وہ حرکت میں آئی اور جس وقت رستم خان اس کے پاس سے گزرنے لگا اس نے پھول پتیاں بھری وہ ٹوکری پوری کی پوری رستم خان پر الٹ دی تھی۔

رستم خان نے جب دیکھا کہ اس پر اچانک ایک دم اتنے پھول نچھاور کر دیئے گئے ہیں۔ تب جب اس نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو حسین اور خوبصورت سمترا اپنے ہاتھوں میں خالی ٹوکری، دوسرا ہاتھ فضا میں لہراتے ہوئے اپنی خوشی کا اظہار کر رہی تھی۔

سمترا، مالتی، جگن ناتھ، شنکر ناتھ کو وہاں کھڑے دیکھ کر رستم خان نے بھی خوشی کا اظہار کیا۔ یہاں تک کہ وہ آگے بڑھ گیا۔

جب لشکر آگے گزر گیا۔ تب سمترا کچھ سنجیدہ ہو گئی۔ اسے کچھ خیال گزرا پھر اپنے باپ جگن ناتھ کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

"پتا جی کیا ایسا ممکن نہیں کہ لشکر کے پیچھے پیچھے ہم بھی محترم فرید خان اور رستم خان کی حویلی کا رخ کریں اور وہاں رستم خان کو مبارکباد دیں۔ ایسا میں اس وقت چاہوں گی کہ آپ ناراض اور خفا نہ ہوں۔" اس پر جگن ناتھ نے گھورنے کے انداز میں سمترا کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

"بیٹی اس میں برا ماننے والی کون سی بات ہے۔ میں تو خود چاہ رہا تھا کہ اس شاندار فتح کے موقع پر ہمیں فرید خان اور رستم خان کے پاس جانا چاہیے اور دونوں باپ بیٹے کو اس

کامیابی پر مبارکباد دینی چاہیے۔ آؤ میرے ساتھ لشکر کے پیچھے پیچھے ہم بھی فرید خان اور رستم خان کی حویلی کا رخ کرتے ہیں۔''

جگن ناتھ کے اس فیصلے پر مالتی' سمترا' شنکر ناتھ اور سروجنی خوش ہو گئے تھے۔ چنانچہ وہ فرید خان کی حویلی کی طرف ہو لیے۔

اپنے شوہر کے ساتھ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے سروجنی کو اچانک کوئی خیال گزرا پھر وہ اپنے شوہر راجہ جگن ناتھ کے پہلو سے پہلو ملا کر چلنے لگی' ساتھ ہی بڑی رازداری اور سرگوشی میں جگن ناتھ کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''آپ نے سمترا کا کچھ اندازہ لگایا۔''

میرا خیال ہے'' یہ رستم خان کی طرف جھکی ہے' اسے پسند کرنے لگی ہے۔''

اس کے لئے میرے پاس دو وجوہات ہیں۔'' پہلی یہ کہ آپ نے دیکھا اس نے پھول پتیوں سے بھری ہوئی ٹوکری اس پر انڈیل دی' بلکہ میں کہوں اس کی تیسری وجہ بھی ہے۔ بہرحال دوسری وجہ یہ ہے کہ جونہی لشکر آگے گزر گیا۔ آپ نے دیکھا لشکر کے جانے کے بعد وہ کچھ افسردہ سی ہو گئی تھی اور تیسری وجہ یہ کہ پھر وہ اچانک بول اٹھی اور آپ سے اس نے یہاں تک کہہ دیا کہ پتا جب اگر آپ ناراض نہ ہوں تو پھر رستم خان کو اس فتح پر مبارکباد دینے اس کی حویلی کی طرف چلیں۔ یہ میرا ذاتی خیال ہے اور پتا نہیں آپ اس سلسلے میں کیا نتیجہ اخذ کرتے ہیں۔''

جواب میں جگن ناتھ مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

''سروجنی میرے خیالات تم سے مختلف نہیں ہیں۔ میں بھی یہی نتیجہ نکالتا ہوں کہ ہماری حسین اور خوبصورت بیٹی سمترا رستم خان کی طرف جھکاؤ رکھتی ہے۔ میرے لئے یہ انتہائی خوشی اور طمانیت کی بات ہے۔ میں تمہارے جذبات نہیں جان سکا کہ تم کیا سوچتی ہو۔''

اس پر سروجنی مسکرا دی اور کہنے لگی۔

''رستم خان میرے بیٹوں جیسا ہے۔ اگر سمترا اسے پسند کرتی ہے تو میں اسے اپنا داماد بنانے پر فخر محسوس کروں گی۔''

اس کے بعد سروجنی نے کچھ سوچا اور جگن ناتھ کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''اگر میری بیٹی سمترا کا جھکاؤ واقعی رستم خان کی طرف ہے تو پھر میں چاہتی ہوں کہ کبھی

کبھی رستم خان اور سمترا کو علیحدگی میں بھی گفتگو کرنے کا موقع ملنا چاہیے تاکہ ایسا ہی کوئی موقع پا کر یہ ایک دوسرے پر اپنے جذبات' اپنے احساسات کا اظہار کر سکیں۔''

جگن ناتھ بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''سروجنی تمہارے اندازے' تمہاری تجویزیں سب ہی درست ہیں۔ آئندہ ہم خیال رکھیں گے کہ سمترا کا جھکاؤ اگر رستم خان کی طرف ہے تو اس جھکاؤ میں اضافہ ہو' کمی نہ ہو۔''

جگن ناتھ کے اس جواب میں سروجنی بھی خوش ہو گئی تھی۔ چنانچہ پانچوں چلتے ہوئے فرید خان کی حویلی کے سامنے آن رکے تھے۔

جگن ناتھ نے آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دی تھی۔ پہلی دستک کے تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا اور دروازہ کھولنے والا خود فرید خان تھا۔ اپنی حویلی کے دروازے پر جگن ناتھ اس کی پتنی سروجنی' بیٹی مالتی اور سمترا اور بیٹے شنکر ناتھ کو دیکھ کر فرید خان مسکرا دیا تھا۔ دروازے کے ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ پانچوں اندر داخل ہوئے پھر جگن ناتھ نے فرید خان کو مخاطب کیا۔

''فرید خان' رستم خان پہنچا ہے کہ نہیں؟''

اس پر فرید خان مسکرا دیا اور کہنے لگا۔

''اصطبل میں اپنے گھوڑے کو باندھنے کے لئے گیا ہے۔ ابھی آتا ہے۔'' اس کے ساتھ ہی سب دیوان خانے میں جا کر بیٹھ گئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد رستم خان بھی دیوان خانے میں داخل ہوا۔ اس کی آمد پر سب نے خوشی کا اظہار کیا۔ رستم خان آگے بڑھ کر اپنے باپ فرید خان کے پہلو میں ہو بیٹھا تھا۔ اس موقع پر جگن ناتھ نے رستم خان کو مخاطب کیا اور کہنے لگا۔

''بیٹے یہ پہلا موقع ہے کہ خرم کے ساتھ مل کر میواڑ کے راجہ امر سنگھ کو اس طرح زیر اور فرمانبردار بنایا گیا ہے۔ میرے خیال میں وہ آئندہ کبھی بغاوت کھڑی کرنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ میں سمجھتا ہوں اس مہم کی کامیابی سے شہنشاہ کی نظروں میں اور لشکر کے اندر تمہارا مقام اور بلند اور واضح ہو جائے گا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد جگن ناتھ جب رکا' شاید ابھی وہ مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اس دوران رستم خان اس کی طرف دیکھتے ہوئے بول اٹھا۔

''اس معاملے میں ایک غلطی اور کوتاہی بھی ہوئی ہے' جس وقت میں اور خرم نے راجہ

امر سنگھ کو شکست دی اور اسے اپنے سامنے جھکنے پر مجبور کیا اور اس کے لشکر کی بری حالت کی' تب میں سمجھتا ہوں امر سنگھ نے مجبوراً اطاعت کی طرف اپنا جھکاؤ کیا اور اس نے تیز رفتار قاصد شہنشاہ جہانگیر کی طرف بھجوائے اور یہ التماس کی کہ بے شک میواڑ کے سارے علاقے کو شہنشاہ اپنی مملکت میں داخل کر لیں لیکن چتوڑ کا علاقہ میرے پاس رہنے دیا جائے۔ میں یہیں قیام کروں گا اور آنے والے دور میں شہنشاہ کا مطیع اور فرمانبردار رہوں گا۔ شہنشاہ جہانگیر نے کیونکہ امر سنگھ کی اس التماس کو قبول کر لیا ہے لہٰذا میں سمجھتا ہوں' یہی غلطی ہے اور یہی غلطی آنے والے دور میں کئی بغاوتوں کا بھی پیش خیمہ بنے گی۔''

'' جہاں تک میں نے راجہ امر سنگھ کے خراج سے متعلق لوگوں سے سنا ہے۔ وہ چین اور آسودگی میں بیٹھنے کا عادی نہیں ہے۔ اس کی بڑی بے چین طبیعت ہے۔ شور شرابہ ہو یا سرکشی اور بغاوت کے معاملات میں بڑا خوش رہتا ہے۔ گو شہنشاہ نے وقتی طور پر اپنے سالار عبداللہ کو میواڑ کا حاکم مقرر کیا ہے۔ لیکن چتوڑ امر سنگھ کے پاس ہے۔ میرا اپنا اندازہ اور خیال ہے کہ امر سنگھ چتوڑ ہی کو استعمال کریگا۔ اپنی عسکری طاقت کو مجتمع کرے گا' بڑھائے گا اور آنے والے دور میں جونہی دیکھے گا کہ میواڑ کے حاکم کے اندر کمزوریاں پیدا ہو گئی ہیں وہ چتوڑ میں جمع کیے جانے والے لشکر کے ساتھ نکلے گا۔ دوسرے علاقوں پر چڑھ دوڑے گا اور حسب سابق میواڑ کے سارے علاقے وہ فتح کر کے وہاں ایک بار پھر اپنی حکومت کا اعلان کر کے شہنشاہ کے خلاف بغاوت کے پرچم کھڑے کر دے گا۔

جب تک رستم خان بولتا رہا۔ سروجنی' مالتی' سمترا' شنکر ناتھ' فرید خان اور جگن ناتھ سب بڑے شوق سے اس کی طرف دیکھتے رہے۔ اس موقع پر سروجنی بول اٹھی اور اپنے پتی جگن ناتھ کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

'' ہم سب رستم خان کو میواڑ کی اس فتح پر مبارکباد دینے آئے تھے اور آپ نے دوسری بحث چھیڑ دی ہے۔''

سروجنی کے ان الفاظ پر سب نے خوشی کا اظہار کیا تھا۔ یہاں تک کہ جگن ناتھ پھر رستم خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

'' رستم خان میواڑ کی طرف تمہارے جانے کے بعد ہم نے بھی ایک بہت بڑا گھریلو مسئلہ حل کیا ہے۔ لاہور کے ایک میرے پرانے جاننے والے ہیں' نام ان کا سعادت خان

ہے۔ تمہارا باپ فرید خان بھی ان سے واقف ہے اور اچھی طرح جانتا ہے۔ لاہور کے بااثر اور صاحب ثروت لوگوں میں سے ہیں۔ انہوں نے اپنے بیٹے کے لئے مالتی کا رشتہ مانگا تھا۔ لہٰذا اس رشتے پر ہم نے رضامندی کا اظہار کر دیا ہے۔ میرے خیال میں چند دن تک وہ ہم سے رابطہ قائم کریں گے اور فی الحال صرف سگائی کی رسم طے کی جائے گی۔''

جگن ناتھ جب خاموش ہوا' تب بڑے شوق سے مالتی کی طرف دیکھتے ہوئے رستم خان نے اسے مبارکباد دی' جس پر مالتی کی گردن شرم سے جھک گئی اور ہلکی سی آواز میں اس نے مبارکباد کا جواب دیا تھا۔ اس موقع پر جگن ناتھ نے اپنی بیوی سروجنی کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

'' میرے خیال میں اب ہمیں چلنا چاہیے۔''

جگن ناتھ کے ان الفاظ کے جواب میں فرید خان فوراً بولا اور کہنے لگا۔

'' کہاں چلنا چاہیے' شام ہو رہی ہے۔ اب رات کا کھانا یہیں سے کھا کر جانا' جگن ناتھ اب ہم مستقر میں نہیں رہتے۔ ہماری اپنی حویلی ہے۔ اب تمہیں جانے کی کون سی جلدی ہے۔''

فرید خان کے ان الفاظ پر سب نے خوشی کا اظہار کیا تھا اور اس موقع پر سمترا فرید خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

'' بابا ہم ایک شرط پر کھانا کھا کر جانے کے لئے تیار ہیں۔''

فرید خان نے مسکراتے ہوئے بڑی شفقت سے سمترا کی طرف دیکھا پھر پوچھا۔

'' کیا شرط ہے میری بیٹی کی۔''

جواب میں سمترا نے مسکراتی ہوئی ایک گہری نگاہ رستم خان پر ڈالی پھر فرید خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

'' بابا شرط یہ ہے کہ کھانا جہاں آراء اور نسیمہ خاتون تیار نہیں کریں گی۔ وہ تو یہ کام روز ہی کرتی ہیں۔ آج جو ہم لوگ آئے ہیں' تو ہماری وجہ سے چلو انہیں تھوڑی آسائش ہو جائے گی۔ ہاں ہمارے ساتھ رہتے ہوئے وہ ہماری رہنمائی کر سکتی ہیں۔''

اس موقع پر رستم خان اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے باپ فرید خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"بابا آپ لوگ بیٹھیں میں اماں جہاں آراء سے بات کر کے ضرورت کا سامان بازار سے لے آتا ہوں۔"

سمترا نے اس بار بڑے شوق سے براہ راست رستم خان کو مخاطب کیا۔

"جی نہیں آپ کی اس تجویز سے ہم اتفاق نہیں کرتے۔ آپ بازار نہیں جائیں گے۔ اس لئے کہ آپ ابھی تھکے ہارے آئے ہیں۔ لہٰذا آپ کا اس حالت میں بازار جانا ہم سب کے لئے معیوب ہے۔ میری ماتا اور نسیمہ خاتون بھائی شنکر ناتھ کے ساتھ جائیں گی۔ سارا سامان خرید لائیں گی۔ آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

سمترا کی اس تجویز سے سب نے اتفاق کیا تھا پھر فرید خان اپنی جگہ سے اٹھا اور کہنے لگا۔

"اچھا میں نسیمہ بیٹی کو تیار کرتا ہوں۔ تم لوگ جاؤ اور بازار سے سودا سلف خرید کر لاؤ۔"

اس پر فرید خان باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوٹا اور کہنے لگا۔

"نسیمہ بالکل تیار ہے۔ رقم میں نے اسے دے دی ہے۔ میرے خیال میں آپ لوگ جائیں۔ اس پر سروجنی اور شنکر دونوں ماں بیٹا ایک ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے' اتنی دیر تک دیوان خانے کے سامنے نسیمہ خاتون بھی آ گئی تھیں۔ پھر وہ تینوں حویلی سے نکل گئے تھے۔" ان کے جانے کے تھوڑی دیر بعد خاموشی رہی' پھر رستم خان اپنے باپ فرید خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"بابا پہلی بار جب ہم ان کی حویلی میں گئے تھے تو آپ کو یاد ہوگا کہ انہوں نے ہم پر ایک پابندی لگائی تھی اور پابندی یہ تھی کہ ہمیں رات ان کی حویلی میں گزارنا ہوگی۔ آج ہمیں بھی ان پر پابندی لگانی چاہیے کہ کھانا کھانے اور شب بسری کرنے کے بعد اگلے روز یہاں سے جائیں گے۔"

رستم خان کے ان الفاظ پر سمترا بڑی خوشی اور اطمینان کا اظہار کر رہی تھی۔ شاید وہ دل سے بھی ایسا ہی چاہتی تھی۔ چنانچہ مالتی اور سمترا دونوں بہنیں اپنے باپ جگن ناتھ کی طرف دیکھنے لگی تھیں' چنانچہ جگن ناتھ مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

"بیٹے جیسا تم چاہو گے' ویسا ہی ہوگا۔ ہم تمہاری کسی بات کو ٹال تو نہیں سکتے۔ رستم خان خوش ہو گیا تھا۔ پھر سمترا کے اصرار پر وہ سب کو میواڑ میں راجہ امر سنگھ کے خلاف لڑی جانے والی جنگ کی تفصیل بتا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد سروجنی' نسیمہ خاتون اور شنکر ناتھ بھی آ گئے۔ ان

کے آنے کے بعد سمترا اور مالتی دیوان خانے سے نکل کر کھانا تیار کرنے کے لئے رسوئی کی طرف چلی گئی تھیں۔

✧ ✧ ✧

میواڑ کی کامیاب مہم کے بعد جہانگیر کے لئے بنگال اور دکن میں حالات ایک دم خراب ہو گئے۔ جہاں تک بنگال کا تعلق ہے تو آریوں کے دور میں سن بارہ سو سے چار سو قبل مسیح تک بنگال کی تاریخ اندھیرے میں رہی' صرف سکندر اعظم کے حملے کے بعد یونانی ماخذوں سے کچھ پتا چلتا ہے کہ یہاں براسیوئی حکمران تھے' جو سکندر اعظم کے مقابلے کے لئے متحد ہوئے۔ اس دور میں بنگال کو ونگا کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

گپت خاندان کے تین راجہ یعنی گوپ چندر' دھرم دت اور سماچار دیون پانچ سو پچیس سے سن پانچ سو پچھتر تک یہاں حکمران رہے اور سن چھ سو چھ میں ایک باج گزار راجہ مہاسامنت نے شمالی اور مغربی بنگال پر مشتمل ریاست گوڈا کی بنیاد رکھی۔ اس کی موت کے بعد بدھ مت کے راجہ ہرش وردھن نے اپنا کھویا ہوا علاقہ واپس لے لیا اور سن سات سو چھتیس کے بعد کشمیر کا راجہ لالتیہ یہاں پر قابض ہو گیا۔

سن سات سو ترتالیس میں ایک بدھ خاندان پال نے یہاں اپنی حکومت قائم کی۔ اس خاندان کے بانی گوپال کے لئے دھر پال کے زمانے میں سن سات سو ستر تا سن آٹھ سو دس میں یہ سلطنت ہمالیہ' مالوہ اور برار تک کے علاقے میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے بیٹے دیوپال کے دور میں یہ ایک بہت بڑی سلطنت بن چکی تھی' جس کا ذکر مؤرخ المسعودی نے بھی کیا ہے۔

گیارہویں صدی کے اواخر میں ہیمنت سین نے پال خاندان کی حکومت کا خاتمہ کرنے کی کوشش شروع کر دی اور رادھا میں ایک خودمختار حکومت قائم کر لی۔ اس کے بیٹے وجے سین نے سن دس سو پچانوے تا سن گیارہ سو اٹھاون سے پورے بنگال کو اپنی ریاست میں شامل کر لیا۔

سن گیارہ سو اناسی میں اس کا بیٹا لکشمن سین تخت پر بیٹھا جس نے عمر کے آخری حصے میں بڑی پریشانیاں اٹھائیں اور مسلمانوں سے شکست اٹھانے کے بعد سن بارہ سو چھ میں ڈھاکہ کے قریب فوت ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی بنگال پر سین خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

سن گیارہ سو ننانوے میں قطب الدین ایبک کے ایک سپہ سالار نے جنوبی بہار میں مسلم سلطنت کو وسعت دینے کے لئے بنگال کی طرف کوچ کیا اور سن بارہ سو ایک میں سین راجہ کے دارالحکومت ندیا میں داخل ہوگیا' بغیر جنگ کے ندیا پر قبضہ کرلیا۔

اس کے فوراً بعد ہی دریندر اور گور پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا اور یہ چھوٹی ریاست بعد میں گور کی ایک بڑی خودمختار حکومت بن گئی۔

سن بارہ سو پانچ میں اختیار الدین محمد سپہ سالار قطب الدین ایبک کی موت کے بعد علی بن مردان بنگال کا والی مقرر کیا گیا۔ سن بارہ سو دس میں قطب الدین ایبک کی وفات کے بعد علی مردان نے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا اور اس طرح بنگال کا پہلا مسلمان بادشاہ بنا۔

سن بارہ سو گیارہ میں علی بن مردان کے قتل کے بعد حسام الدین خلجی سلطان غیاث الدین کے لقب سے بنگال کا بادشاہ بنا۔ اس کے زمانے میں بنگال نے بہت زیادہ ترقی کی۔ اس نے حدود سلطنت کو وسیع کیا اور سن بارہ سو انیس میں جہازوں کا ایک بیڑہ بنایا۔ سن بارہ سو پچیس میں جب سلطان شمس الدین التمش نے بہار اور بنگال پر حملہ کیا تو اس نے سلطان کی اطاعت قبول کر لی لیکن سلطان کی واپسی پر غیاث الدین نے بہار کے صوبیدار کو مار بھگایا۔ چنانچہ التمش کے لڑکے ناصر الدین نے لکھنوتی پر چڑھائی کر کے غیاث الدین کو مار دیا اور اس طرح بنگال کی آزاد بادشاہت کو ختم کر دیا گیا۔

سن بارہ سو ستائیس سے سن بارہ سو ستاسی تک بنگال سلطنت دہلی کا ایک حصہ رہا اور متعدد صوبیدار بنگال کا انتظام کرتے رہے۔

بلبن کے عہد میں بنگال کے صوبہ دار تغلق نے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا لیکن بلبن اسے شکست دے کر اور اپنے بڑے لڑکے بغرا خان کو بنگال کا اپنا حاکم بنا کر دہلی واپس آیا اور اس وقت سے بنگال کی صوبہ داری موروثی ہوگئی۔ یہ صوبیدار دہلی کی سعادت تو تسلیم کرتے تھے لیکن اپنے صوبے کے معاملات میں خودمختار ہی ہوتے تھے۔

سلطان محمد تغلق کے آخری ایام میں حکومت میں والیان بنگال نے دہلی کا جوا اپنی گردن سے اتار ڈالا اور محمد تغلق کو ان کی خودمختاری اور آزادی ماننا پڑی۔

آزاد مسلمان بادشاہوں کے دور حکومت میں بنگال نے بڑی ترقی کی۔ بہت سی تعمیرات ہوئیں۔ مملکت بنگال کو وسعت دی گئی اور مغربی آسام کوچ بہار اور جام نگر کے اضلاع اور شمالی

جنوبی بہار کا پٹنہ تک کا علاقہ ان کے زیر اقتدار رہا۔

سن پندرہ سو ترپن تک مشرقی بنگال خودمختار رہا اور سن تیرہ سو ترپن میں مغربی بنگال کی الیاس شاہی سلطنت کا ایک جز بن گیا۔ لیکن سن تیرہ سو ترپن ہی میں فیروز تغلق نے بنگال پر حملہ کر کے لکھنوئی کے مغرب کا سارا علاقہ دہلی کی سلطنت میں شامل کر لیا۔ تاہم الیاس شاہی نے اپنی سلطنت کا مروپ' ناگرا اور درندرا تک بڑھا لی۔

الیاس شاہ کے بعد اس کا بیٹا سکندر شاہ حکمران ہوا اور پینتیس سال حکومت کی۔ سن تیرہ سو اسی میں سکندر شاہ اپنے بیٹے غیاث الدین کے ہاتھوں ایک جنگ میں مارا گیا۔ چنانچہ سن تیرہ سو ننانوے میں غیاث الدین تخت نشین ہوا۔ بنگال پر سن چودہ سو چھیاسی تک سوائے چند برسوں کے الیاس شاہی سلطنت قائم رہی۔ یہ سلاطین بنگالی نہ تھے لیکن ہر دل عزیز ضرور تھے۔

الیاس شاہی سلطانوں نے حبشیوں کی بے انتہا سرپرستی کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جن امیروں کی وجہ سے سلطنت چلتی تھی ان کا زور کم ہوگیا۔ آخر کار حبشی سلطنت قائم ہوگئی جو سن چودہ سو چھیاسی سے سن چودہ سو ترانوے تک رہی۔ یہ دور بنگال کی تاریخ کا تاریک دور ہے۔

اس کے بعد سن چودہ سو ترانوے میں سن پندرہ سو پینتیس تک بنگال پر حسین شاہی خاندان کے لوگ حکومت کرتے رہے۔ سید حسین جو علاؤ الدین حسین شاہ کے لقب سے تخت پر بیٹھا' ایک عرب تھا لیکن اس نے بنگالیوں کی زبان اور تہذیب کی سرپرستی کی اور بنگال میں نئے سرے سے فتوحات اور تعمیرات کے دور کا آغاز کیا۔

حسین شاہ سے مسلمان اور ہندو دونوں خوش تھے۔ سن پندرہ سو انیس میں حسین شاہ نے وفات پائی اور اس کے بعد اس کا بیٹا ناصر الدین نصرت شاہ کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ سن پندرہ سو بتیس میں نصرت شاہ کو اس کے غلام نے قتل کر دیا۔ اس کے بعد اس کے دو بیٹے حکمران ہوئے۔ انہیں دونوں میں سے شیر شاہ سوری نے بنگال پر حملہ کیا۔ اس وقت ہمایوں مغربی ہند کی شورشیں فرو کرنے میں مصروف تھا۔ شیر شاہ سوری نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور بہار کا حاکم بن بیٹھا۔

سن پندرہ سو اڑتیس میں بنگال افغانوں کے قبضے میں چلا گیا اور پندرہ سو اڑتیس میں ہمایوں نے گور پر قبضہ کر لیا اور بنگال کو جز سلطنت بنانے کا اعلان کر دیا لیکن ہمایوں کو یہاں چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا۔

سن پندرہ سو انتالیس میں چونسہ کے مقام پر اس نے شیر شاہ سوری سے شکست کھائی۔ اس کے بعد شیر شاہ سوری نے اپنی بادشاہت کا اعلان کر کے بنگال کا رخ کیا اور گور پر قبضہ کر لیا۔

سن پندرہ سو چھتر میں بنگال پر مغلوں کا قبضہ ہوا لیکن افغان اکبر اعظم کے دور حکومت میں بنگال بہار اور اڑیسہ میں اپنی کھوئی ہوئی حکومت حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہے۔

جہانگیر نے پہلے مان سنگھ کو اور بعد میں اسلام خان کو بنگال کا ناظم مقرر کیا۔ اس کے عہد میں دور سلطنت میں بھی توسیع ہوئی۔ کوچ بہار کا مروپ ضلع نواکھلی کا جنوب مشرقی حصہ مدناپور سنارگاؤں اور بارہ بھوٹھیاں، میسور وغیرہ کا علاقہ مغل بنگال میں شامل کر لیا گیا۔

شاہجہان اور اورنگزیب کے عہد میں اس سال تک مغل بنگال میں امن وامان قائم رہا اور آسام اور اڑیسہ کی طرف بنگال کی سرحد بڑھی۔ اورنگزیب کے آخری زمانے میں اس کا پوتا عظیم الشان بنگال کا صوبے دار تھا۔ سن سترہ سو ستر میں فرخ سیر نے مرشد کاتلی خان کو بنگال کا صوبیدار بنایا۔ سن سترہ سو ستائیس میں مرشد خان کی بغاوت کے بعد اس کا داماد شجاع الدولہ بنگال کا صوبیدار بنایا گیا جس نے سن سترہ سو انتالیس میں وفات پائی۔

اس کے بعد اس کا بیٹا سرفراز علاؤ الدین کے لقب سے بنگال کی مسند پر بیٹھا۔ سن سترہ سو چالیس میں سرفراز علی وردی کے ہاتھوں میدان جنگ میں مارا گیا۔ اس طرح علی وردی نے بنگال کی گدی پر قبضہ کر لیا۔ سن سترہ سو چھپن میں علی وردی نے وفات پائی۔ اس کے بعد اس کا نواسہ سراج الدولہ بنگال کے تخت پر بیٹھا۔ سراج الدولہ کو پہلے ہی دن سے اپنے دشمنوں کا مقابلہ کرنا پڑا، جس میں اس کے جاہ طلب رشتے دار امراء اور انگریز شامل تھے۔ اس نے بڑی ہمت اور جرأت کا ثبوت دیا۔

سراج الدولہ نے اپنے خلاف اٹھنے والی تمام شورشوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ سن سترہ سو ستاون میں اس نے کلکتہ پر حملہ کر کے انگریزوں کو وہاں سے نکال باہر کیا۔ لیکن انگریزوں نے اپنی ہزیمت اور شکست کا بدلہ لینے کے لئے بااثر ہندوؤں اور میر جعفر جیسے غدار مسلمانوں کو ساتھ ملا کر سراج الدولہ کا تختہ الٹنے کا پروگرام بنایا۔

چنانچہ پلاسی کے مقام پر انگریزوں اور سراج الدولہ کے درمیان ایک جنگ ہوئی، جس میں میر جعفر جیسے غداروں کی وجہ سے اسے شکست اٹھانا پڑی۔ اس کے بعد انگریزوں نے میر

جعفر کو بنگال کا نواب بنا دیا جو انگریزوں کی کٹھ پتلی کے طور پر حکومت کرنے لگا۔ اس نے ہر طرح سے انگریزوں کی حرص و ہوس کو پورا کرنے کی کوشش کی، مگر ناکام رہا۔ انگریزوں نے اسے سبکدوش کر دیا۔ اس کی جگہ اس کے داماد میر قاسم کو بٹھا دیا جو ایک قابل حکمران تھا۔ کچھ عرصہ بعد انگریزوں نے اسے معزول کر کے دوبارہ میر جعفر کو بحال کر دیا۔ میر جعفر کی موت کے بعد اس کے بیٹے کو گدی پر بٹھا دیا گیا جو انگریزوں کا محض وظیفہ خوار تھا۔

میر جعفر کے مرنے کے بعد نوابی ختم ہو گئی۔ لارڈ کلائیو نے کمپنی کے لئے بنگال، بہار اور اڑیسہ کی دیوانی حاصل کی۔ فوج کا اختیار کمپنی نے اپنے ہاتھ میں رکھا لیکن کلائیو اچھا منتظم ثابت نہ ہو سکا۔ اس کی ردعملی کے باعث بنگال کی خوش حالی جاتی رہی۔ سن سترہ سو انہتر سے سن سترہ سو ستر میں سخت قحط پڑا۔ اس قحط میں ایک تہائی آبادی ختم ہو گئی۔

سن سترہ سو چوہتر میں کلائیو نے خودکشی کر لی اور اس کی جگہ وارن ہسٹنگز کو بنگال کا گورنر بنایا گیا۔ اس کے دور میں مسلم قانون کی جگہ انگریز قانون نافذ ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کا مزید نقصان ہوا، کیونکہ دفتروں میں انگریزی زبان رائج کی گئی جبکہ مسلمان اس زبان سے ناآشنا تھے۔ ہندوؤں نے مسلمانوں کے مقابلے میں زبان کی تعلیم حاصل کر کے زیادہ ملازمتیں حاصل کر لی تھیں۔ اس دور میں انگریزوں کے خلاف کئی تحریکیں اٹھیں، جو پوری طاقت کے ساتھ کچل دی گئیں۔ ان میں حاجی شریعت اللہ کی تحریک خاص طور پر مشہور ہے۔

اس کے بعد بنگال میں سازش شروع ہوئی۔ جب لارڈ وائسرائے بن کر آیا تو اس نے بنگال کے بڑے صوبے کو تقسیم کر کے آسام اور مشرقی بنگال کو ملا کر ایک صوبہ بنانے کا فیصلہ کیا۔ بنگال میں مسلمانوں کی اکثریت ہو جاتی تھی اور مغربی بنگال میں بہار اور اڑیسہ کے رہنے والوں کی۔

مسلمان اس تقسیم کے حق میں تھے۔ لیکن ہندو اس کے مخالف تھے۔ لہٰذا انہوں نے اس تقسیم کے خلاف احتجاج کیا لیکن ان تمام احتجاجات کے باوجود انیس سو پانچ میں بنگال کی تقسیم کر دی گئی۔

مشرقی بنگال اور مغربی بنگال کے نام سے دو صوبے بن گئے تھے۔ صوبے مشرقی بنگال کا رقبہ خاصا بڑا تھا۔ اس میں آسام مشرقی اور جنوبی بنگال چٹاگانگ ڈھاکہ راج شاہی اور مالوہ اضلاع شامل تھے۔ ڈھاکہ اس صوبے کا دارالحکومت قرار پایا۔ دوسرے صوبے کا صدر مقام

کلکتہ بنایا گیا۔ اس تقسیم پر ہندوؤں نے ایک ہنگامہ برپا کر دیا اور بالآخر انیس سو گیارہ میں خود شاہ انگلستان نے تقسیم بنگال کو منسوخ کر دیا۔

جہاں تک دکن کا تعلق ہے تو دکن کا علاقہ مغلوں کے دور میں بدامنی اور افراتفری ہی میں مبتلا رہا۔ اورنگزیب عالمگیر نے اپنے دور میں اس علاقے کو کافی حد تک پرامن بنانے کی کوشش کی لیکن بعد میں حالات پھر خراب ہونا شروع ہو گئے اور جہاں ایک علیحدہ حکومت قائم ہو گئی جسے آصفیہ سلطنت بھی کہتے ہیں۔ اس سلطنت کی بنیاد مغلیہ سلطنت کے زوال کے وقت آصف جاہ وہاں کے حکمرانوں نے سن سترہ سو سنتالیس میں رکھی۔

اس وقت یہ سلطنت دریائے نربدہ کے ترچنابلی اور کوکن سے مدراس تک پھیلی تھی۔
انگریزوں نے آصف جاہ سے تعلقات استوار کرنے شروع کر دیئے تھے اور یہاں تک کہ جب فرانسیسیوں نے مدراس کو چھیننا چاہا تو انہوں نے آصف جاہ سے امداد طلب کر لی۔

آصف جاہ کے بعد اس کا بیٹا مظفر جنگ حکمران بنا لیکن فسادیوں نے اسے قتل کر دیا۔
اس کے بعد آصف جاہ کا بیٹا صلابت جنگ سن سترہ سو اکیاون میں حکمران بن گیا۔ اس کے دور میں فرانسیسی کافی عروج حاصل کر چکے تھے۔ اسی دور میں مرہٹوں نے اس ریاست سے سر اٹھایا اور ریاست کے بڑے حصے پر قبضہ کر لیا۔

اسی زمانے میں یورپ کی سیاست نے کروٹ بدلی اور فرانس کا اثر و رسوخ زائل ہو گیا۔ لیکن ساتھ ہی انگریزوں نے عروج حاصل کرنا شروع کر دیا اور سن سترہ سو اکسٹھ میں صلالت جنگ کے وزیروں نے اسے قید کر لیا اور آصف جاہ کے چوتھے بیٹے نظام علی خان کو تخت پر بٹھا دیا۔

اس نے آصف جاہ ثانی کے نام سے حکومت کرنا شروع کر دی۔ اسی زمانے میں احمد شاہ ابدالی نے پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کا قلع قمع کیا۔ اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آصف جاہ نے مرہٹوں کے علاقوں کو پھر سے اپنی ریاست میں شامل کر لیا۔ اس کے بعد اس کے انتقال کے بعد آصف جاہ ثالث نواب سکندر جاہ تخت نشین ہوا۔

اس کے دور حکومت میں انگریزوں نے دکن کی داخلی سیاست میں اپنے قدم جما لیے تھے۔ چنانچہ وزیر ارسطو کا انتقال ہوا تو انہوں نے میر عالم کو وزیر مقرر کر دیا۔ اسی زمانے میں ریاست کا مالی نظام بگڑ گیا۔ اس انتظام اور انصرام کو چلانے کے لئے آصف جاہ ثالث کو قرض

کی ضرورت پڑی۔ چنانچہ ایک انگریز ساہوکار نے چوبیس فیصد سود کی شرح پر قرض دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سن اٹھارہ سو تینتیس تک اس علاقے کے ذمہ ایک کروڑ سولہ لاکھ کا قرض واجب الادا ہو چکا تھا۔

آصف جاہ ثالث کے بعد آصف جاہ رابع نواب ناصر الدولہ اپنے والد کی وفات کے بعد سن اٹھارہ سو اڑتیس میں تخت پر بیٹھا۔ اس نے چندلعل کو اس کے عہدے سے ہٹا دیا کیونکہ ریاست اس وقت تک دو کروڑ کی مقروض ہو چکی تھی۔ انہوں نے تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لیے۔ انگریزوں کو یہ بات پسند نہ آئی۔ انہوں نے اس کی حکومت کو طرح طرح کی دھمکیاں دینا شروع کر دی تھیں۔ پھر قرض کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ چنانچہ چھتیس لاکھ سالانہ کی قسط مقرر کی گئی۔

ناصر الدولہ نے اسے اپنی تذلیل گردانا اور تمام قرض کی ادائیگی کے لئے چار ماہ کی مہلت مانگی۔ انگریزوں نے اسے مہلت نہ دی بلکہ اس پر چڑھائی کی دھمکی دی۔ اس کے بعد ایک معاہدہ طے پا گیا جس کی رو سے مئی سن اٹھارہ سو ترپن میں برابر کا علاقہ انگریزوں کی عملداری میں آ گیا۔ سن اٹھارہ سو ستاون میں ناصر الدولہ کا انتقال ہو گیا تو اس کی جگہ آصف جاہ خاص تخت نشین ہوا۔ جنگ آزادی کے بعد دکن انگریزوں کے دباؤ میں آ گیا اور مجبوراً انگریزوں کی امداد اور اعانت کرنا پڑی۔ اس کے بعد دکن میں انگریزوں کا اثر و رسوخ بڑھ گیا۔
یہاں تک کہ ستائیس مارچ انیس سو چھبیس میں انگریزوں نے دکن کو اپنا زیر دست علاقہ بنا لیا۔

دراصل دکن میں مختلف حکمران آتے جاتے رہے لیکن ان میں اکثر عیاش طبع تھے۔ وہ بعض قابل لوگوں کی خدمات حاصل کر لیتے اور نظام حکومت چلاتے رہتے تھے۔ انہیں میں ایک افریقی غلام ملک عنبر بھی تھا جو وہاں کے ایک حکمران مرتضیٰ شاہ اول کے ایک وفادار جرنیل چنگیز خان کی ملازمت میں رہ چکا تھا۔

دکن کے حکمران صرف اپنی سلطنت کو وسعت دینے کی خاطر عسکری کارروائیاں کرتے رہے۔ چنانچہ جہانگیر کو ایک بار پھر ان کی طرف توجہ مبذول کرنا پڑی۔ چنانچہ دکن اور بنگال کے حالات سے نمٹنے کے لئے جہانگیر نے اپنے سالاروں کا اجلاس طلب کر لیا تھا۔ جب سارے سالار امراء اور دیگر سرکردہ لوگ شہنشاہ کے قصر میں جمع ہو گئے تب تفصیل کے ساتھ شہنشاہ جہانگیر نے انہیں دکن اور بنگال کے بگڑتے ہوئے حالات سے آگاہ کیا، کہا جاتا ہے

که دکن کی مہم پر شہنشاہ جہانگیر ایک لشکر راجہ مان سنگھ کی قیادت میں بھیجنا چاہتا تھا۔ کچھ سالاروں کو بھی اس فیصلے کی بھنک پڑ گئی۔ چنانچہ جہانگیر کے دور کا خان خاناں جس کا اصل نام عبدالرحیم تھا اور جو بڑا جاہ پسند اور انا پرست تھا' وہ نہیں چاہتا تھا کہ دکن کی مہم کو سر کر کے کوئی اور شہرت اور قرب کی بلندی حاصل کرے۔ لہٰذا جس وقت جہانگیر کے سامنے اس کے سارے سالار بیٹھے ہوئے تھے۔ خان خاناں عبدالرحیم خان نے جہانگیر کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔

" شہنشاہ مکرم اگر مجھے ایک مناسب لشکر مہیا کیا جائے اور اس لشکر کی رسد اور کمک کا بھی اچھا انتظام کرنے کے ساتھ ساتھ اس لشکر کے لئے مالی امداد بھی خوب دی جائے تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں صرف دو سال کے اندر مکمل کامیابی حاصل کر لوں گا اور دکن کے حالات کو آپ کی خواہش اور آپ کی پسند کے مطابق درست کر لوں گا۔"

عبدالرحیم خان خاناں کی یہ پیشکش جہانگیر کو بڑی پسند آئی تھی۔ لہٰذا اس نے یہ فیصلہ کیا کہ دکن کے حالات سنوارنے کے لئے خان خاناں عبدالرحیم خان ہی کو بھیجنا چاہیے۔

جب جہانگیر نے اپنا یہ فیصلہ دیا تو عبدالرحیم خان خاناں کی خوشی کی کوئی انتہاء نہ تھی۔ دوبارہ جہانگیر نے اسے مخاطب کیا۔

" عبدالرحیم میں تمہاری اس پیشکش کو قبول کرتا ہوں۔ اب یہ کہو کہ اپنے نائب کی حیثیت سے تم کن کن سالاروں کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہو۔"

شہنشاہ جہانگیر کے اس سوال پر عبدالرحیم خان خاناں نے کچھ سوچا' پھر کہنے لگا۔

" شہنشاہ معظم جو لشکر آپ میرے ساتھ مختص کریں گے۔ میری آپ سے گزارش ہے کہ اس لشکر میں میرے نائب کی حیثیت سے فرید خان اور اس کے بیٹے رستم خان دونوں کو شامل کر دیا جائے۔ ان کی موجودگی میں میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ حالات بہت جلد درست ہو جائیں گے۔"

خان خاناں عبدالرحیم کے ان الفاظ پر جہانگیر گہری سوچوں میں ڈوب گیا تھا۔ اسی وقت اس نے کوئی فیصلہ نہ دیا پھر وہ بنگال کے حالات کی طرف متوجہ ہوا اور اپنے ایک سالار اسلام خان کو اس نے بنگال کا حاکم بنا کر وہاں کے حالات درست کرنے پر مقرر کیا۔

اسلام خان نے اپنی اس تقرری پر بے حد خوشی کا اظہار کیا اور شہنشاہ جہانگیر سے وعدہ کیا کہ یقیناً وہ بنگال کے حالات آپ کے حق میں بالکل درست اور مطمئن کر دے گا' ساتھ ہی

اسلام خان نے بھی اپنے نائب کی حیثیت سے فرید خان اور اس کے بیٹے رستم خان کو اپنے ساتھ بھیجنے کی گزارش کی تھی۔

اسلام خان جب خاموش ہوا' تب کچھ دیر تک قصر میں گہری خاموشی رہی۔ اس موقع پر جہانگیر کبھی اپنے سالار اسلام خان اور کبھی عبدالرحیم خان خاناں کی طرف دیکھتا تھا۔ پھر کہنے لگا۔

" تم دونوں نے اپنے نائب کی حیثیت سے فرید خان اور اس کے بیٹے رستم خان کا نام لیا ہے۔ اب میں ان لوگوں کو دو حصوں میں تقسیم کر کے تمہارے ساتھ بھیجنے سے تو رہا۔ لہٰذا وہ دونوں باپ بیٹا تم دونوں میں سے کسی کے ساتھ روانہ نہیں ہوں گے۔ دراصل میرا بیٹا خرم فرید خان اور اس کے بیٹے رستم خان پر بڑا اعتماد اور بھروسہ کرتا ہے۔ تم دونوں جب دکن اور بنگال کی مہم پر روانہ ہو گے تو اگر تم دونوں کو کامیابی نصیب ہوئی تو یہ ہماری خوش قسمتی ہوگی۔ اگر تم دونوں کو کامیابی نہ ہوئی تو پھر میں اپنے بیٹے خرم کو استعمال کروں گا اور یہ پورے حالات درست کرے گا اور خرم کے ساتھ رستم خان بھی جائے گا۔ اس لئے کہ خرم کے ساتھ رستم خان بڑا مانوس ہو چکا ہے اور خرم بھی اس پر ہر حال میں اعتماد اور بھروسہ کرتا ہے۔"

ان حالات کو سامنے رکھتے ہوئے جہانگیر نے یہ فیصلہ کیا کہ عبدالرحیم خان خاناں دکن کی مہم سر کرنے کے لئے روانہ ہوگا جبکہ اسلام خان ایک لشکر لے کر بنگال کے حالات درست کرنے کے لئے کوچ کرے گا جبکہ فرید خان اور رستم خان دونوں باپ بیٹے کو جہانگیر نے اپنے پاس آگرہ میں روک لیا تھا۔

ان حالات میں پہلے عبدالرحیم خان خاناں ایک لشکر لے کر دکن کی طرف روانہ ہوا۔ دکن کے حکمران صرف اپنی سلطنت کو وسعت دینے کی خاطر عسکری کارروائیاں کرتے رہتے تھے۔ گو احمد نگر کا شہر مغلوں کے قبضے میں تھا لیکن اکثر علاقے میں ملک عنبر نے مرتضیٰ نظام شاہ ثانی کو تخت نشین کر دیا اور بہت سی انتظامی اصلاحات بھی کیں۔ ملک عنبر نے اپنے علاقوں میں گوریلا طرز جنگ کو بھی فروغ دیا تھا۔ چنانچہ اسی ملک عنبر کی سرکوبی اور اسے شکست دے کر اسے گرفتار کرنے کے لئے خان خاناں عبدالرحیم ایک لشکر کے ساتھ روانہ ہوا تھا۔

خان خاناں عبدالرحیم نے جہانگیر کو یہ ضمانت دی تھی کہ وہ دو سال کے اندر ملک عنبر کے خلاف کامیابی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا لیکن جہانگیر نے صرف ایک سال دیکھا

اور اندازہ لگایا کہ اس سلسلے میں خان خاناں عبدالرحیم کو کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔

چنانچہ مؤرخین لکھتے ہیں کہ "دکن کے حالات درست کرنے کے لئے آخر کار جہانگیر نے اپنے بیٹے پرویز کو لشکر کی کمانداری سونپی اور نور جہاں کے بھائی آصف خان کو اس کا نگران مقرر کیا گیا۔"

دوسری طرف دکن میں عبدالرحیم خان خاناں کو جب پرویز کی آمد کی خبر ہوئی تو اس نے اپنی انا کی سربلندی اور اپنی انا پرستی کے عروج کی خاطر پھر مہم جوئی کی کوشش کی کہ ایک بار زوردار حملہ کر کے ملک عنبر کے خلاف کامیابی حاصل کی جائے اور اسے اپنا مطیع بنایا جائے لیکن رسد کی کمی اور موسم برسات شروع ہو جانے کی وجہ سے خان خاناں عبدالرحیم خان کو کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی' ساتھ ہی اس کے کمانداروں میں باہمی تنازعات بھی اٹھ کھڑے ہوئے جو اس کی ناکامی کا سبب بن گئے۔ چنانچہ شہزادہ پرویز اور نور جہاں کے بھائی آصف خان کی آمد سے پہلے پہلے حالات کو پرسکون کرنے کے لئے خان خاناں عبدالرحیم نے ملک عنبر سے صلح کی اور خود اپنے لشکر کے ساتھ برہان پور شہر کی طرف لوٹ گیا جو دکن کی مہمات کا مرکز تھا۔

دکن میں خان خاناں کی اس ناکامی کو جہانگیر نے ناپسند کیا۔ لہٰذا اس نے اپنے کچھ سالاروں کے تبادلے کرنے شروع کر دیئے۔ سب سے پہلے جہانگیر نے پیر محمد خان لودھی کو اپنے لشکریوں کا سالار مقرر کیا۔ یہ پیر خان لودھی تاریخ کے اوراق میں خان جہاں کے نام سے پکارا جاتا تھا اور اسے خان اعظم کے نام سے بھی یاد کیا جاتا تھا۔ یہ خان جہاں یا خان اعظم اس وقت گجرات کا برائے نام حاکم تھا۔ چنانچہ اسے وہاں سے طلب کر لیا گیا۔

خان خاناں عبدالرحیم نے کیونکہ وعدہ کیا تھا کہ وہ دو سال کے اندر اندر دکن کے حالات شہنشاہ کی مرضی کے مطابق درست کر دے گا کیونکہ وہ ایسا نہیں کر سکا تھا' لہٰذا جہانگیر نے اپنے سالار مہابت خان کو حکم دیا کہ وہ خان خاناں کو دربار میں پیش کرے۔

چنانچہ خان خاناں کو جب مہابت خان نے دربار میں پیش کیا تو جہانگیر کی طرف سے خان خاناں عبدالرحیم کے ساتھ خاصا اہانت آمیز سلوک کیا گیا۔

ساتھ ہی خان اعظم یعنی پیر خان لودھی کو گجرات سے کیونکہ ہٹا دیا گیا تھا لہٰذا جہانگیر نے میواڑ کے اپنے حاکم عبداللہ خان کو گجرات کا گورنر بنا کر بھیج دیا اور خان جہاں پیر محمد لودھی اور راجہ مان سنگھ کو ایک لشکر دیا تاکہ وہ خان دیش اور برار کے راستے حملہ آور ہو کر حالات کو اپنی

گرفت میں کریں۔

دوسری طرف میواڑ کے حاکم کو کیونکہ گجرات کا حاکم مقرر کر دیا گیا تھا' نام اس کا عبداللہ خان تھا۔ لہٰذا عبداللہ خان نے یہ ارادہ کیا کہ خان جہاں پیر خان لودھی اور راجہ مان سنگھ کی آمد سے پہلے پہلے وہ دشمن پر ایسی ضرب لگائے کہ اپنی کامیابی کو یقینی بنائے۔ اس طرح شہنشاہ جہانگیر کی نظروں میں اس کی عزت' اس کا وقار بڑھ جائے گا۔

چونکہ جہانگیر نے خان جہاں اور راجہ مان سنگھ کو خان دیش برار کے راستے دشمن پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا تھا۔ اس بناء پر عبداللہ خان نے ایک مختصر راستہ اختیار کیا۔ عبداللہ چاہتا تھا کہ راجہ مان سنگھ اور خان جہاں کے پہنچنے سے پہلے ہی پہلے دشمن کا قصہ پاک کر دے اور اس فتح کا سہرا اپنے سر پر باندھ لے۔

چنانچہ اس غرض سے وہ نہایت تیزی کے ساتھ ناسک کے راستے پیش قدمی کرتا ہوا آگے بڑھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان علاقوں میں جو دوسرے مغل لشکر تھے۔ ان سے رابطہ قائم نہ رکھ سکا' ادھر مرہٹوں نے اس کے لشکر کو پریشان کرنا شروع کر دیا۔ گو وہ احمد نگر اور دولت آباد تک بڑھتا گیا لیکن اس کے لشکر کو شدید نقصان اٹھانا پڑا۔ حالات کی سختی اور ناقابل برداشت دشواریوں کی بناء پر وہ اپنے حصے کے لشکر کو لے کر چپ چاپ واپس گجرات کی طرف چلا گیا تھا۔

دوسری طرف دکن میں جہانگیر کے بیٹے شہزادہ پرویز نے کچھ کامیابیاں حاصل کیں۔ جن کی بناء پر جہانگیر نے اپنے بیٹے شہزادہ پرویز کو دکن کا حاکم بنا دیا جبکہ نور جہاں کے بھائی آصف خان اور راجہ مان سنگھ اور خان جہاں کو اس نے واپس بلا لیا تھا۔

جہاں تک بنگال کا تعلق ہے تو اسلام خان اپنے لشکر کے ساتھ بنگال پہنچ چکا تھا۔ وہاں پہنچ کر اس نے اندازہ لگایا کہ حالات نامناسب ہیں۔ باغیوں کی تعداد اس کی نسبت بہت زیادہ ہے۔ رسد اور کمک کا بھی کوئی سلسلہ نہیں۔ اس ساری صورت حال سے تیز رفتار قاصدوں کے ذریعے اسلام خان نے جہانگیر کو اطلاع دی' چنانچہ جہانگیر نے ایک اور لشکر تیار کیا۔ اس لشکر کی کمانداری جہانگیر نے فرید خان اور اس کے بیٹے رستم خان کے سپرد کی اور دونوں باپ بیٹے کو بنگال میں اسلام خان کی مدد کے لئے روانہ کر دیا۔

فرید خان اور رستم خان کے آنے سے اسلام خان کو کافی حوصلہ ہوا۔ اس کی طاقت

اور قوت میں اضافہ ہوا۔ لہٰذا اس نے آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ بنگال پر اس وقت افغانوں کا قبضہ ہو چکا تھا اور افغانوں کا ایک سربراہ عثمان خان بنگال کا کرتا دھرتا تھا۔ اس نے بغاوت اور سرکشی اختیار کر رکھی تھی۔ لہٰذا بنگال میں اسی عثمان خان کو زیر کرنا تھا۔

چنانچہ افغانوں کے سالار عثمان خان کو جب خبر ہوئی کہ شہنشاہ جہانگیر نے پہلے اپنے سالار اسلام خان کو ایک لشکر دے کر بنگال کے حالات درست کرنے کے لئے بھیجا تھا لیکن اسلام خان آگے بڑھ کر اس سے نہیں ٹکرایا۔ اسی دوران شہنشاہ جہانگیر نے اسلام خان کی التماس پر مغلوں کے پرانے سالار فرید خان اور اس کے بیٹے رستم خان کو اسلام خان کی مدد کے لئے بھیج دیا تھا۔

ان حالات میں افغان سالار عثمان خان آگے بڑھ کر اسلام خان پر ضرب لگانا چاہتا تھا کہ اسے رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ اس کے مخبروں نے اسے یہ اطلاع کر دی تھی کہ اسلام خان کے پاس فرید خان اور رستم خان دونوں باپ بیٹا ایک نیا لشکر لے کر پہنچ چکے ہیں اور اب وہ اس لشکر کے ساتھ بڑی تیزی سے پیش قدمی کرتے ہوئے عثمان خان اور اس کے لشکر کا رخ کیے ہوئے ہیں۔

اس بناء پر عثمان خان نے ایک جگہ پڑاؤ کر لیا۔ یہاں تک کہ اسلام خان، فرید خان اور رستم خان بھی اس کے لشکر کے سامنے پہنچ گئے۔ دونوں لشکروں نے ایک دوسرے کے سامنے پڑاؤ کر لیا۔ اس کے بعد بنگال کی سرزمینوں میں دونوں لشکریوں نے ایک دوسرے پر حملہ آور ہونے کے لئے صفیں درست کیں۔

اس موقع پر جبکہ افغان اپنے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کے بعد اپنے لشکر کی صفیں درست کر رہے تھے۔ اسلام خان، فرید خان اور رستم خان تینوں اپنے لشکر کے سامنے آئے۔ اس موقع پر رستم خان نے باری باری اپنے باپ اور بڑے سالار اسلام خان کی طرف دیکھا پھر بڑی عاجزی میں کہنے لگا۔

”آپ دونوں مجھ سے کہیں زیادہ پختگی تجربہ رکھتے ہیں۔ میں اس قابل ہوں کہ دونوں کے سامنے زانوئے ہنر طے کروں۔ اس موقع پر میرے ذہن میں ایک تجویز ہے۔ وہ میں آپ دونوں کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اگر آپ پسند کریں تو اس پر عمل کیجئے گا، ورنہ جو منصوبہ بندی آپ کریں گے، وہی آخری ہوگی۔“

اس موقع پر فرید خان نے بڑے پیار اور شفقت سے اپنے بیٹے رستم خان کی طرف دیکھا، دوسری طرف اسلام خان بھی مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

”بیٹے کس قسم کی گفتگو کرتے ہو۔ ہم دونوں کی عمر ڈھلتی نہیں جا رہی بلکہ ڈھل گئی ہے۔ بچے جو منصوبہ بندی تیرے ذہن میں ہے کہو ہو سکتا ہے اسی پر عمل کر کے ہم افغانوں کو بدترین شکست دے کر بنگال کے حالات اپنے حق میں کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔“

اس پر رستم خان کو حوصلہ ہوا، کہنے لگا۔

”میں چاہتا ہوں، ہم اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کریں، گو میں دیکھتا ہوں، ہمارے سامنے افغان اپنے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر رہے ہیں۔ ہمارے لشکر کے جو دو حصے ہوں گے، وہ آپ دونوں حضرات کی کمانداری میں آگے رہیں گے۔ تیسرا لشکر آپ لوگ میری کمانداری میں دے دیجئے گا۔ میں پڑاؤ میں رہوں گا۔“

”بظاہر یہی سمجھا جائے گا کہ ہم نے اپنے پڑاؤ کی حفاظت کے لئے لشکر کا ایک حصہ چھوڑا ہے اور باقی لشکریوں کو افغانوں کے سالار عثمان خان کے سامنے استوار کیا ہے۔“

”چنانچہ جب عثمان خان جنگ کی ابتداء کرے گا تو آپ دونوں باری باری اس سے ٹکرا جانا اور جب جنگ کی بھٹی خوب گرم ہوگی۔ تب میں اپنے پڑاؤ سے نکلوں گا۔ ایک کاوا اور چکر کاٹوں گا اور افغانوں کے لشکر کے ایک پہلو کو اپنا ہدف بناؤں گا۔ مجھے امید ہے کہ جب میں زوردار انداز میں ان کے لشکر کے پہلو پر حملہ آور ہوں گا تو ان کے پہلو کی کئی صفوں کو ادھیڑ کر بیکار کر دوں گا۔ ایسی صورت میں نا صرف یہ کہ ان کے ایک پہلو کا لشکر متاثر ہوگا، بلکہ ان کے لشکر کا جو وسطی حصہ ہوگا۔ اس کے اندر بھی ایک افراتفری، بدنظمی پھیلے گی، کیونکہ وہاں سے لشکریوں کو یقیناً پہلو کی طرف منتقل کیا جائے گا۔

اتنی دیر تک آپ لوگ بھی اپنے حملوں میں زور پیدا کر دینا اور جس وقت افغان اپنے وسطی حصے سے لشکر کے کچھ حصے میری طرف منتقل کر رہے ہوں گے، اس وقت ان کے لشکر کے درمیانی حصے میں ایک افراتفری ضرور ہوگی۔ اس سے فائدہ اٹھا کر ہم افغانوں کو بدترین شکست دینے میں کامیاب ہو جائیں گے۔“

جب تک رستم خان بولتا رہا، اس کا باپ فرید خان اور اسلام خان دونوں مسکراتے رہے۔ جب وہ خاموش ہوا، تب فرید خان کچھ نہیں بولا، شاید وہ یہ تاثر دینا چاہتا تھا کہ وہ اپنے

بیٹے کی اس تجویز پر بالکل غیر جانبدار ہے اور خاموشی سے جواب طلب سے انداز سے اسلام خان کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ اس موقع پر اسلام خان نے پہلے ایک گہری نگاہ فرید خان پر ڈال کر اس کے چہرے کے تاثرات دیکھے پھر بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے رستم خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"رستم خان میرے بیٹے جو تجویز تم نے پیش کی ہے۔ میں سمجھتا ہوں افغانوں کو شکست دینے کا یہی ایک طریقہ ہے اور اسی پر عمل کیا جائے گا۔"

اسلام خان کے ان الفاظ سے فرید خان اور رستم خان دونوں باپ بیٹا خوش ہو گئے تھے۔ اس کے بعد بڑی تیزی سے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ ایک حصہ اسلام خان نے اپنے پاس رکھا۔ دوسرا حصہ فرید خان کے پاس اور تیرے حصے کو رستم خان لے کر اپنے پڑاؤ کی طرف چلا گیا تھا۔

لشکر کی صفیں جب درست ہو گئیں' تب افغانوں کے سالار عثمان خان نے جنگ کی ابتداء کی' چنانچہ وہ اپنے لشکر کو آگے بڑھاتے ہوئے اسلام خان فرید خان اور رستم خان کے لشکر پر کالی خاموشیوں میں موت کی دستک دیتی' تیز ہواؤں کے جھکڑوں' تپتے ویران صحرا میں صدیوں کے شعلے اٹھائے آتشی طوفانوں' شکستگی اور انہدام طاری کرتے آگ و خون کے دہکتے پیغام اور جسموں کو امن کی تاثیر سے عاری کرتی' لامتناہی اور غیر مانوس قوتوں کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

چنانچہ دوسری سمت سے پہلے اسلام خان نے ابتداء کی۔ اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ وہ بھی عثمان خان کے لشکر پر جنگلوں کو بے برگ کرتے آتشی اولوں کے انگاروں' زخموں کے پیوند لگاتی ہجرتوں کی قہر سامانیوں' لہو کی گردش کو مضطرب کرتی عذابوں کی کرب خیزیوں اور شب کی حشر سامانیوں میں سرسراتی پر ہول وحشتوں کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔

اسلام خان کے ساتھ ہی ساتھ فرید خان نے بھی اپنے کام کی ابتداء کی۔ چنانچہ وہ بھی عثمان خان کے لشکر کے دوسرے حصے پر ہر شے کو کھوجنے اور تلپٹ کر دینے والے شرر فشار آتشی بگولوں' ہر شے کو سرابی پیاس سے دوچار کرتی فطرت کی سطوت اور جبروت جسموں کے انگ انگ کو خون میں ڈبوتی آتش پنہاں کے شراروں اور رات کی کرچیوں میں پرانے لمحوں کے نوحوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

یوں بنگال کی سرزمین میں دونوں لشکر ایک دوسرے پر حاوی ہونے اور ایک دوسرے کو اپنے سامنے زیر کرنے کے لئے بری طرح ٹکراتے تھے۔

جنگ کی بھٹی جس وقت خوب گرم ہو گئی تھی اور بنگال کا باغی عثمان خان یہ امید لگائے بیٹھا تھا کہ وہ اسلام خان' فرید خان کو یقیناً شکست دینے میں کامیاب ہو جائے گا کہ اتنے میں اپنے پڑاؤ سے رستم خان اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ نکلا جو لشکر اس کے باپ کی سرکردگی میں دشمن سے برسرپیکار تھا۔ اس کے پیچھے ہوتا ہوا وہ آگے بڑھا۔ عثمان خان کے لشکر کے پہلو کی طرف آیا پھر تکبیریں بلند کرتا ہوا وہ عثمان خان کے لشکر کے اس پہلو پر کہر کے آنچلوں سے نمودار ہو کر ارادوں کو سلب کر لینے والی سحر آفریں قوتوں' خونخوار وحشی کرنوں میں شکست کی لہروں کا ارتعاش کھڑا کرتے موت کے رقص لازوال اور زیست کی منزلوں کو خون آلود کرتی ولولہ انگیز بے مہابی کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

یوں دونوں لشکر ایک دوسرے کے خلاف بری طرح حرکت میں آئے۔ رزم گاہ میں بنجر دل' بے چہرگی پھیلنے لگی تھی۔ رگ و پے میں گھستی نفرت تشنگی کے اندھے طوفان' شور کرتے خونی لمحے اور وقت کے سیاہ اور ریاکار دکھ چار سو رقص کرنے لگے تھے۔ آنکھوں میں دکھ کے افسانے' اشکوں میں دکھ کے قصے تھے۔ ہونٹوں پر کرب خیز کپکپاہٹیں بجنے لگی تھیں۔ آوارہ ابتداء اور امتحان میں جذبوں کی محرومیاں' منزلوں کا درد اپنا رنگ دکھانے لگے تھے۔

بنگال کے باغی اور سرکش عثمان خان کو پہلے تو امید تھی کہ وہ یقیناً اپنی فتح مندی اور اپنی کامیابی کو یقینی بنا لے گا لیکن جب رستم خان نے اس کے لشکر کے ایک پہلو پر حملہ آور ہو کر اس کے پہلو کے ایک حصے کو بالکل ہی نا صرف بے ترتیب اور بے تنظیم کر دیا بلکہ اس حصے کی اکثریت کو اس نے کاٹ کر رکھ دیا۔ تب عثمان خان مایوس ہوا۔

جب پہلو کے لشکر کی تعداد بڑی تیزی سے کم ہونے لگی۔ تب اس سمت حملوں کے دباؤ کو روکنے کے لئے وسطی حصے سے کچھ لشکری اس سمت کو ہوئے تھے۔ اس سے وسطی حصے میں کمزوری کے آثار نمودار ہونا شروع ہوئے جس کی کمی کو پورا کرنے کے لئے دوسرے پہلو سے لشکری ادھر کیے گئے۔ اس طرح پورے لشکر میں ایک افراتفری اور بدنظمی سی پھیل گئی تھی۔ اسی سے اسلام خان' فرید خان اور رستم خان نے فائدہ اٹھایا۔ اپنے حملوں میں پہلے سے زیادہ تیزی پیدا کی اور یوں انہوں نے عثمان خان کو بدترین شکست دی۔ اس جنگ کے دوران عثمان خان

جو بغاوت کا سرغنہ تھا' مارا گیا۔ یوں بنگال میں اٹھنے والی یہ بغاوت اور سرکشی اپنے انجام کو پہنچی۔

شہنشاہ جہانگیر نے کیونکہ اسلام خان کو بنگال کا حاکم بنا کر بھیجا تھا۔ لہٰذا فرید خان اور رستم خان چند روز تک اس کے ساتھ قیام کر کے وہاں کے حالات درست کرتے رہے اور جب مقامی حالات کسی حد تک معمول کے مطابق آ گئے۔ تب فرید خان اور رستم خان دونوں باپ بیٹا واپس آگرہ کا رخ کر گئے تھے۔

✧ ✧ ✧

بنگال کے حالات درست ہونے اور دکن میں کسی قدر امن و امان ہونے کے بعد شہنشاہ جہانگیر آگرہ سے نکلا اور اس نے شورش زدہ علاقوں کا دورہ کرنے کا ارادہ کیا۔ وہ سب سے زیادہ متفکر بنگال کے حالات سے تھا۔ بنگال سے مطمئن ہو کر مؤرخین لکھتے ہیں کہ جہانگیر میواڑ کی طرف روانہ ہوا اور موسم خزاں میں جہانگیر شکار کھیلتا ہوا اس سمت بڑھا جو لشکر اس کے ساتھ تھا اس لشکر میں شاہی اور حرم کی بیگمات کے علاوہ سالاروں' امراء کے اہل خانہ بھی شامل تھے۔ اس مہم میں فرید خان اور رستم خان بھی شہنشاہ کے لشکر میں شامل تھے۔ اس سفر کے دوران شاہی حرم کی بیگمات نے دوسہرہ کے تہوار کا فائدہ اٹھاتے ہوئے جہانگیر اور اس کے بیٹے خسرو کے درمیان مصالحت کرانے کا فیصلہ کیا جو ان دنوں جنوبی علاقوں ہی میں قیام کیے ہوئے تھا۔ انہوں نے اہتمام کیا کہ باپ بیٹے کی ملاقات روزانہ کرائی جائے تاکہ دونوں میں صلح ہو جائے اور درباری سازشوں کا قلع قمع ہو جائے۔

اسی سفر کے دوران جہانگیر کو یہ اطلاع مخبروں نے دی کہ خسرو جہانگیر کو تخت و تاج سے محروم کرنے کے لئے سازش میں مصروف ہے اور خان اعظم یعنی خان جہاں بھی اس بغاوت میں شامل ہے۔ چنانچہ خان اعظم کو تو جہانگیر نے نور جہاں کے بھائی اور اپنے وزیر آصف خان کی نگرانی میں دے دیا اور حکم دیا کہ اسے گوالیار کے قلعے میں نظر بند کر دیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی جہانگیر نے اپنے بیٹے خسرو کے لئے یہ حکم دیا کہ خسرو آئندہ اس کے سامنے نہ آیا کرے۔ اس طرح جب خان اعظم کو گوالیار کے قلعے میں بند کر دیا گیا۔ تب خرم یعنی شاہجہاں کا راستہ تخت و تاج کی طرف کسی قدر واضح اور صاف ہو گیا۔ کچھ مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ "یہ خبر خرم نے ہی جہانگیر کو بھجوائی تھی کہ خسرو خان اعظم کے ساتھ مل کر جہانگیر کے خلاف بغاوت کرنے پر آمادہ ہے اور اسے تاج و تخت سے محروم کرنے کے بعد خسرو کو شہنشاہ بنانے کا

عزم رکھتا ہے۔"

جہانگیر ابھی میواڑ کی طرف جاتے ہوئے راستے ہی میں تھا کہ اسے اس کے مخبروں نے یہ بھی خبر دی کہ چونکہ جہانگیر نے اپنے سالار عبداللہ خان کو میواڑ سے گجرات کی طرف تبدیل کر دیا تھا۔ لہٰذا میواڑ کے راجہ نے اس کی غیر موجودگی میں پھر طاقت اور قوت پکڑ لی ہے اور آمادہ فساد اور سرکشی کا ارادہ رکھتا ہے۔ جہانگیر کو جب یہ خبر ملی' تب اس نے میواڑ کے راجہ امر سنگھ سے ایک بار پھر نپٹنے کا ارادہ کر لیا۔

چنانچہ ایک لشکر متعین کیا گیا جس میں فرید خان' رستم خان اور کچھ دوسرے سالار شامل تھے۔ وہ راجہ امر سنگھ کی طرف بڑھے۔ جہانگیر کے میواڑ پہنچنے تک اس لشکر نے میواڑ کے راجہ امر سنگھ کو اپنے سامنے زیر کر لیا۔ چنانچہ امر سنگھ بحالت مجبوری جہانگیر کی خدمت میں حاضر ہوا معافی کا خواستگار ہوا۔ جہانگیر نے اس پر کچھ شرطیں عائد کیں اور ان شرطوں کے عوض جہانگیر نے اسے معاف کر دیا۔ امر سنگھ نے وہ ساری شرطیں قبول کر لی تھیں۔

میواڑ کا معاملہ درست کرنے کے بعد جہانگیر اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ جنوب کی طرف بڑھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ہندوستان میں انگریزوں کا عمل دخل شروع ہوا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ "پہلی بار انگریزوں نے مغل دربار میں قدم رکھا اور کپتان ولیم ہاکنز شاہ انگلستان کے سفیر کی حیثیت سے جہانگیر کے دربار میں پہنچا۔ ہاکنز نے جہانگیر سے انگریزوں کے لئے تجارتی مراعات کی درخواست کی لیکن برطانوی ملاحوں کے نامناسب رویے کے باعث جس کا مظاہرہ وہ قبل ازیں کر چکے تھے' تجارتی مراعات دینے سے انکار کر دیا۔ تاہم بعد ازاں پرتگالیوں کی مخالفت کے باوجود یہ مراعات دے دی گئیں۔ جہانگیر نے نہ صرف ہاکنز سے شایانِ شان سلوک کیا بلکہ اسے چار سو کا منصب اور تین ہزار کی علامتی تنخواہ بھی دے دی' بعد ازاں جہانگیر اسے اکثر تقاریب میں مدعو کرتا رہا۔

شاہ انگلستان کے سرکاری نمائندے سر تھامس رو نے بھی جہانگیر کے دربار میں حاضری دی۔ اس کا مقصد بھی برطانوی تجارت کے لئے مزید مراعات حاصل کرنا تھا۔ سر تھامس رو دلکش شخصیت اور تدبر کا حامل ہونے کے علاوہ تجربہ کار شخص تھا۔

اس کا اصل مقصد مغلیہ سلطنت کے ساتھ تجارتی معاہدہ کرنا تھا۔ علاوہ ازیں پرتگالیوں کی مخالفت بھی اس معاہدے میں حائل تھی لیکن ان تمام مشکلات اور جہانگیر کے مسلسل انکار کے

باوجود سر تھامس رو اپنے مشن کے لئے مصروف عمل رہا۔

کیونکہ اس وقت جہانگیر کے ساتھ نور جہاں کا عروج تھا اور آصف خان کیونکہ نور جہاں کا بھائی تھا۔ لہٰذا آصف خان کو ہاتھ میں لیے بغیر یہ کام مشکل تھا۔ آصف خان اس وقت جہانگیر کا وزیر بھی تھا۔ اس سلسلے میں انگریز یہ بھی سوچتے تھے کہ شہزادہ خرم کو بھی ہاتھ میں لینا ضروری تھا۔

انگریز سفیر نے سب سے پہلے ایک نہایت قیمتی موتی آصف خان کے پاس نہایت معمولی قیمت پر فروخت کیا۔ اس کے بعد متعدد بیش قیمتی تحائف نور جہاں کو بھجوائے' اس طرح وہ ان دونوں کے دل جیتنے میں کامیاب ہو گیا۔

اس نے آصف خان کی وساطت سے شہزادہ خرم سے ملاقات کی۔ خرم نے اس سے وعدہ کیا کہ وہ اسے نا صرف بنگال کے لئے تجارت کرنے کے حقوق بلکہ وہاں کی کمان بھی دلوائے گا۔ یہ بھی خیال تھا کہ شہزادہ خرم گجرات کا چارج لینے کے بعد سورت کی بندرگاہ انگریزوں کے حوالے کر دے گا۔

اس دوران پرتگالیوں کی طرف سے شدید مخالفت کا سلسلہ جاری رہا۔ تھامس رو نے معاہدے کا جو مسودہ پیش کیا وہ مسترد کر دیا گیا۔

کافی تاخیر کے بعد جو فرمان جاری ہوا' اس کے تحت انگریزوں کو کچھ تجارتی مراعات دے دی گئیں۔ بہرحال شروع میں شہزادہ خرم کا برطانوی تاجروں کے ساتھ رویہ نہایت دوستانہ رہا۔ وہ انگریز تاجروں کو پرتگالیوں کے حملے سے بھی باخبر رکھتا تھا۔ انہیں یقین دلایا کہ انگریزوں پر پرتگالیوں کے حملے کی صورت میں مقامی گورنر کشتیوں اور دیگر متعلقہ سامان سے انگریزوں کی بھرپور اعانت کرے گا۔

انگریز آزادی کے ساتھ تجارت کرنے لگے۔ انہیں محصول کی ادائیگی سے بھی نجات مل گئی۔ بندرگاہ میں آنے والی غیر ملکی اشیاء کو ڈیوٹی سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا اور انگریز تاجروں کو اجازت دے دی گئی کہ وہ جو مقام چاہیں کارخانے قائم کرنے کے لئے حاصل کر لیں۔

علاوہ ازیں انہیں اپنے علاقے میں نا صرف اپنی حکومت قائم کرنے کا اختیار دیا گیا بلکہ یہ وعدہ بھی کیا گیا کہ کسی انگریز کو مغلیہ حکومت میں پناہ نہ دی جائے گی۔ خواہ اس نے اسلام ہی قبول کر لیا ہو۔ اس کے باوجود مغل حکومت انگریزوں کی نیت کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھتی رہی۔

اسی وجہ سے انگریزوں کو مستقل طور پر کوئی مکان تعمیر کرنے یا خریدنے کی اجازت نہ دی گئی۔ انگریزوں پر یہ پابندی بھی عائد کی گئی کہ ان کی مخصوص تعداد شہر میں اسلحہ لے کر داخل ہو سکتی تھی۔ تھامس رو نے اس پر اعتراض کیا۔ لہٰذا بعد ازاں یہ پابندی بھی ختم کر دی گئی۔

انگریزوں کو ذاتی مراعات دینے کے سلسلے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ گو شہزادہ خرم انگریزوں کے حق میں تھا لیکن اس نے صرف یہ اجازت دی تھی کہ انگریز ایک ماہ کے لئے تجارت کر سکیں گے۔ لیکن ان کے لئے رہائش کا کوئی انتظام نہ ہوگا' جبکہ پرتگالیوں کے ساتھ معاہدے کی شرائط میں شق شامل تھی کہ انگریزوں کو قطعی طور پر بے دخل کر دیا جائے گا۔

بہرحال تھامس رو نے مسلسل تین سال تک تجارتی معاہدہ کرنے کی غرض سے دربار جہانگیری میں حاضری دی۔ وہ اجمیر مانڈو اور احمد آباد میں جہانگیر کے ساتھ ساتھ منتقل ہوتا رہا۔ گو جہانگیر تجارتی اجازت نامہ دینے کے حق میں نہ تھا لیکن شہزادہ خرم اور آصف خان تھامس رو کے حق میں تھے' چنانچہ تھامس رو نے خرم اور آصف خان پر تحائف کی بوچھاڑ کر دی۔ حتیٰ کہ ستمبر کے مہینے میں وہ شہزادہ خرم سے اجازت نامہ حاصل کرنے میں جزوی طور پر کامیاب ہو گیا۔

تھامس رو نے دربار شاہی کے بارے میں بہت کچھ سپرد قلم کیا۔ وہ نور جہاں کے بارے میں وثوق کے ساتھ کچھ نہ کہہ سکا' کیونکہ اسے نور جہاں کو دیکھنے کا موقع ہی نہ ملا۔ تھامس رو نے شاہی دعوتوں' محفلوں اور رنگین راتوں کا نقشہ کھینچا اور دوسری طرف مقامی انتظامیہ کی بدعنوانیوں' بڑی شاہراہوں پر وارداتوں اور کسانوں کی زبوں حالی کی تصویر بھی پیش کی۔

تھامس رو لکھتا ہے۔

"مملکت کا بڑے سے بڑا افسر بھی بدعنوان ہے۔ ملک میں کوئی تحریری قانون موجود نہیں بلکہ بادشاہ کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ قانون ہوتا ہے۔ ملک صوبوں میں تقسیم ہے لیکن صوبوں میں براہ راست شاہی نگرانی کے فقدان کے باعث صوبے کے گورنر مطلق العنان ہیں۔ قانون کے مطابق شہنشاہ ہر شخص کا وارث ہے اور ہر امیر کی وفات کے بعد اس کی جائیداد پر بادشاہ کا حق تسلیم کیا جاتا ہے' جو لوگ بادشاہ کے قریب ہیں۔ وہ چاپلوسی کے ذریعے امتیازی مقام حاصل کر لیتے ہیں۔"

تھامس رو مزید لکھتا ہے کہ "جہانگیر ایک ہنس مکھ انسان ہے جس میں غرور اور تکبر قطعاً موجود نہیں۔ دربار میں جس گرمجوشی کے ساتھ میرا استقبال کیا گیا۔ کسی ترکی یا ایرانی سفیر کو بھی یہ گرمجوشی نصیب نہ ہوئی۔"

"بادشاہ رات کو مے نوشی کرتا ہے اور جب اس پر نشہ غالب آ جاتا ہے تو شمعیں گل کر دی جاتی ہیں۔ درباری گھروں کو لوٹ جاتے ہیں اور ہر طرف سکوت طاری ہو جاتا ہے۔ ایک بار مجھے بھی شراب پیش کی گئی لیکن وہ اتنی سخت تھی کہ مجھے چھینکیں آنے لگیں۔ میری یہ حالت دیکھ کر بادشاہ نے ہنستے ہوئے وجہ دریافت کی تو میں کچھ نہ بتا سکا۔"

بہرحال جہانگیر نے اپنے جنوبی علاقوں کا دورہ کیا اور اس دورے میں انگریز جو تجارتی مراعات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ وہ اس کے ساتھ ساتھ تھے۔ اسی عرصے کے دوران مملکت میں طاعون کی وباء بھی پھیل اٹھی تھی۔

جہانگیر اس وباء سے متعلق مختصر یہ لکھتا ہے کہ۔

"لوگوں کی بغلوں یا حلق کے نیچے غدود پیدا ہو جاتے ہیں اور پھر وہ مر جاتے ہیں۔"

ایک اور شخص خان کے مطابق "یہ وباء سب سے پہلے پنجاب سے شروع ہوئی' پھر سرہند میں پھیلی اور اس کے بعد دلی تک سارے دوآبہ میں بستی بستی پھیل گئی۔"

معتمد خان نے اس وباء کے بارے میں کچھ اس طرح لکھا ہے۔

"جب یہ وباء پھیلنے والی ہوتی تو کوئی چوہا اپنے بل سے باہر آتا اور دروازوں' دیواروں وغیرہ سے پاگلوں کی طرح اپنا آپ پٹختا' اس کے بعد مر جاتا۔ اگر گھر کے مکین فوراً آبادی چھوڑ کر کسی ویرانے کا رخ کر لیتے تو ان کی جان بچ جاتی' ورنہ پوری بستی موت کے منہ میں چلی جاتی تھی۔"

اگر کوئی شخص اس وباء سے مرنے والے کو چھو لیتا حتیٰ کہ اس کے لباس کو بھی مس کرتا تو اس پر بھی اس مہلک بیماری کا حملہ ہو جاتا تھا۔ اس وباء کا زیادہ اثر مسلمانوں کے مقابلے میں ہندوؤں پر ہوا۔"

لاہور میں اس وباء کے اثرات اتنے شدید تھے کہ ایک ایک گھر کے دس سے بیس افراد مر جاتے اور ان کے پڑوسیوں کو تمام سامان کے ساتھ گھر بار چھوڑ دینا پڑتا۔

علاوہ ازیں مردوں کو گھروں میں ہی چھوڑ دیا جاتا تھا کیونکہ کوئی شخص بھی اپنی جان کے

خوف سے اس کے قریب نہ جاتا۔ کشمیر میں بھی اس وباء نے اپنا آپ دکھایا۔ وہاں ایک ایسا شخص دوسرے دن ہی چل بسا جس نے اس وباء کے مرنے والے ایک شخص کو غسل دیا تھا۔

حتیٰ کہ جس گھاس پر ان لوگوں کو غسل دیا گیا وہ گھاس چرنے سے ایک گائے بھی ہلاک ہوگئی۔ اس کے بعد جن کتوں نے اس گائے کا گوشت کھایا وہ بھی موقع پر ہی مرگئے۔ غرض کہ برصغیر میں شاید ہی کوئی ایسی جگہ ہو جو اس مہلک وباء سے قریباً آٹھ سال تک محفوظ رہی ہو۔

مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ آگرہ شہر کو بھی اس وباء نے ہلا کر رکھ دیا۔ آگرہ شہر میں ان دنوں اموات کی شرح تقریباً ایک سو تھی۔ چنانچہ ہزاروں افراد لقمہ اجل بن گئے کیونکہ اس وقت تک اس وباء کا مؤثر علاج دریافت نہ ہوا تھا۔ لہٰذا اس کا دائرہ کسی رکاوٹ کے بغیر وسیع ہوتا گیا۔ اسی بناء پر جہانگیر کو بھی فتح پور سیکری ہی میں قیام کرنا پڑا۔

طاعون کی اس وباء کے علاوہ مغلوں کی سلطنت میں ایک اور وباء بھی پھیلنا شروع ہوئی تھی اور وہ وباء نورجہاں کی وجہ سے تھی۔ دراصل نورجہاں یہ چاہتی تھی کہ جہانگیر اور اس کے بعد مملکت کی کرتا دھرتا اس کی بیٹی لاڈلی بیگم ہو۔ اس مقصد کے لئے سب سے پہلے اس نے شہزادہ خرم یعنی شاہجہاں پر ڈورے ڈالنے شروع کیے۔ وہ چاہتی تھی کہ خرم کے ساتھ اس کی بیٹی لاڈلی بیگم کی شادی ہو جائے اور جہانگیر کے بعد یقیناً جب شہزادہ خرم شہنشاہ بنے گا تو جس طرح جہانگیر کے دور میں مملکت کے پورے حالات پر نورجہاں خود چھائی ہوئی ہے۔ اسی طرح جہانگیر کے بعد شاہجہاں کی بیوی کی حیثیت سے اس کی بیٹی لاڈلی بیگم مملکت کے امور پر چھائی رہے گی۔

کیونکہ شہزادہ خرم یعنی شاہجہاں نے اس شادی سے صاف انکار کر دیا تھا۔ چونکہ وہ نورجہاں کے بھائی آصف خان کی بیٹی ارجمند بانو کو پسند کرتا تھا۔ اس بناء پر اس نے نورجہاں کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور بعد میں اس نے ارجمند بانو سے شادی بھی کر لی چنانچہ نورجہاں اب شہزادہ خرم کی بدترین دشمن ہوگئی تھی اور اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ کسی بھی صورت جہانگیر کے بعد خرم کو تخت وتاج کا مالک نہیں بننے دے گی۔

اس کے بعد نورجہاں نے دوسری کوشش یہ کی کہ اپنی بیٹی کی شادی کے سلسلے میں اس نے خسرو کو پیشکش کی۔ خسرو کیونکہ اپنی بیوی سے بہت محبت کرتا تھا۔ اس کی شادی پہلے ہی ہو چکی تھی۔ لہٰذا اس نے بھی نورجہاں کی بیٹی سے شادی کرنے سے انکار کر دیا۔ یوں نورجہاں

سیاست کے تانے بانے بننے لگی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ کوئی ایسا معاملہ کرے کہ جس طرح جہانگیر کے دور میں مملکت پر پوری طرح اس کی گرفت ہے‘ اسی طرح جہانگیر کے بعد بھی اپنی بیٹی لاڈلی بیگم کے ذریعے مملکت پر اس کی گرفت قائم اور دائم رہے۔ اس کے علاوہ جہانگیر کے ہاتھوں انگریزوں کو مراعات دلانے میں نورجہاں کے بھائی آصف خان کے علاوہ نورجہاں کا بھی ہاتھ تھا۔ اس لئے کہ انگریز دونوں بہن بھائی کو قیمتی تحائف سے نوازتے رہے اور مراعات حاصل کرتے رہے۔ نورجہاں اور آصف خان ہی کی وجہ سے مؤرخین جہانگیر کے عہد میں انگریزوں کی آمد پر تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

”جہانگیر کے عہد کا بڑا واقعہ جس کا ہندوستان کی تاریخ سے بہت گہرا اور دوررس تعلق ہے۔ وہ کچھ اس طرح کہ اس عہد میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی بنیاد پڑی۔“

مؤرخین مزید لکھتے ہیں کہ اس کی روداد یہ ہے کہ سن سولہ سو پندرہ میں انگلستان کے بادشاہ جیمز اول کی طرف سے سرتھامس اور حکومت فرہنگ کی طرف سے دربار جہانگیری کے سفیر کی حیثیت سے ہندوستان آیا اور اس نے اس درجہ تقرب حاصل کر لیا کہ جب جہانگیر جنوبی ہندوستان کی طرف گیا تو دوسرے بڑے بڑے اہل دربار کے ساتھ یہ بھی شامل تھا۔

چنانچہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی بنیاد ہندوستان میں سن سولہ سو میں پڑی۔ اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ ہندوستان اور انگلستان کے درمیان تجارتی تعلقات کو زیادہ سے زیادہ وسیع اور مضبوط کیا جائے۔

شروع شروع میں کمپنی کو پرتگالیوں کی وجہ سے جو تجارت میں انگریزوں کے حریف تھے‘ بڑی دقتوں اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ یہاں تک کئی مرتبہ نوبت جنگ کی بھی آئی۔ لیکن آخر کار انگریزوں کو کامیابی ہوئی اور انہوں نے پرتگالیوں کو بری طرح شکست دے کر مار بھگایا۔

انگریزوں کی اس جیت سے ہندوستانیوں اور خود بادشاہ کی نظر میں ان کا وقار دوچند ہو گیا اور اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ جہانگیر نے اپنے ایک فرمان مورخہ گیارہ جنوری سولہ سو تیرہ کی رو سے کمپنی کو اس کی اجازت دے دی کہ وہ سورت احمد آباد اور میں اپنے لئے تجارتی مرکز بنائے۔ دو سال بعد پرتگالیوں نے پھر کوشش کی لیکن اس مرتبہ بھی ان کو شکست فاش ہوئی۔ اب وہ ہندوستان سے بالکل مایوس ہوگئے۔ انگریزوں اور پرتگالیوں کی ان لڑائیوں سے کمپنی کو

تجارتی اعتبار سے کافی نقصان پہنچا تھا۔ لیکن تھامس رو نے اپنی دانش مندی اور ہوشیاری سے جلد ہی کمپنی کو ازسرنو منظم کر کے اسے مضبوط بنیادوں پر قائم کر دیا اور دربار میں اپنے غیر معمولی اثرورسوخ کے باعث وہ کمپنی کے لئے زیادہ سے زیادہ مراعات حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ چنانچہ جہانگیر کے بعد ان لوگوں کو مغل سلطنت کے تمام علاقوں میں تجارت کرنے کی آزادی مل گئی اور اس طرح ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستان میں پاؤں جمانے میں کامیاب ہوگئی اور ان کے یہی قدم انگریزوں کے ہندوستان پر حکومت کرنے کا پیش خیمہ بن گئے۔ بہرحال نور جہاں کیونکہ شہزادہ خرم یعنی شاہجہان کی بدترین دشمن ہو چکی تھی۔ لہٰذا اب وہ ہر معاملے میں جس معاملے میں خرم کا کوئی مفاد ہو' جہانگیر کے ذریعے اس کی مخالفت کرنے لگی تھی۔

✧ ✧ ✧

جنوبی ہندوستان کی مہم سے فرید خان اور رستم خان دونوں باپ بیٹے کو آئے ہوئے کئی دن ہو چکے تھے۔ ایک روز شہزادہ خرم کی طلبی پر رستم خان اس کی طرف گیا ہوا تھا جبکہ فرید خان اپنی خواب گاہ میں لیٹا ہوا تھا۔ جہاں آراء اور نسیمہ خاتون دونوں ماں بیٹی گھریلو کاموں میں الجھی ہوئی تھیں کہ دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

نسیمہ خاتون جو اس وقت گھر کے کام کاج میں الجھی ہوئی تھی۔ وہ اٹھی' جب دروازہ اس نے کھولا تو دروازے پر ادھیڑ عمر کی ایک خاتون کھڑی تھی۔ نسیمہ خاتون کو دیکھتے ہی اس نے پوچھ لیا۔

''کیا یہ فرید خان اور رستم خان کی حویلی ہے۔''

نسیمہ خاتون نے پہلے حیرت اور اچنبھے پن سے اس کی طرف دیکھا پھر ایک طرف ہٹ کر کھڑی ہوگئی۔ کہنے لگی۔

''یقیناً یہ حویلی محترم فرید خان ہی کی ہے۔''

اس پر وہ عورت اندر داخل ہوئی اور کہنے لگی۔

''میں محترم فرید خان سے ایک انتہائی اہم موضوع پر گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔ مجھے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس گھر میں صرف وہ اور ان کا بیٹا رہتے ہیں اور ساتھ میں دو خاتون ہیں۔ ایک کا نام جہاں آراء' دوسری کا نسیمہ خاتون ہے' جس طرح مجھے بتایا گیا ہے اس کے مطابق پھر آپ جہاں آراء کی بیٹی نسیمہ خاتون ہو سکتی ہیں۔''

اس پر نسیمہ نے اثبات میں گردن ہلائی' کہنے لگی۔

''تمہارا اندازہ درست ہے۔ فرید خان اس وقت اپنی خواب گاہ میں ہے۔ تم دیوان خانے میں بیٹھو میں انہیں وہیں بھیجتی ہوں۔''

اس کے ساتھ ہی نسیمہ خاتون اس عورت کو اندر لے گئی۔ اس کو دیوان خانے میں بٹھایا پھر اندرونی حصے کی طرف گئی اور حویلی کے ایک دروازے پر اس نے ہلکی سی دستک دی تھی۔

اندر سے فرید خان کی آواز آئی' آواز بھی مسکراتی ہوئی تھی' کہنے لگا۔

''نسیمہ میری بیٹی میں تمہاری دستک کو پہچانتا ہوں' کیا بات ہے۔''

اس پر نسیمہ خاتون نے دروازے کی طرف منہ لگاتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

''بابا بات یہ ہے کہ ایک خاتون آپ سے ملنے کے لئے آئی ہے۔ میں نے اسے دیوان خانے میں بٹھایا ہے۔ آپ اس سے مل لیں۔''

تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا' فرید خان باہر نکلا۔ اس موقع پر جہاں آراء بھی نسیمہ خاتون کے پاس آن کھڑی ہوئی تھی۔ پھر فرید خان نے دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ لیا۔

''کون خاتون ہے جو مجھ سے ملنے کے لئے آئی ہے۔''

اس پر نسیمہ خاتون کہنے لگی۔

''بابا میں تو اسے پہچانتی نہیں ہوں۔ میں نے اسے دیوان خانے میں بٹھایا ہے۔ آپ خود ہی اس سے مل لیں' ہوسکتا ہے آپ کی کوئی جاننے والی ہو۔''

اس پر اپنے سر پر اپنا عمامہ درست کرتے ہوئے فرید خان دیوان خانے کی طرف بڑھا' جب دیوان خانے میں داخل ہوا تو وہاں ڈھلی ہوئی عمر کی ایک خاتون بیٹھی ہوئی تھی۔ اپنے پیچھے پیچھے فرید خان نے جہاں آراء اور نسیمہ خاتون کو بھی وہیں بلا لیا تھا۔

چنانچہ اس خاتون کے ایک طرف فرید خان بیٹھ گیا۔ اس کے سامنے جہاں آراء' نسیمہ خاتون ہو بیٹھی تھیں۔ پھر گفتگو کا آغاز فرید خان نے کیا اور اس خاتون کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''خاتون اپنی حویلی میں سب سے پہلے میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں' ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہوں کہ میں نے تمہیں پہچانا نہیں۔ ذرا اپنا تعارف کراؤ تاکہ میں جانوں تم کون ہو؟ اور ساتھ آنے کی وجہ بھی بیان کرو۔''

فرید خان جب خاموش ہوا' تب وہ خاتون کہنے لگی۔

"آپ کا اندازہ درست ہے۔ آپ اس سے پہلے مجھے نہیں جانتے۔ دراصل میں آگرہ کے ایک ساہوکار کے ہاں ملازمہ ہوں۔ اپنی دولت' اپنی عزت اور عظمت کے لحاظ سے وہ ساہوکار آگرہ کے چند سرکردہ لوگوں میں سے ایک ہے' نام اس کا مالدیو ہے' ہوسکتا ہے آپ نے اس کا نام سن رکھا ہو۔ وہ گھر کے تین ہی افراد ہیں' ایک ساہوکار مالدیو خود' دوسری اس کی بیوی درگا دیوی اور تیسری ان دونوں کی بیٹی رتن کماری' میں مالدیو کی بیٹی رتن کماری کا رشتہ آپ کے بیٹے رستم خان کے لئے لے کر آئی ہو۔ فرید خان میں سمجھتی ہوں کہ یہ آپ اور آپ کے بیٹے کی خوش قسمتی ہے کہ مالدیو بیٹی والا ہو کر آپ کو اپنی بیٹی کے رشتے کی پیشکش کر رہا ہے۔ اگر آپ اس رشتے کو قبول کرتے ہیں تو آپ کے بیٹے کی ساری زندگی آسائش اور آرام میں گزر جائے گی اور مالدیو کی وجہ سے اس کا شمار آگرہ کے صاحب ثروت لوگوں میں ہونے لگے گا۔" یہاں تک کہنے کے بعد وہ عورت جب خاموش ہوئی' تب کچھ دیر فرید خان گہری سوچوں میں ڈوبا رہا پھر اس عورت کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"خاتون تمہارا کہنا درست ہے۔ مالدیو کا نام ایک ساہوکار کی حیثیت سے اس سے پہلے میں نے سن رکھا ہے۔ اس کی دولت اس کی ثروت کے بھی بڑے چرچے ہیں۔ پر دیکھ خاتون یہ رشتہ میرے بیٹے رستم خان کی مرضی سے ہی ہوسکتا ہے۔ وہ اس وقت گھر پر نہیں ہے۔ اسے شہزادہ خرم نے کسی اہم کام کے سلسلے میں بلایا ہے۔ جب تک میں اس سے مشورہ نہ کرلوں' اس وقت تک اس رشتے کے لئے میں ہاں کرسکتا ہوں' نہ انکار۔ واپس جا کر میری طرف سے ساہوکار مالدیو کا شکریہ ادا کرنا۔ اس سے کہنا کہ فرید خان تمہارا شکر گزار اور ممنون ہے کہ تم نے اپنی بیٹی رتن کماری کا رشتہ میرے بیٹے رستم خان کے لئے پیش کیا۔ اس سلسلے مین سب سے پہلے میں اپنے بیٹے سے مشورہ کروں گا۔ پھر تم لوگوں کو کسی آخری فیصلے سے آگاہ کروں گا۔"

فرید خان جب خاموش ہوا' تب بات کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ عورت کہنے لگی۔

"رستم خان سے رشتہ صرف ساہوکار مالدیو اور اس کی بیوی درگا دیوی ہی کی خواہش نہیں ہے' بلکہ یہ ان کی بیٹی رتن کماری کی سب سے بڑی خواہش ہے۔ رتن کماری نے پہلی بار آپ کے بیٹے رستم خان کو اس وقت دیکھا تھا جب رستم خان امبر کے راجہ جگن کے ساتھ بیکانیر کے راجہ رائے سنگھ کی بغاوت کو فرو کر کے واپس آیا تھا۔ واپسی پر جب لشکر کا استقبال کیا گیا تو رتن کماری بھی استقبال کرنے والی لڑکیوں میں شامل تھی۔ پہلی بار رتن کماری نے آپ کے بیٹے

رستم خان کو دیکھا اور رستم خان اس کی چاہت' اس کی پسندیدگی کا مرکز بن گیا۔ اس کے بعد رتن کماری کی یہ چاہت آگے بڑھتی رہی۔ یہاں تک کہ اس نے اس کا انکشاف اپنے باپ مالدیو اور ماں درگا دیوی پر بھی کر دیا۔ چونکہ وہ اپنے ماں باپ کی واحد اولاد ہے۔ لہٰذا مالدیو اور درگا دیوی اس کی کسی بات کو ٹالتے نہیں ہیں۔ اس کی بناء پر انہوں نے مجھے آپ لوگوں کی طرف بھیجا' تاکہ آپ کے بیٹے کے لئے رتن کماری کے رشتے کی پیشکش کی جائے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد وہ عورت رکی' پھر کہنے لگی۔

"آپ اس سلسلے میں اپنے بیٹے رستم خان سے بات کرلیں۔ پھر آپ مالدیو کے ہاں آئیں۔ دونوں باپ بیٹا اور ساتھ ہی جہاں آراء' نسیمہ خاتون کو بھی لے کر آئیں۔ چاروں ان سے ملیں۔ رتن کماری کو بھی دیکھیں۔ میں آپ کو پہلے بتائے دیتی ہوں کہ وہ خوب دراز قد اور اعلیٰ شخصیت کی لڑکی ہے۔ آگرہ شہر میں بہت کم لڑکیاں اس جیسی خوبصورت اور اعلیٰ شخصیت کی مالک ہوں گی۔"

اس موقع پر جہاں آراء نے تیز نگاہوں سے اپنی بیٹی نسیمہ خاتون کی طرف دیکھا۔ اس پر نسیمہ خاتون اپنی جگہ سے اٹھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوئی خشک کے علاوہ تازہ پھلوں اور کچھ دیگر چیزوں کا طشت اس نے اس عورت کے سامنے رکھ دیا۔ اس پر نسیمہ خاتون کا اس عورت نے شکریہ ادا کیا' کہنے لگی۔

"اس وقت تو میں کچھ نہیں لوں گی' جب یہ رشتہ طے ہو جائے' تب جو بھی تواضع آپ لوگ کریں گے' اسے ہم دل و جان سے قبول کریں گے۔ اس کے ساتھ ہی وہ عورت اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی اور کہنے لگی۔

"اب مجھے جانے کی اجازت دیں' ساتھ ہی میری آپ سے یہ بھی التماس ہے کہ اپنے بیٹے رستم خان سے بات کریں۔ اس کے بعد آپ چاروں مالدیو کی حویلی میں آئیں تاکہ بات کو آگے بڑھایا جائے۔" پھر فرید خان سے اجازت لے کر وہ عورت وہاں سے چلی گئی تھی۔

اس عورت کے جانے کے بعد دیوان خانے میں تھوڑی دیر تک خاموشی طاری رہی۔ پھر گفتگو کا آغاز جہاں آراء نے کیا' کہنے لگی۔

"بھائی رشتہ تو بہت اچھا ہے۔ مالدیو کا نام میں اور میری بیٹی نسیمہ خاتون نے سن رکھا

ہے۔ آگرہ شہر میں چند ایک لوگ ہی ہیں جو مال ثروت میں ساہوکار مالدیو کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اگر اس کی بیٹی کا رشتہ رستم خان کے لئے مل جاتا ہے تو میں سمجھتی ہوں کہ یہ ہماری خوش قسمتی ہے۔ اس رشتے کے بعد رتن کماری یقیناً اسلام قبول کرے گی اور پھر یہ سب کچھ رتن کماری کی خواہش پر ہو رہا ہے۔ اس لئے کہ رتن کماری رستم خان کو پسند کرتی ہے۔“

جہاں آراء جب خاموش ہوئی' تب کچھ دیر سوچنے کے بعد فرید خان کہنے لگا۔

”جہاں آراء میری بہن تمہارا کہنا بالکل درست ہے۔ اس سلسلے میں ایک پیچیدگی بھی ہے۔“

”کیسی پیچیدگی“ اس بار نسیمہ بیگم نے غور سے فرید خان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ لیا تھا۔ جواب میں فرید خان غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”نسیمہ میری بیٹی پیچیدگی یہ ہے کہ امبر کے راجہ جگن ناتھ کے ساتھ ہمارے بہت اچھے بلکہ بہترین تعلقات ہیں۔ میں نے زندگی میں ایک بار راجہ جگن ناتھ پر احسان کیا تھا جس کی بناء پر وہ میرا وفادار' میرا ممنون چلا آ رہا ہے۔ اس کے اہل خانہ کا سلوک بھی ہم دونوں باپ بیٹے سے بہت اچھا ہے۔ بیٹی تم جانتی ہو جگن ناتھ کی بھی دو بیٹیاں ہیں مالتی اور سمترا' مالتی کا رشتہ تو جگن ناتھ نے لاہور کے ایک شخص سعادت خان کے بیٹے سے طے کر دیا ہے۔ میرے خیال میں کوئی مناسب موقع دیکھ کر وہ مالتی کی سگائی بھی کر دیں گے۔ شادی وہ شاید چند برس بعد کریں۔ اس لئے کہ مالتی کی عمر ابھی کوئی اتنی بڑی بھی نہیں ہے۔“

”مالتی کی چھوٹی بہن اور جگن ناتھ کی چھوٹی بیٹی سمترا کو تم دونوں ماں بیٹی نے بھی دیکھ رکھا ہے۔ میرا اپنا اندازہ ہے کہ سمترا جیسی خوبصورت دراز قد اور پرکشش لڑکیاں بہت کم ہوں گی اور پھر جگن ناتھ یہ چاہتا ہے کہ اس کی دو بیٹیوں میں سے کسی ایک کا رشتہ میرے بیٹے رستم خان کے ساتھ ہو جائے۔ اب مالتی کا رشتہ تو طے ہو گیا۔ اب باقی سمترا رہتی ہے اور سمترا مالتی سے بھی کہیں زیادہ خوبصورت اور پرکشش ہے۔ راجہ جگن ناتھ خود اس رشتے کی بات نہیں کرنا چاہتا۔ اس کی خواہش یہ ہے کہ جب رستم خان اور سمترا آپس میں ملتے رہیں گے۔ اگر ان دونوں کے مزاج' ان دونوں کی طبیعت آپس میں ملتی ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے کی طرف جھکتے ہیں تو پھر انہیں شادی کے بندھن میں باندھ دیا جائے گا اور اگر وہ ایک دوسرے کو پسند نہیں کرتے یا ایک دوسرے کی زندگی کا ساتھی بننے کا کوئی فیصلہ نہیں کرتے تو پھر اس بات کو

آگے نہیں بڑھایا جائے گا۔ اگر ایسا ہو گا تو پھر مالدیو کی بیٹی رتن کماری کے متعلق بھی سوچا جائے گا۔“

یہاں تک کہتے کہتے فرید خان خاموش ہو گیا۔ مالدیو کی ملازمہ کے جانے کی وجہ سے کیونکہ حویلی کا بیرونی دروازہ کھلا تھا۔ لہٰذا دروازے سے رستم خان داخل ہوا تھا۔ سیدھا دیوان خانے کی طرف آیا اور جب اس نے دیکھا کہ دیوان خانے میں اس کا باپ جہاں آراء اور نسیمہ خاتون اکٹھے بیٹھے ہوئے ہیں۔ تب لمحہ بھر کے لئے وہ دروازے پر رکا پھر آگے بڑھ کر اپنے باپ کے پہلو میں بیٹھ گیا' ساتھ ہی غور سے فرید خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”بابا لگتا ہے میری آمد سے پہلے آپ تینوں یہاں اکٹھے بیٹھ کر کسی انتہائی اہم موضوع پر گفتگو کر رہے تھے۔“

رستم خان کے ان الفاظ کے جواب میں فرید خان کے چہرے پر گہری مسکراہٹ نمودار ہوئی' کہنے لگا۔

”بیٹے تیرا اندازہ یقیناً درست ہے۔ بس یوں جانو' تمہاری آمد سے پہلے ہم تمہارے متعلق ہی گفتگو کر رہے تھے۔“

”میرے متعلق' چونک جانے کے انداز میں رستم خان نے پوچھ لیا تھا۔“

اس پر فرید خان کھل کر ہنس دیا' کہنے لگا۔

”اس میں پریشان اور فکر مند ہونے کی کون سی بات ہے۔ یقیناً ہم تمہارے متعلق ہی گفتگو کر رہے تھے۔ دیکھ بیٹے تھوڑی دیر پہلے ایک خاتون آئی تھی۔ اسے آگرہ کے ساہوکار مالدیو نے بھیجا تھا۔ وہ مالدیو کے ہاں ملازمہ ہے۔ وہ مالدیو کی بیٹی رتن کماری کا رشتہ تمہارے لئے لے کر آئی تھی۔ بچے میں کوئی بات تم سے چھپاؤں گا نہیں' جس وقت تم اور راجہ جگن ناتھ بیکانیر کے راجہ رائے سنگھ کی سرکوبی کے لئے گئے تھے اور اس مہم سے تم دونوں فاتح کی حیثیت سے لوٹے تھے اور تمہارے لشکر کا استقبال کیا گیا تھا تو اس استقبال کے دوران ساہوکار مالدیو کی بیٹی رتن کماری نے پہلی بار تمہیں دیکھا۔ اس عورت کے بقول رتن کماری نے تمہیں پسند کیا اور تمہیں چاہنے لگی اور وہ عورت یہ بھی کہہ رہی تھی کہ رتن کماری کی یہ چاہت بڑھتی گئی۔ آخر اپنی چاہت کا اظہار اس نے اپنے باپ مالدیو اور اپنی ماں درگا دیوی سے بھی کر دیا۔ وہ کیونکہ ان کی واحد اولاد ہے۔ مالدیو کا کوئی بیٹا نہیں ہے۔ بس ایک ہی بیٹی رتن کماری ہے اور دونوں

میاں بیوی رتن کماری کی کوئی بات ٹالتے بھی نہیں ہیں۔ اس بناء پر انہوں نے اپنی ملازمہ کو بھیجا اور تمہارے لئے رتن کماری کے رشتے کی پیشکش کی۔"

یہاں تک کہنے کے بعد فرید خان جب خاموش ہوا' تب غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے رستم خان نے پوچھ لیا۔

"بابا اس پیشکش کے جواب میں آپ نے کیا جواب دیا؟"

فرید خان کہنے لگا۔ "بیٹے میں نے کیا جواب دینا تھا۔ میں نے تو اسے یہ کہا کہ اس وقت میرا بیٹا رستم خان گھر پر نہیں ہے۔ اسے شہزادہ خرم نے کسی اہم کام کے سلسلے میں بلایا ہے۔ وہ واپس آتا ہے تو اس سلسلے میں میں اس سے بات کروں گا اور جو اس کا جواب ہو گا' وہ تم تک پہنچا دیا جائے گا۔"

اپنے باپ کی اس گفتگو کے جواب میں تھوڑی دیر تک رستم خان گہری سوچوں میں ڈوبا رہا۔ پھر سر کو جھٹکتے ہوئے کہنے لگا۔

"بابا فی الحال آپ میری شادی کے مسئلے کو التوا میں رکھیں۔ اس پر کوئی بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس سلسلے میں خود آپ کو بتاؤں گا' پھر بات کو آگے بڑھائیں گے۔"

اپنے بیٹے کے ان الفاظ پر فرید خان کے علاوہ جہاں آراء اور نسیمہ خاتون بھی مطمئن ہو گئی تھیں۔ پھر فرید خان نے غور سے رستم خان کی طرف دیکھا' کہنے لگا۔

"بیٹے تمہیں شہزادہ خرم نے بلایا تھا۔ خیریت تو ہے' کیا کوئی اہم معاملہ تھا۔"

اس پر رستم خان سنجیدہ ہو گیا اور اپنے باپ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"بابا سلطنت کے اندر یوں سمجھو محلاتی سازشیں بڑی تیزی سے زور اور قوت پکڑنے لگی ہیں' چونکہ نور جہاں نے اپنی بیٹی لاڈلی بیگم کے رشتے کی پیشکش خرم کے لئے کی تھی' خرم نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد اس کی شادی نور جہاں کی بھتیجی' اس کے بھائی آصف خان کی بیٹی ارجمند بانو سے ہو گئی۔ تب سے نور جہاں ایک طرح سے شہزادہ خرم کے خلاف ہو چکی ہے۔ آج جو شہزادہ خرم نے بلایا تو اس نے بڑی رازداری سے اکیلے میں مجھ سے گفتگو کی۔ اس کا کہنا تھا کہ بابا آپ کیونکہ ایک طرح سے اس کے سرپرست رہے ہیں۔ اس کی طرف داری کرتے رہے ہیں۔ لہٰذا وہ آپ کی بڑی عزت اور احترام کرتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ آپ کیونکہ ڈھلی ہوئی عمر کی وجہ سے جنگوں میں حصہ نہیں لے سکتے۔ لہٰذا آپ کی جگہ اب مجھے

جنگوں میں حصہ لینا پڑے گا۔ خرم کے ساتھ جو میری طویل گفتگو ہوئی اس کا لب لباب یہ تھا کہ میں اندرونی اور باطنی طور پر خرم کا ہمنوا' اس کا طرف دار رہوں۔ لیکن اپنی ظاہری حالت کو ایسے ہی رکھوں جیسے میں جہانگیر اور نور جہاں کا طرف دار ہوں۔"

"خرم کا کہنا تھا کہ میرے رویے سے کسی بھی موقع پر جہانگیر اور نور جہاں کو یہ احساس نہیں ہونا چاہیے کہ رستم خان کھلم کھلا خرم کا طرف دار ہے۔ بابا خرم نے مجھے یہ تنبیہ کی ہے کہ اگر میں نے ایسا ہونے دیا تو پھر جہانگیر سے کہہ کر نور جہاں مجھے نا صرف سالار کے عہدے سے ہٹا سکتی ہے' بلکہ ماضی کی طرح مجھے آپ دونوں کو زندان میں بھی ڈلوا سکتی ہے۔ اس لئے کہ وہ بڑی انتقام لینے والی خاتون ہے۔"

"خرم نے مجھے یہ بھی کہا ہے کہ جب کبھی بھی مجھے نور جہاں یا شہنشاہ جہانگیر بلائے اور مجھ سے خرم کے متعلق رائے معلوم کرنا چاہیں تو خرم نے کہا ہے تم بے شک ان کے سامنے میرے خلاف بول جانا' میں تمہارے اس رویے سے دل پر میل نہیں لاؤں گا' بلکہ تم سے خوش ہوں گا۔ خرم چاہتا ہے بظاہر میں نور جہاں اور جہانگیر کا ہمدرد اور ہمنوا بن کر رہوں' لیکن باطن میں میری ہمدردیاں خرم کے ساتھ ہونی چاہئیں اور بابا میں نے بھی ایسا کرنے کا تہیہ کر لیا ہے۔ خرم کے ساتھ ہمارا مزاج' ہماری طبیعت ملتی ہے اور نور جہاں کے ساتھ ایسا نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ بہت جلد انتقام پر اتر آتی ہے۔ جب انتقام پر اترتی ہے' جس سے انتقام لینا ہوتا ہے تو اس کی ماضی کی تمام خدماتِ کو فراموش کر کے انتقام کے کنویں میں ڈال دیتی ہے۔"

"اس کے علاوہ بابا خرم نے مجھے یہ بھی تنبیہ کی ہے کہ مجھے اور آپ دونوں کو مہابت خان سے بھی محتاط رہنا چاہیے۔ خرم کا کہنا ہے کہ یہ ایرانی نہ مخلص ہے اور نہ ہی وقت پر کام آنے والا ہے۔ خرم کا کہنا ہے کہ اب تک جو اس نے کارروائیاں کی ہیں۔ وہ سب اس نے اپنی انا کی تسلی اور اپنی ذات کی شہرت اور اپنے مفاد کے لئے کی ہیں اور یقیناً وہ آئندہ بھی ایسا ہی کرے گا۔"

"خرم نے یہ بھی انکشاف کیا ہے کہ مہابت خان' نور جہاں دونوں ایرانی ہیں۔ یہ کسی وقت ایک دوسرے کے خلاف بھی ہو سکتے ہیں اور یکجا بھی ہو سکتے ہیں اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لئے ایک دوسرے کی ٹانگ بھی کھینچ سکتے ہیں۔ خرم نے تو بابا مجھے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ نور جہاں کا بھائی آصف خان جو خرم کا سسر ہے۔ ابھی تک آصف خان کو بھی خرم اپنے

لئے قابل اعتماد خیال نہیں کرتا۔ تاہم آصف خان کی بیٹی ارجمند بانو جو خرم کی بیوی ہے' وہ بھی نور جہاں کے خلاف ہے۔ اپنے باپ کی کچھ حرکات بھی اسے پسند نہیں ہیں اور وہ خرم کی بے حد مخلص اور وفادار ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد رستم خان جب خاموش ہوا' تب اس کی گفتگو سے اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے فرید خان کہنے لگا۔

''بیٹے تم تو بہت اچھی خبریں لے کر آئے ہو۔ یہاں تک کہتے کہتے فرید خان کو رک جانا پڑا۔ اس لئے کہ عصر کی اذان ہوئی تھی۔ لہٰذا دونوں باپ بیٹا اٹھ کر حویلی سے نکل گئے تھے۔''

✧ ✧ ✧

ایک روز جہانگیر اور نور جہاں اکٹھے بیٹھے ہوئے تھے اور آگرہ سے لاہور جانے کی منصوبہ بندی کر رہے تھے' ساتھ ہی نور جہاں اپنی لاڈلی بیگم کی شادی سے متعلق بھی گفتگو کر رہی تھی اور نور جہاں کی گفتگو کا جواب دیتے ہوئے جہانگیر کہنے لگا۔

'' جہاں تک ہمارا یہ فیصلہ ہے کہ لاڈلی بیگم کی شادی شہزادہ شہریار سے ہو جانی چاہیے تو یہ بڑا اچھا فیصلہ ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہم چند روز تک لاہور کا رخ کریں۔ لاہور میں دلکش باغ میں قیام کریں۔ وہیں لاڈلی بیگم اور شہزادہ شہریار کی منگنی کی رسم ادا کر دی جائے۔ چند روز لاہور میں رہ کر پھر آگرہ کا رخ کیا جائے اور پھر آگرہ میں پوری دھوم دھام اور شان وشوکت سے لاڈلی بیگم اور شہریار کی شادی کا اہتمام کر دیا جائے۔''

جہانگیر کی اس گفتگو سے نور جہاں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ فخریہ انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ دروازے پر شاہی مصور فرخ بیگ نمودار ہوا۔

اسے دیکھتے ہی نور جہاں اور جہانگیر نے خوشی کا اظہار کیا۔ پھر ہاتھ کے اشارے سے جہانگیر نے اسے اندر آنے کے لئے کہا۔ مصور فرخ بیگ آگے بڑھا' جہانگیر نے ہاتھ کے اشارے سے اسے ایک نشست پر بیٹھنے کے لئے کہا۔ تب فرخ بیگ وہاں بیٹھ گیا پھر جہانگیر نے اسے مخاطب کیا۔

'' فرخ بیگ تمہارا چہرہ بتاتا ہے کہ تم کسی انتہائی اہم موضوع پر گفتگو کرنے کے لئے آئے ہو۔''

فرخ بیگ کے چہرے پر گہری مسکراہٹ نمودار ہوئی' باری باری غور سے اس نے جہانگیر اور نور جہاں کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

'' شہنشاہ معظم آپ کا اندازہ درست ہے۔ میں جو بات کرنا چاہتا ہوں' اسے آپ یوں

کہہ سکتے ہیں کہ ایک اچھی خبر ہے۔"

"اچھی خبر ہے تو پھر سنانے میں دیر کیوں کرتے ہو۔" جہانگیر نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا تھا۔

اس پر فرخ بیگ اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہنے لگا۔

"شہنشاہ معظم! آگرہ میں ایک سفینہ داخل ہوئی ہے' نام اس کا پورن ہے۔ بیکانیر کی رہنے والی ہے۔ جہاں اس نے حسن' خوبصورتی اور کشش میں لاجواب صورت پائی ہے' وہاں وہ اعلیٰ شخصیت کی مالک ہے' آنکھیں اتنی بڑی اور پرکشش ہیں جس کی طرف دیکھتی ہے' لگتا ہے اس چیز میں سوراخ کر دے گی۔ آواز ایسی پائی ہے کہ دل کو جکڑ کر اپنی طرف کھینچتی ہے۔ جب گاتی ہے تو سناٹا چھا جاتا ہے۔"

آگرہ میں داخل ہونے کے بعد اس نے صرف ایک محفل سجائی ہے۔ اس کے ساتھ اس کے دو سازندے بھی ہیں۔ یہاں اس نے پہلے سرائے میں قیام کیا تھا لیکن پہلا ہی گانا اور پہلی ہی محفل یہاں سجانے کے بعد ایک مقامی شخص نے اپنے مکان کا ایک حصہ اس کے لئے مختص کر دیا ہے۔ اب اس نے وہیں قیام کیا ہوا ہے۔ اس کا گانا سن کر میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اسے گانے کے لئے شاہی قصر سے مستقل طور پر منسلک ہو جانا چاہیے۔"

"شہنشاہ معظم! میری کافی لمبی عمر ہے لیکن میں نے جس قدر زندگی گزاری ہے۔ اس میں میں نے ایسی حسین' پرکشش اور اچھی آواز والی گانے والیاں بہت کم دیکھی ہیں' لے سر کی بھی ایسی ہے کہ بندے کو اپنی طرف کھینچتے چلی جاتی ہے۔"

مصور فرخ بیگ کی اس گفتگو سے لگتا ہے' جہانگیر اور نور جہاں کہیں ڈوب کر رہ گئے ہوں۔ کچھ دیر خاموشی رہی' اس موقع پر نور جہاں نے اس انداز میں جہانگیر کی طرف دیکھا جیسے وہ اس کے خیالات جاننا چاہتی ہو۔ پھر جہانگیر مصور فرخ بیگ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"آج عشاء کی نماز کے بعد سارے امراء اور سالاروں کو قصر کے دارالبرید کے بڑے کمرے میں دعوت دی جائے' ساتھ ہی اس مغنیہ کو بھی بلایا جائے۔ آج ہم اسے سنیں گے۔ پھر اس کے متعلق کوئی فیصلہ کریں گے۔ اگر اس نے ہمارے معیار کے مطابق گایا تو اسے ہم اپنے دربار سے منسلک کریں گے اور اس کی رہائش شاہی مہمان خانے میں رکھیں گے۔ تم نے اس کے حسن' اس کی خوبصورتی کی بھی بڑی تعریف کی ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ اس کی آنکھیں

ایسی ہیں کہ جس کی طرف دیکھتی ہے' گویا محسوس ہوتا ہے کہ اس میں سوراخ کر دے گی۔ کیا وہ مغنیہ شادی شدہ ہے۔"

اس پر غور سے جہانگیر کی طرف دیکھتے ہوئے فرخ بیگ کہنے لگا۔

"شہنشاہ معظم! وہ کسی سے شادی نہیں کرتی۔ ابھی کنواری ہے جو کچھ میں نے اس کے متعلق سنا ہے۔ وہ یہ ہے کہ وہ کسی سے پریم کرتی ہے' کسی کو چاہتی ہے۔ اسی کی تلاش میں جگہ جگہ پھرتی ہے۔ کہتے ہیں وہ بیکانیر سے ادھر آئی ہے اور اس کی تلاش میں ہے جس سے وہ محبت کرتی ہے۔ جسے وہ چاہتی ہے۔ اس بناء پر وہ شادی کے چکر میں نہیں پڑنے والی' یہاں اس نے جو ایک محفل سجائی ہے تو اس محفل کے ساتھ بہت سے لوگوں نے جن میں کچھ راج کمار بھی شامل ہیں۔ اسے شادی کی پیشکش کی لیکن اس نے صاف انکار کر دیا اور اس کا کہنا یہ ہے کہ وہ مر جائے گی۔ شادی کسی سے نہیں کرے گی۔ ہاں جسے وہ چاہتی ہے اگر اس نے اسے اپنی بانہوں کا سہارا دیا تو وہ ضرور اس کی زندگی کی ساتھی بنے گی۔ اس کے علاوہ نہ کسی کو اپنا جیون ساتھی بنائے گی اور نہ ہی کسی کی طرف مائل ہو گی۔"

فرخ بیگ کی اس گفتگو سے جہانگیر اور زیادہ متاثر ہوا تھا' کہنے لگا۔

"بس جو فیصلہ میں نے دیا ہے' اس پر عمل کیا جائے' ابھی جاؤ اور چوبدار سے کہو کہ سارے بڑے بڑے سالاروں اور دربار سے منسلک امراء راجاؤں کو بھی اطلاع کرے کہ وہ عشاء کے بعد قصر میں جمع ہوں۔ اس کے بعد پورن نام کی اس مغنیہ اور اس کے سازندوں کو بلایا جائے۔ ہم اسے سنیں گے اور پھر جانیں گے۔ وہ کیسی اور کس پائے کی گانے والی ہے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد جہانگیر کا گہری نگاہ اپنے پہلو میں بیٹھی نور جہاں پر ڈالی۔ اس کے بعد وہ شاہی مصور فرخ بیگ کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

وہ مغنیہ جس کا نام تم نے پورن بتایا ہے جو اپنے کسی چاہنے والے کی تلاش میں سرگرداں ہے اور اسی سلسلے میں وہ آگرہ آئی ہے تو کیا وہ اپنے چاہنے والے کا کوئی نام پتا بھی بتاتی ہے۔ اس پر ہلکی سی مسکراہٹ مصور فرخ بیگ کے چہرے پر نمودار ہوئی' کہنے لگا۔

"شہنشاہ معظم! کمال کی بات یہی ہے کہ جسے وہ چاہتی ہے' اس کا نام بھی نہیں بتاتی۔"

اس پر جہانگیر مسکرا دیا۔ نور جہاں حیرت زدہ سی ہو گئی تھی۔ پھر جہانگیر کہنے لگا۔

"اچھا تم جاؤ سب کو عشاء کے بعد یہاں جمع ہونے کی اطلاع کرو۔ اسی روز عشاء کے

بعد دارالبرید کے بڑے کمرے میں جہانگیر کے امراء اس وقت آگرہ میں قیام کرنے والے راجہ بڑے بڑے سالار جمع تھے۔ یہاں تک کہ اس کمرے میں آگے پیچھے جہانگیر اور نور جہاں داخل ہوئے۔ جہانگیر آگے بیٹھ گیا تھا جبکہ پردے کے پیچھے نور جہاں ہو بیٹھی تھی۔ پھر جہانگیر کے حکم پر اس کا چوبدار مغنیہ اور اس کے سازندوں کو لے کر آیا۔ مغنیہ جب اس کمرے میں داخل ہوئی تو سب اسے حیرت زدہ نگاہوں سے دیکھتے رہ گئے تھے۔ وہ خوب دراز قد مناسب جسم اور انتہا درجہ کی حسین' خوبصورت تھی' ساتھ ہی آنکھیں ایسی تھیں گویا جس چیز پر نظر جمائے گی اس میں سوراخ کر کے رکھ دے گی۔ بڑے وقار' بڑے طمطراق کے ساتھ چلتی ہوئی بیچ میں اس کے بیٹھنے کے لئے جو دبیز قالین بچھائی گئی تھی' چوبدار کے کہنے پر وہ بیٹھ گئی۔ اس کے دونوں سازندے دائیں بائیں ہو بیٹھے تھے۔ سب سے پہلے جہانگیر نے اسے خوش آمدید کہا۔ اس پر وہاں بیٹھے ہوئے سب لوگوں نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اس کی آمد پر اسے خوش آمدید کہا جس پر وہ اپنا خوبصورت گداز ہاتھ اپنی چمکتی ہوئی پیشانی پر لے جا کر ان کا شکریہ ادا کرنے لگی تھی۔

پھر جہانگیر نے اسے مخاطب کیا۔

"ہم نے کچھ لوگوں سے تمہاری بہت تعریف سنی ہے۔ لہٰذا گاؤ تاکہ ہم تمہاری شخصیت تمہاری آواز کا اندازہ لگائیں اور اسی کے مطابق نوازیں۔"

اس پر مغنیہ پورن نے بڑے غور سے اپنے دائیں بائیں' اپنے دونوں سازندوں کی طرف دیکھا' ان میں سے ایک سارنگی بجانے والا تھا جس کی دستی کے ساتھ چھوٹے چھوٹے گھنگروں بندھے ہوئے تھے اور دوسرا طبلہ نواز تھا' سارنگی نواز اور طبلہ نواز دونوں نے پہلے ایک دوسرے کی طرف دیکھا' اس موقع پر پورن نے ان سے سرگوشی کی' اس کے بعد طبلے والے نے طبلہ سارنگی نواز نے سارنگی بجانا شروع کی تھی۔

کچھ دیر تک ساز بجتے رہے۔ یہاں تک کہ پورن نام کی اس مغنیہ کی آواز اس بڑے کمرے میں اس طرح گونجی' جیسے وہ ہر کسی کی سماعت میں رس گھول کر رکھ دی تھی۔ اس نے گانا شروع کیا تھا اس کے گانے کے بول کچھ اس طرح تھے۔

جیون کے اس جوگ ما جس کو کبھی نہ بھائی
من مورے کی پرتوں ما پیت اسی کی سمائی

لوگ کہیں میں بھکوا ہوں پیا کا نام نہ جانو
جانو ہوں ما سب کچھ نا چاہوں جگ ہنسائی
نام پتا کیوں میت کا اپنے لب پر لاؤں
ڈرتی ہوں لوگوں ما نہ اس کی رسوائی
پیت بنی من کا کانٹا کسک کو میں ہی جانو
بن کے روگ انوکھا یہ لہو مورے میں سمائی
جانوں ہوں مجبوری بیچ ما اس کے میرے
چاہت اپنی اس سے اور کے من میں جمائی
بیٹھی ہوں بیراگ ما حال کوئی نہ پوچھے
کتھا اپنی سے مانے کالی دنیا سجائی
سمجھاؤں میں دل کو یہ بات موری نہ مانے
وہ چاہے کسی اور کو تجھ پر کیوں بن آئی

یہاں تک کہنے کے بعد پورن نام کی وہ مغنیہ رک گئی۔ سازندے بھی ہاتھ روک چکے تھے۔ آخر جہانگیر نے اور فرمائش کی جس پر اس نے کچھ اور نغمے گائے اور اس کے نغمے سن کر وہاں بیٹھے جہانگیر سمیت سب لوگ خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ جہانگیر نے اسے مخاطب کیا۔

"مغنیہ جو اندازہ میں نے تمہارے متعلق لگایا تھا' تم اس سے کہیں اعلیٰ ہو' تمہاری شخصیت کا جو نقشہ میرے جاننے والوں نے مجھ پر عیاں کیا تھا' تم اس سے بھی کہیں بہتر ہو۔"

اس کے ساتھ ہی جہانگیر نے اپنے چوبدار کو بلایا اس کے کان میں کچھ کہا جس پر وہ پیچھے ہٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوٹا' نقدی کی ایک تھیلی جہانگیر کے کہنے پر اس نے مغنیہ کو دی' ساتھ ہی اس بڑے کمرے میں جہانگیر کی آواز گونج اٹھی تھی۔

"یہ تمہارا آج کا انعام ہے۔ میں نے سنا ہے تم بیکانیر کی رہنے والی ہو۔ لہٰذا تمہاری رہائش کا اہتمام آگرہ کے شاہی مہمان خانے میں کیا جاتا ہے۔ تم جب تک چاہو' اس مہمان خانے میں رہو اور جب یہاں سے کوچ کرنا چاہو تو پہلے ہمیں بتا دینا تاکہ جس سمت بھی تم جانا چاہو' ہم تمہارے کوچ اور تمہاری حفاظت کے انتظامات کر دیں۔"

جواب میں مغنیہ نے پہلے ہاتھ جوڑ کر جہانگیر کا شکریہ ادا کیا پھر دھیمی سی آواز میں کہنے لگی۔

"شہنشاہ معظم! آگرہ شہر سے اب میں نے کہیں نہیں جانا' جب جانا ہوا تب بتاؤں گی۔ اس لئے کہ بیکانیر سے جس گوہر کی تلاش میں نکلی تھی۔ وہ گوہر اسی شہر آگرہ کے اندر موجود ہے۔ لوگ مجھ سے اس کا نام پتا پوچھتے ہیں۔ پر اس کا نام پتا نہیں بتاؤں گی۔ لوگ مجھ سے یہ بھی کہتے ہیں کہ میں نادان ہوں۔ اس پر اپنی چاہت اور محبت کو نچھاور کروں اور وہ خود بخود میری طرف کھینچا چلا آئے گا۔ میں ایسا بھی نہیں چاہتی' اس شہر میں رہتے ہوئے میں اپنے اس زیست کے محور کو دیکھتے ہوئے دن گزارتی رہوں گی۔ تا وقتیکہ وہ خود میری محبت اور میری چاہت کا احساس کر کے میری طرف مائل نہیں ہوتا۔"

مغنیہ کی اس گفتگو سے جہانگیر اور اس کے پیچھے بیٹھی نور جہاں دونوں بے حد خوش دکھائی دے رہے تھے۔ پھر جہانگیر نے اپنے چوبدار کو بلایا۔ بڑی رازداری سے اس کے کان میں کچھ کہا جس پر چوبدار پیچھے ہٹا پھر وہ بڑی عزت اور احترام کے ساتھ مغنیہ پورن اور اس کے دونوں سازندوں کو آگرہ کے شاہی مہمان خانے کی طرف لے گیا تھا۔

دراصل جہانگیر فنون لطیفہ کی بڑی قدردانی کرنے والا شہنشاہ تھا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ "اپنی حکومت کے پہلے سترہ برس کے واقعات کا تمام ریکارڈ جہانگیر نے خود محفوظ کیا۔ جب اس کی گرتی ہوئی صحت تحریری کام میں بیکار ہوگئی تو اس نے براہ راست نگرانی میں دوسرے لوگوں سے واقعات قلم بند کروائے۔ جہانگیر کی خودنوشت اس اعتبار سے بھی قابل قدر ہے کہ اس سے جہانگیر کے کردار پر براہ راست روشنی پڑتی ہے۔ جہانگیر کی خودنوشت جسے تزک جہانگیری کہتے ہیں اس سے پتا چلتا ہے کہ اس کی دلچسپیاں وسیع ترتھیں اور دانش ورانہ معاملات کے مقابلے میں مادی مقاصد سے ان کا زیادہ تعلق تھا۔"

اس اعتبار سے وہ اپنے باپ اکبر کے بالکل برعکس تھا۔ اکبر قطعی طور پر ناخواندہ تھا لیکن اس نے اپنے دور حکومت میں بہت سی انتظامی اصلاحات کیں۔ اکبر ہر مذہب کے بنیادی عقائد کو کھنگالتا رہا۔ اس نے مباحثے منعقد کیے اور مختلف مذاہب کے علماء کو مدعو کر کے مناظرے کراتا رہا جبکہ جہانگیر قدرت کے حسن کا پرستار تھا۔ اس کی متجسس فطرت بعض اوقات اسے سائنسی تحقیق کی دعوت بھی دیتی تھی۔

قدرت کے حسن سے انتہائی محبت ہی کا نتیجہ تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ خوبصورت مقامات تک پہنچ کر اس حسن سے لطف اندوز ہونے کی کوشش کرتا تھا۔ وہ کشمیر کے پہاڑی علاقوں دلکش وادیوں تک پہنچتا تا کہ موسم بہار کے پھولوں کا نظارہ کر سکے۔ وہ بار بار کشمیر گیا۔ اس نے وہاں کے بہت سے جانوروں' خوبصورت پرندوں اور پھولوں کے نام محفوظ کیے۔ بالخصوص وہ جو میدانی علاقوں میں نہ پائے جاتے تھے۔ کبھی کبھار وہ کسی جانور یا پرندے کی چیر پھاڑ کر کے اس کی خصوصیت کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی بھی کوشش کرتا تھا۔

ایک بار جب اس پر یہ انکشاف ہوا کہ شیر کا پتا اس کے جگر میں ہوتا ہے تو اس نے اسی چیز کو شیر کے حوصلے کی وجہ قرار دیا۔ اسی طرح اس نے اونٹنی کے دودھ کے ذائقے کو اس کی خوراک کے باعث شیریں قرار دیا۔ جہانگیر نے جنگلی پرندوں کو کمروں میں رکھ کر ان کی افزائش نسل کی کوشش بھی کی۔

اس کے علاوہ فنون لطیفہ میں تصویر کشی سے بھی اسے بے حد رغبت تھی۔ اس نے اپنے دور حکومت میں تصویر کشی کی خوب سرپرستی کی۔ اس دوران ایرانی فن تصویر کشی کے صفول انداز اور یورپی تصاویر کے مطالعے کے بعد ہندوستانی اثرات کے تحت نئے امتزاج سے مغل تصاویر بنائی گئیں۔

جہانگیر نے خودنوشت میں اس امر پر بار بار افسوس کا اظہار کیا کہ جانوروں اور نایاب پرندوں کی بہت کم تصاویر بنانے کا موقع مل سکا۔ برصغیر کے مصوروں کے بارے میں جہانگیر نے ان خیالات کا اظہار کیا۔

"جہاں تک تصاویر کے بارے میں میری پسند اور ان کا جائزہ لینے میں میری مشق کا تعلق ہے' اس کی انتہاء یہ ہے کہ جب میرے سامنے کسی زندہ یا مردہ مصور کی تصویر پیش کی جاتی ہے تو میں دریافت کیے بغیر بے ساختہ متعلقہ مصور کا نام بتا دیتا ہوں۔ اگر ایک ہی تصویر مختلف مصوروں نے بنا رکھی ہو تو میں اس تصویر کے بارے میں یہ بتا دیتا ہوں کہ کون سی کسی مصور کی بنائی ہوئی ہے اور اگر پوری تصویر کی آنکھیں اور بھنویں کسی دوسرے مصور نے بنائی ہوں تو میں یہ بھی بتا دیتا ہوں کہ چہرہ کس نے' آنکھیں اور بھنویں کس مصور نے بنائی ہیں۔"

چنانچہ جب سر تھامس رو نے ایک مغربی مصور کی بنائی ہوئی تصویر پیش کی تو شہنشاہ نے چیلنج کیا کہ اس کے دربار کا ایک مصور اس تصویر کو خود بنائے گا اور خود تھامس رو بھی اصل تصویر

کو نہ پہچان سکے گا اور حقیقتاً ایسا ہی ہوا۔

جہانگیر پینتیس سال کی عمر میں تخت نشین ہوا جب ہم اس کے جمالیاتی دور کا مقابلہ اس کے اسلاف سے کرتے ہیں تو وہ صحیح معنوں میں تیموری شہزادوں کا جانشین نظر آتا ہے۔ وہ ادب، مصوری اور خطاطی کے ساتھ سیروشکار کا بھی دلدادہ تھا۔ توزک جہانگیری کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جہانگیر حقائق کو بڑے بے باکی سے بیان کرتا ہے اور اپنی غلطیوں کا مکمل اعتراف بھی کرتا ہے۔

یہ جہانگیر ہی تھا جس نے کشمیر پہنچ کر شالیمار باغ، نسیم باغ اور نشاط باغ جیسے دلکش مقامات تعمیر کرائے اور جن کی تکمیل شاہجہاں کے دور میں ہوئی۔ جہانگیر کے جمالیاتی ذوق میں اس کی ماں کا بھی بڑا ہاتھ تھا۔ جہانگیر عوام سے مانوس نظر آتا ہے۔ یہ پہلو اس کے عہد کی تصاویر سے نمایاں ہے۔ بہرحال وہ اپنے ذوق کے سبب ایک فنکار اور ماہر موسیقار محسوس ہوتا ہے۔ وہ سوچتا رہتا اور اپنے ذہن میں بعض تصاویر کا خاکہ بناتا رہتا پھر اپنے مصوروں کو اسی خاکے کے مطابق تصاویر بنانے کی ہدایت بھی کرتا تھا۔

جہانگیر نے ایک طرف مصوری کو فروغ دیا۔ دوسری طرف قدیم اساتذہ سے بھی فیض حاصل کیا۔ کمال الدین بغداد کا کام اس کے نزدیک مثالی حیثیت کا حامل تھا۔ وہ ہمیشہ خواہش کرتا کہ اس کی اصل تصاویر ہاتھ آ جائیں۔ چنانچہ اس نے چار ایرانی تصاویر حاصل کیا۔ اگرچہ بہزاد کے دبستان کی صحیح تصاویر حاصل کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ تاہم اگر جہانگیر نے بہزاد کی اصل تصاویر حاصل نہیں کیں تو کم از کم اس کے تلامزہ یا معاصرین کی تصاویر پر قناعت کی اور اپنے دربار میں ایرانی نژاد آقا رضا اور فرخ بیگ جیسے مصوروں کو جمع کر لیا۔

ایک مرتبہ اس کے سامنے بہزاد کی ایک تصویر پیش ہوئی جسے بہزاد نے ستر سال کی عمر میں بنایا تھا۔ اس پر اس کے دستخط بھی تھے۔ اس تصویر میں اس نے ایک قرآنی آیت بھی تحریر کی، اس تصویر پر لکھا تھا۔

"اونٹ کو دیکھ اسے کیسے پیدا کیا گیا۔"

مگر اس تصویر میں دو اونٹ لڑ رہے ہیں اور ان کے مالک دور کھڑے تماشا دیکھ رہے ہیں۔

جہانگیر کو یہ تصویر اس قدر پسند آئی کہ اس نے اپنے ایک ہندو مصور نانہا کو بلا کر اس کی

نقل کرنے کو کہا۔ نانہا نے اس کی نقل اس عمدگی سے کی کہ اصل اور نقل میں تمیز مشکل ہو گئی۔ چنانچہ جہانگیر نے اسے حصے میں جہاں بہزاد نے اپنا نام وغیرہ لکھا تھا ایک تحریر اپنے قلم سے تحریر کی جس میں لکھا تھا۔

"یہ تصویر میرے حکم سے نانہا مصور نے بہزاد کے کارنامے سے نقل کی ہے۔"

یہ تصویر اس وقت ایران کے عجائب گھر میں محفوظ ہے۔

مورخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ عبدالرحیم خان خاناں نے ایک مرتبہ جہانگیر کو یوسف اور زلیخا کا مطلا و مصور نسخہ اعلیٰ سنہری جلد میں تیار شدہ پیش کیا جس کی قیمت ایک ہزار سرخ مہریں تھیں اور اسے میر علی ہروی مشہور خطاط نے نستعلیق طرز پر لکھا تھا یعنی یہ نسخہ باعہد سلطان حسین مرزا تیار ہوا تھا۔

اس طرح اس کے ہاں ایک عمدہ مجموعہ تیار ہو گیا۔ ایرانی تصویروں کا ذوق شوق یہیں تک محدود نہ تھا۔ وہ خود توزک جہانگیری میں لکھتا ہے۔

"کہ خان اعظم نے باغ کلانور میں سعادت کے ساتھ استان بوسی کے فرائض ادا کر کے سرفرازی پائی۔ اس کے بعد لکھتا ہے کہ جو تحائف خان اعظم ایران سے اپنے ساتھ بطور تحفہ سوغات لایا۔ ان میں نفیس اور نادر اشیاء میں ایک بے مثال تحفہ اس جنگ کی تصویر بھی تھی۔ جو صاحب قراں تیمور اور تقیتمش کے درمیان ہوئی۔ ان میں صاحب قراں اور اس کی اولاد اور زن امراء کی تصاویر ملتی تھیں جو اس جنگ میں ہم رکاب تھے۔ ہر شبیہ پر لکھا ہوا تھا کہ یہ فلاں کی ہے۔ یہ مجلس یعنی مرقع دو سو چالیس تصاویر پر مشتمل تھا۔ مصور نے اپنا نام خلیل مرزا شاہ رخی لکھا تھا۔ یہ تصاویر اتنی معیاری تھیں کہ اگر مصور کا نام رقم نہ ہوتا تو ہر شخص کو دھوکہ ہوتا کہ یہ بہزاد کا کام ہے بلکہ تحقیق کی جائے تو ممکن ہے بہزاد اس کے تلامذہ میں سے ہو۔

جہانگیر یہ بھی بیان کرتا ہے کہ خان اعظم کو ایران بھیجا تو اس کے ساتھ بشن داس نامی ہندو مصور کو بھی جو فن شبیہ میں یکتا روزگار تھا۔ ایران روانہ کیا گیا تاکہ وہ ایرانی مصوری سے واقفیت اور شاہ عباس صفوں کی شبیہ اور دولت ایران کے امراء کی تصاویر کھینچ لائے۔

چنانچہ اکثر شبیہات جو کھینچ کر لایا نظر سے گزری۔ اس میں شبیہ میرے برادر شاہ عباس والی ایران کی خوب کھینچی تھی جسے تمام بندگان دربار کو دکھایا گیا۔ اس کارنامے کے عوض بشن داس مصور کو ایک ہاتھی عنایت کر کے سرفراز فرمایا۔

مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ روایاتِ فن کے تسلسل کے ضمن میں یہ امر خالی یا دلچسپی نہ ہوگا کہ جہانگیر نے اپنی توزک میں اپنے عہد کے ابتدائی انتظامی امور کے بارے میں لکھتے ہوئے بیان کیا ہے کہ۔

"شریف خان کو وزیرِ اعظم بنا کر امیر امراء کا خطاب دیا گیا۔ یہ خطاب اس کے بیشتر کسی کو نہیں دیا گیا تھا۔ یاد رہے کہ شریف خان وہی شخص تھا جس کا باپ خواجہ عبدالصمد شیریں قلم ہمایوں کے ساتھ ایران آیا تھا۔ اس لئے جہانگیر شریف خان کی بہت عزت کرتا تھا۔

جہانگیر نے اپنے باپ کی جنگوں کے ذکر میں لکھا ہے کہ۔

"جب ہیمو بقال کی آنکھ میں میرے باپ اکبر کا ایک تیر لگا تو وہ تیر اس کے سر سے باہر نکل آیا تھا۔ جب اسے اسی حالت میں اکبر کے سامنے لایا گیا تو بیرم خان نے عرض کیا کہ اس کا کام تمام کر دیا جائے تا کہ آپ غازی کا لقب حاصل کریں، مگر اکبر نے کہا یہ تو پہلے ہی پارہ پارہ ہو چکا ہے۔"

جہانگیر نے مزید لکھا کہ۔

"میرے والد کابل میں خواجہ عبدالصمد کے پاس تصویر کشی کی مشق کرتے تھے تو بے خیالی میں ایسی تصویر بنائی جس کے اعضاء الگ الگ نظر آتے تھے۔"

مؤرخین مزید لکھتے ہیں کہ جہانگیر کے ایک مصاحب نے دریافت کیا کہ یہ کس کی تصویر ہے۔ جہانگیر کی زبان سے بے ساختہ نکلا۔

"یہ صورت ہیمو کی ہے، مگر اکبر نے ہیمو کے خون سے اپنا ہاتھ آلودہ نہیں کیا تھا۔"

اسی طرح ایک مرتبہ راجہ امبھیر جہانگیر کے پاس بیمار ہو کر آیا تو اس کی عجیب و غریب حالت ہو گئی۔ جہانگیر نے فوراً اپنے مصوروں کو بلا کر اس حالت میں تصویر بنانے کا فرمان جاری کیا۔ تفریح نہیں بلکہ علم کا ذریعہ بنانے کے لئے تا کہ طبیب تشخیص کر سکیں۔

جہانگیر کو جب اس کے ایک خاص مصاحب عنایت خان کی وفات کی خبر پہنچی تو اس نے بیان کیا۔ مقرب خدمت گزاروں میں سے تھا۔ چونکہ افیون کھاتا تھا اور وقت فرصت وہ پیالے کا بھی مرتکب ہوتا تھا۔ رفتہ رفتہ وہ شراب کا شیفتہ ہو گیا کیونکہ وہ ضعیف الجثہ تھا۔ اس لئے اپنے حوصلہ اور طاقت سے کہیں زیادہ پیالے کا ارتکاب کرتا تھا۔ اس لئے مرض اسہال میں مبتلا ہوا اور ضعف میں اس کو دو تین بار مثل مرگی کے غشی بھی طاری ہو گئی۔

حسب حکم علاج کرایا گیا، مگر بے سود ثابت ہوا۔ اس لئے پرہیز نہیں کرتا تھا۔ آخر اس نے آگرہ جانے کی اجازت چاہی۔ ہمارے پاس وہ پالکی میں بیٹھ کر حاضر ہوا۔ نہایت لاغر ہو گیا تھا۔ ہڈیاں تحلیل ہو چکی تھیں۔ اس کی تصویر کھینچنے کے لئے مصوروں کو حکم دیا گیا۔ مصور اس قدر لاغر کی تصویر کھینچنے میں بہت تکلف کرتے تھے۔ ایسی دبلی صورت کبھی دیکھنے میں نہ آئی تھی کہ آدم زادہ اس ہیئت کے ساتھ بھی موجود ہے۔

توزک جہانگیری میں ایک مقام پر جہانگیر لکھتا ہے۔

"سید کبیر اور بشتر خان وکیلان عادل خان بیجاپور نے جو اس کی درگاہ سے پیشکش لائے تھے۔ واپس جانے کی خواہش ظاہر کی۔ سید کبیر نے عطائے خلعت اور خنجر مرصع و اسپ سے سرفرازی پائی۔ اس طرح بشتر خان عطائے خلعت کے ساتھ اسپ مرصع سے ممتاز ہوا اور دونوں کو چھ ارب خرچ کے انعام دیئے۔"

عادل خان نے کئی مرتبہ اس سے بیشتر باوسیلہ فرزند اقبال مند شاہ شبیہ خاص کی التماس کی تھی یعنی جہانگیر کی تصویر مانگی تھی۔ سو میں نے اپنی ایک شبیہ معہ لعل گراں بہا ہمراہ نیل خاصہ کے مشار اللہ عنایت فرمائی بلکہ اس کو تمام سرداران میں دکن ممتاز کیا اور یہ شعر لکھ دیئے۔

اے سوئے تو دائم نظر رحمت ما
آسودہ نشین سایہ دولت ما
سوئے تو شبیہ خویش کردیم رواں
تا معنی ما بہ بنی از صورت ما

ایک مرتبہ جہانگیر کی خدمت میں مقرب خان مورتی نے ایک تصویر بھیجی اور لکھا کہ فونگی کہتے ہیں کہ یہ شبیہ شاہ تیمور کی ہے۔ جب یلدرم بایزید شاہ روم صاحب قوال تیمور کے لشکر میں قید ہوا۔

استنبول کے نصرانی حاکم نے اس وقت اپنا ایک وکیل معہ چند تحائف بھیج کر اظہار اطاعت اور بندگی کیا۔ ایک مصور ایلچی کو ہمراہ ارسال کیا جس نے صاحب قوال تیمور کی شبیہ بنائی اور ہمراہ واپس لے گیا۔ اگر یہ تصویر صحیح ہے تو کوئی تحفہ اس سے بہتر نہیں۔

جہانگیر کہتا ہے "میری نظر میں یہ تحفہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ اس میں حلیہ حقیقت کے مطابق نہیں اس وجہ سے یہ تصویر صحیح نہیں ہے۔"

مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ جہانگیر کو اہل فرہنگ کی مصوری سے بھی ابتداء ہی سے کسی قدر شناسائی تھی کیونکہ اس نے اپنے والد کے ہمراہ ایسی مذہبی تصاویر کا مشاہدہ کیا تھا بلکہ اس کے اپنے دربار میں یسوعی پادری فرناڈ گر یارباب ہوا اور بقول ولیم فنچ لاہور میں شاہی محلات کے بعض حصے تصاویر سے آراستہ تھے۔ جن میں شیطانوں وغیرہ کی تصاویر تھیں۔

اس طرح تھامس رو اکثر ملاقات کا ذکر کرتا ہے جس میں شہنشاہ نے تصاویر کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کیا۔ ابتداء میں تھامس رو نے ہندی مصوروں سے متعلق زیادہ اطمینان ظاہر نہیں کیا بلکہ وہ کسی قدر مایوس نظر آتا ہے۔ اس نے اپنے خط میں جو اس نے اپنے ایک دوست کو انگلستان میں لکھا اس میں وہ بیان کرتا ہے۔

یہاں کسی کا کوئی ملکی فن نہیں جس طرح عیسائی مصوروں کو حال ہی میں سکھایا گیا ہے۔

تاہم جب اس نے جہانگیر کے دربار میں مصوری کا کام دیکھا تو فوراً اپنی رائے میں مکمل تبدیلی پیدا کر لی اور لکھا۔

"جہانگیر کے مصوروں کا کام واقعی ایک معجزہ ہے۔"

یہ ایک طرح کا اعلیٰ خراج تحسین تھا کیونکہ تھامس رو خود فن مصوری کا ادراک رکھتا تھا۔

یہ جہانگیر نے اپنے توزک میں پندرویں سال جلوس کے تحت دوران کشمیر لکھا ہے۔ تصویر خانہ یعنی آرٹ گیلری باغ میں واقع ہے۔ اس کی تعمیر اور درستگی کا حکم دیا گیا تھا۔ اس وقت استادان نادرہ کار کی بنائی ہوئی تصویر سے آراستہ ہو۔ اوپر کے حصے میں تصویر آشیانی یعنی ہمایوں اور عرش آشیانی یعنی اکبر سے اور ان کے مقابل میں میری شبیہ مرزا کامران مرزا حکیم اور شاہ مراد اور سلطان دانیال سے آراستہ ہوا۔ اس کے نچلے حصے میں شبیہات بندگان خاص کی تھیں۔ اس تصویر خانہ میں ترتیب دی جائیں گی۔ عمارت کے اطراف اور باہر کی طرف کشمیر کے راستے کی منزلوں کو بالترتیب کھینچا گیا تھا۔

عہد جہانگیری میں اس کے باپ کے عہد کے مصوروں میں سے فرخ بیگ اس وقت ستر سال سے تجاوز کر چکا تھا۔ جہانگیر اس کی بحیثیت استاد فن بہت عزت کرتا تھا۔ جہانگیر نے شاہجہان کو شادی کے موقع پر اسے دو ہزار روپے مرحمت کیے تھے۔

اسی زمانے میں اس نے ایک تصویر بنائی جس پر فرخ بیگ نے فخریہ لکھا کہ ستر سال کی عمر بنائی ہے مگر اس کے عہد میں ثمرقند سے دو مصور محمد نادر اور محمد مراد آئے یہ دونوں مصور

شبیہات بنانے میں استاد تھے۔ اس طرح بعض دیگر فن کار ایران اور توران سے آتے رہے' مگر ان کا بیان زیادہ نہیں ملتا۔

بقول مؤرخین یہی فنکار تھے۔ جنہوں نے شاہجہان کے زمانے میں مصوری کے ماحول کو زیادہ تر شبیہات میں تبدیل کیا۔ مصوروں یا دیگر فنکاروں کی ذاتی شبیہات کو محفوظ رکھنے کا ایک خاص طریقہ اس عہد جہانگیری میں ملتا ہے۔ جہاں کوئی مخطوطہ ختم ہوتا ہے۔ اس کے آخر میں کاتب اور مصور دونوں کی تصویریں ملتی ہیں۔ اس کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً نسخہ انگلستان اس کے آخر ترقیمہ میں دو تصاویر منوہر مصور اور محمد حسین زریں قلم مشہور کاتب کی ملتی ہیں۔

دیگر خمسہ نظامی کا نسخہ ہے۔ اس کے ترقیمہ میں جہانگیر کے عہد کا مصور دولت بیٹھا ہوا کاتب عبدالرحیم کی تصویر بنانے میں ہمہ تن مصروف ہے۔ یہ ہندو مصور اور کاتب عہد اکبر سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ آخری نسخہ شریف بن عبدالصمد شیریں قلم کے اہتمام میں تیار ہوا تھا' مگر اس کے طرز کے کارنامے زیادہ تر اسی ابتدائی عہد سے ملتے ہیں جو ایک زیادہ اہم یادداشت کے طور پر ہیں۔

جہانگیر کا ایک یہ بھی اصول تھا کہ وہ اپنے ہمراہ سفر و حضر میں ایک دو مصور ہمیشہ ساتھ رکھتا تھا بلکہ یہ دستور اکبر کے عہد میں بھی ملتا ہے۔

جہانگیر نے کبھی کسی مصور کو جنگ کی تصویر بنانے کے لئے نہیں کہا' نہ اس مقصد کے لئے ہمراہ لے گیا بلکہ ہمیشہ پرسکون ماحول کی مصوری کرنے اور سب سے زیادہ واقعات شکار کو منتقل کرنے کا حکم دیتا تھا۔

اس نے اکثر ایسے ہی واقعات اپنی توزک میں بیان کیے ہیں۔ رام پور کے کتب خانے میں جہانگیری کی ایک تصویر موجود ہے جس میں وہ قندھار کا سفر کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ وہ نہایت شاندار لباس پہنے گھوڑے پر سوار ہے۔ مصور کا نام اگرچہ اس پر مٹ چکا ہے مگر تصویر منہ بولتی ہے کہ اس میں قندھار کے گردونواح پیش کیے گئے ہیں۔

اس تصویر یا اس واقعے کا دوسرا حصہ وہ ہے جب جہانگیر آگے چل کر ایک باغ میں فروکش ہوتا ہے اور باقاعدہ دربار لگاتا ہے۔ تمام امراءٔ وزراء اور درباری کارندے اپنے اپنے مدارج کے اعتبار سے پیش ہیں۔

ایک تصویر میں جہانگیر اپنے ایک صاحبزادے کے ہمراہ اجمیر میں خواجہ معین الدین

چشتی کی درگاہ میں موجود تھے۔ اس تصویر میں مصور جہانگیر کے چہرے پر بے حد تقدس ظاہر آنے میں بہت کامیاب رہا ہے۔

اکبر کے عہد کا نامی مصور گوردھن عہد جہانگیری میں بھی اسی طرح ملازمت میں رہا۔ اس نے جہانگیر کے عہد کی تصویر رسم آبپاشی بنائی تھی جو رام پور میں موجود ہے۔ اسی مصور نے اس تصویر میں جہانگیر کو ایک شاہی چھتر میں تخت پر مصور کیا ہے۔ تمام امراء اور وزراء اور درباری اردگرد موجود ہیں۔ اس تصویر سے خاص کر اسے زمانے کے لباس اور اس میں رنگ ڈھنگ کے ڈیزائن کے ریشم کا عام استعمال شاہی وجاہت کا ضامن ہے۔

اس تصویر میں ایک اعلیٰ قالین پر کچھ صراحیاں گلاب دانیاں آب پاشیاں وغیرہ مختلف شکلوں کی پڑی ہیں جو اس تصویر کا اصل موضوع ہے۔ گوردن کا یہ کارنامہ معمولی نہیں بلکہ ہندوستان کے عہد مغلیہ کی مصوری میں ایک گراں بہا شاہکار ہے جس میں صحیح معنوں میں مغل کلچرل واضح ہوتا ہے۔

سب سے بڑھ کر عہد جہانگیر کا ان تمام تصاویر میں ایک پہلو قابل مطالعہ ہے کہ جہانگیر کو بذات خود ان تصاویر میں مختلف حیثیتوں میں پیش کیا گیا۔ اس طرح اس کی تمام شبیہات اس کی زندگی کے ہر پہلو کو نمایاں کرتی ہیں اور وہ تمام مجلس کا مرکز نظر آتا ہے۔

اس کی وہ تصاویر بھی ملتی ہیں جب وہ شہزادہ تھا اور سیر وشکار میں ہمہ تن مصروف تھا۔ اس کی کچھ ایک تصویر عقاب کو ہاتھ میں لیے ہوئے ملتی ہے۔ اس عہد کی بعض تصاویر جانوروں اور پھولوں کی ملتی ہیں جن کے لئے وہ اپنے خاص مصوروں کو تصاویر کھینچنے کے لئے فرمان دیتا نظر آتا ہے۔

رستم خان کا باپ فرید خان ایک روز اپنے دیوان خانے میں اکیلا بیٹھا ہوا تھا کہ حویلی کے دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

دیوان خانے سے اٹھ کر جب فرید خان نے دروازہ کھولا تو دروازے پر اس وقت امبر کا راجہ جگن ناتھ' اس کی بیوی سروجنی' دونوں بیٹیاں مالتی اور سمترا اور بیٹا شنکر ناتھ کھڑے تھے۔ انہیں دیکھ کر فرید خان نے بے پناہ خوشی کا اظہار کیا۔ دروازے سے ایک طرف ہٹ گیا۔ وہ سب اندر داخل ہوئے۔ فرید خان انہیں لے کر دیوان خانے میں داخل ہوا۔ سامنے برآمدے میں جہاں آراء اور نسیمہ خاتون دونوں ماں بیٹی گھریلو کام میں مصروف تھیں۔ انہوں نے بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر سروجنی' مالتی اور سمترا کا استقبال کیا اور وہ بھی سب کے ساتھ دیوان خانے میں بیٹھ گئی تھیں۔

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر امبر کے راجہ جگن ناتھ نے ادھر ادھر دیکھا اس کے بعد استفہامیہ سے انداز میں فرید خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

" فرید خان آج رستم خان گھر پر نظر نہیں آ رہا۔"

اس پر فرید خان نے ہونٹوں پر زبان پھیری' کہنے لگا۔

" رستم خان کو کافی دیر ہوئی شہنشاہ جہانگیر نے طلب کیا تھا اور ابھی تک لوٹ کر نہیں آیا۔"

فرید خان کے خاموش ہونے پر جگن ناتھ کسی قدر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

" فرید خان ہم تو تمہارے بیٹے رستم خان کے متعلق ایک اچھی خبر سن کر آئے ہیں اور مبارکباد دینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔"

اس پر غور سے فرید خان جگن ناتھ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"کیسی مبارکباد؟ اگر مبارکباد سے تمہارا مطلب اس کا رشتہ طے کرنا ہے۔ اس کا ایک رشتہ ضرور آیا تھا مگر جگن ناتھ پہلے تو رستم خان نے کہا تھا کہ میں سوچ کر بتاؤں گا۔ لیکن بعد میں اس نے وہاں شادی کرنے سے انکار کر دیا۔"

فرید خان کے ان الفاظ پر سمترا کا رنگ پیلا ہو گیا تھا۔ مالتی بھی پریشان دکھائی دے رہی تھی۔ راجہ جگن ناتھ اور سروجنی بھی حیرت زدہ تھے۔ پھر جگن ناتھ پریشانی میں کہنے لگا۔

"ہمیں تو اس رشتے کا پتا ہی نہیں ہے۔ ہم تو ایک دوسری مبارکباد دینے آئے تھے۔"

"کیسی مبارکباد" فرید خان نے پھر بڑے غور سے جگن ناتھ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ لیا۔

"فرید خان بات یہ ہے کہ شہنشاہ جہانگیر اور نور جہاں چند یوم تک آگرہ سے لاہور جانے کا ارادہ کیے ہوئے ہیں۔ میرے علاوہ دوسرے سرکردہ لوگوں کو بھی اپنے اہل خانہ کے ساتھ شہنشاہ کے ساتھ لاہور جانے کی دعوت ملی ہے اور مجھے ایک درباری نے یہ تک بتایا ہے کہ شہنشاہ کے ساتھ جو لشکر جائے گا' اس میں جو شہنشاہ کا حفاظتی حصہ ہو گا اس کی کمانداری رستم خان کو سونپی گئی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس لشکر میں مہابت خان جیسا جہاندیدہ سالار اور کچھ دوسرے اسی درجے کے سالار بھی شامل ہیں۔ ان کے ہوتے ہوئے جہانگیر کا اپنے حفاظتی لشکر کا رستم خان کو سپہ سالار بنانا رستم خان کے لئے ایک بہت بڑا اعزاز اور ایک بہت بڑی عزت افزائی ہے۔"

"میرے خیال میں شہنشاہ جہانگیر نے رستم خان کو اسی لئے بلایا ہو گا کہ جب اسے حفاظتی لشکر کا سپہ سالار بنایا گیا ہے تو وہ یقیناً شہنشاہ کے ساتھ آگرہ سے لاہور جائے گا۔" فرید خان کیا تم بھی لاہور کا رخ کرو گے۔

فرید خان مسکرایا پھر نفی میں گردن ہلاتے ہوئے کہنے لگا۔

"نہیں بھائی جگن ناتھ میں یہیں رہوں گا۔ اب میرا لمبے سفر کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ تم جانتے ہو جب انسان کی عمر زیادہ ہو جاتی ہے تو اس کی زبان بے شک تیز اور چھری کی طرح کاٹ رکھنے والی ہو جاتی ہے لیکن ٹانگیں جواب دے جاتی ہیں۔ مجھے بہرحال اس بات' اس انکشاف کی بے حد خوشی ہے کہ میرے بیٹے رستم خان کو شہنشاہ نے اپنے محافظ دستوں کا سالار مقرر کیا ہے اور یقیناً میرے بیٹے کے لئے نہیں میرے لئے بھی بہت بڑا اعزاز ہے۔ بہرحال

وہ شہنشاہ کے ساتھ لاہور جائے گا آپ لوگ بھی جائیں' میرا جی نہیں چاہ رہا۔"

اس موقع پر سروجنی' سمترا اور مالتی آپس میں کھسر پھسر کر رہی تھیں۔ یہاں تک کہ سروجنی نے فرید خان کو مخاطب کیا۔

"فرید خان میرے بھائی یہ جو رستم خان کے رشتے کی بات کی۔ اس کی تفصیل آپ نے نہیں بتائی کہ اس کا رشتہ کہاں سے آیا اور انکار کیسے ہوا۔"

اس پر فرید خان مسکرایا اور کہنے لگا۔

"سروجنی میری بہن یہ چند دن پہلے کی بات ہے۔ آگرہ کا ایک ساہوکار ہے مالدیو اس کا نام ہے' میرے خیال میں تم لوگ اسے جانتے ہو گے۔"

اس پر جگن ناتھ فوراً بول اٹھا اور کہنے لگا۔

"ہاں ساہوکار مالدیو کو میں خوب جانتا ہوں بلکہ میرے اچھے جاننے والوں میں سے ہے۔ ان کی ایک ہی بیٹی ہے' نام اس کا رتن کماری ہے۔ گھر کے تین ہی افراد ہیں۔ ایک خود مالدیو' اس کی بیوی درگا دیوی اور ایک بیٹی رتن کماری۔"

جگن ناتھ کے ان الفاظ پر فرید خان مسکرایا پھر کہنے لگا۔

"تو پھر یوں جانو ساہوکار مالدیو کی بیٹی رتن کماری کا رشتہ آیا تھا۔ رتن کماری نے کہیں بیکانیر کی مہم سے واپس آتے ہوئے رستم خان کو دیکھا تھا اور اسے پسند کر بیٹھی تھی' بعد میں وہ جب جنگوں میں حصہ لے کر لوٹتا رہا تو رتن کماری استقبال کے لئے جاتی رہی۔ اس طرح کہنے والے کا کہنا ہے کہ رتن کماری رستم خان سے محبت کر بیٹھی اور پھر اپنی چاہت کا اظہار اس نے اپنی ماتا اپنے پتا سے کر دیا جس کی بناء پر انہوں نے اپنی ایک گھریلو خاتون کو میری طرف بھجوایا اور اس رشتے کی پیشکش کی۔ اس وقت تو میں نے خاتون سے کہہ دیا تھا کہ میں بیٹے سے مشورہ کر کے بتاؤں گا۔ اس لئے کہ جس وقت وہ خاتون رشتہ لے کر آئی تھی۔ اس وقت رستم خان گھر پر نہیں تھا۔ بعد میں رستم خان جب آیا تو میں نے اس کے سامنے رشتے کا معاملہ پیش کیا۔ اس وقت وہ شاید تھکا ہارا تھا۔ کہنے لگا" بابا فی الحال اس موضوع کو رہنے دیں۔"

"بعد میں میرے خیال میں اس نے اس موضوع پر کچھ سوچا پھر کہنے لگا کہ رتن کماری سے شادی نہیں کروں گا۔ گویا اس نے انکار کر دیا اور اس کا یہی پیغام میں نے ساہوکار مالدیو کے ہاں پہنچا دیا۔"

کچھ دیر خاموشی رہی' اس کے بعد جگن ناتھ نے پوچھ لیا۔

"مالدیو کی بیٹی رتن کماری بے حد خوبصورت اور حسین ہے۔ عمر میں میری بیٹی سمترا سے تھوڑی بڑی ہے۔ کیا رستم خان اور تم نے رتن کماری کو دیکھ کر انکار کیا یا......"

اس پر فرید خان کہنے لگا۔

"ہم نے اس لڑکی کو کہاں دیکھنا ہے۔ رستم خان نے بن دیکھے ہی انکار کر دیا کہ وہ وہاں شادی نہیں کرے گا۔"

جگن ناتھ نے پھر بات کو کریدا پھر سلسلہ کلام کو آگے بڑھانے کی غرض سے کہنے لگا۔

"اگر رتن کماری سے رستم خان نے شادی کرنے سے انکار کر دیا ہے تو اس کا مطلب ہے وہ کہیں اور دلچسپی لیتا ہوگا۔"

فرید خان نے اس موقع پر ایک گہری نگاہ جگن ناتھ پر ڈالی۔

"جگن ناتھ اس کا تو مجھے علم نہیں ہے' نہ ہی اس نے مجھ پر انکشاف کیا ہے کہ وہ کسی اور لڑکی کو چاہتا ہے یا پسند کرتا ہے۔ تاہم اگر اس نے کسی اور لڑکی کو پسند کر لیا تو جہاں اس کی پسند ہو گی' وہیں میں اس کی شادی کا اہتمام کر دوں گا۔ جگن ناتھ میرا ایک ہی بیٹا ہے' میں نے اس کی مرضی کے خلاف تو نہیں چلنا' میں آج ہوں' کل کوچ کر جاؤں گا۔ لہٰذا میں اپنے بیٹے کو خوشیاں دے کر اس دنیا سے رخصت ہونا چاہتا ہوں۔"

اس موقع پر رستم خان بھی حویلی میں داخل ہوا اور اسے دیکھتے ہی بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے سروجنی کہنے لگی۔

"لو رستم خان بھی آ گیا' بڑی عمر ہے ہمارے بیٹے کی' ہم اسی سے متعلق گفتگو کر رہے تھے اور وہ آ گیا ہے۔"

رستم خان دیوان خانے میں آیا۔ سب سے اس نے سلام کیا۔ پھر اپنے باپ فرید خان کے پاس ہو بیٹھا۔ اس موقع پر جگن ناتھ نے رستم خان کو مخاطب کیا اور کہنے لگا۔

"رستم خان میرے بیٹے شہنشاہ جہانگیر نے تمہیں اپنے محافظ دستوں کا سالار مقرر کیا ہے۔ اس تقرری پر میں تمہیں مبارکباد پیش کرتا ہوں۔" رستم خان کچھ کہنے ہی لگا تھا کہ اسی وقت سروجنی' سمترا' مالتی اور شنکر ناتھ نے بھی اسے مبارکباد دی' جس پر مسکراتے ہوئے رستم خان نے ان کی اس مبارکباد کا جواب دیا۔ اس موقع پر فرید خان کے علاوہ جہاں آراء' نسیمہ

خاتون بھی بے پناہ خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔

آخر جگن ناتھ نے پھر رستم خان کو مخاطب کیا۔

"بیٹے شہنشاہ کب تک یہاں سے لاہور کی طرف روانہ ہونا چاہتا ہے۔"

جگن ناتھ کے اس سوال کے جواب میں رستم خان کہنے لگا۔

"تین دن بعد شہنشاہ اور نور جہاں دونوں اپنے بہت سے امراء' لشکر اور سالاروں کے ساتھ آگرہ سے لاہور کا رخ کریں گے۔"

پھر رستم خان نے اپنے باپ فرید خان کی طرف دیکھا کہنے لگا۔

"بابا آپ بھی میرے ساتھ چلیے۔"

مسکراتے ہوئے فرید خان نے نفی میں گردن ہلائی کہنے لگا۔

"نہیں بیٹے میں نہیں جاؤں گا۔ یہاں میری بہن جہاں آراء اور بیٹی نسیمہ خاتون ہے۔ میں ان کے ساتھ رہوں گا۔ بچے تجھے کیونکہ شہنشاہ نے اپنے محافظ دستوں کا سالار مقرر کر دیا ہے لہٰذا تیرا جانا تو لازم ہے۔ ہاں تھوڑی دیر پہلے جگن ناتھ آیا ہے اور اس نے انکشاف کیا ہے کہ اسے بھی دعوت ملی ہے۔ یہ بھی اپنے اہل خانہ کے ساتھ آگرہ سے لاہور جائے گا۔"

اس کے بعد سب مل کر شہنشاہ اور نور جہاں کے لاہور کی طرف جانے اور لاہور جانے کے لئے اپنے انتظامات پر گفتگو کرنے لگے تھے۔ تین دن بعد جہانگیر اور نور جہاں نے اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ آگرہ سے لاہور کا رخ کیا تھا۔

✧ ✧ ✧

لاہور پہنچ کر جہانگیر اور نور جہاں نے دریائے راوی کے کنارے اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ دلکشا باغ میں قیام کیا۔ یہ باغ ہمایوں کی بیٹی دلکشا نے دریائے راوی کے کنارے آباد کیا تھا۔ باغ تو آج کل اجڑ چکا ہے اور اسی باغ کے اندر ہی آج کل جہانگیر اور نور جہاں اور نور جہاں کے بھائی آصف خان کے مزار ہیں۔ دلکشا باغ میں جب نور جہانگیر کے لاؤ لشکر کے لئے خیموں کا ایک شہر آباد کر دیا گیا۔ تب دلکشا باغ کی خوبصورتی میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا تھا۔ لاہور کے دلکشا باغ میں قیام کے دوران سب سے پہلا کام یہ کیا گیا کہ جہانگیر کے بیٹے شہزادہ شہریار اور نور جہاں کی بیٹی لاڈلی بیگم کی منگنی طے کی گئی اور یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ واپس آگرہ جا کر دونوں کی شادی دھوم دھام سے کی جائے گی۔

اسی دلکشا باغ میں ایک روز رستم خان دریائے راوی کے کنارے بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک پشت کی جانب سے مالتی اور سمترا دونوں بہنیں نمودار ہوئیں۔ رستم خان کے پاس آ کر رکیں پھر مسکراتی ہوئی آواز میں سمترا نے رستم خان کو مخاطب کیا۔

"آپ یہاں بیٹھ کر کیا سوچ رہے ہیں۔"

ان دونوں بہنوں کی آمد پر رستم خان چونکا تھا' اٹھ کھڑا ہوا۔ غور سے باری باری دونوں بہنوں کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

"بس یوں جانو میں پرسکون انداز میں دریائے راوی کو بہتے دیکھ رہا تھا۔ یہ وہی دریائے راوی ہے جس نے نجانے کتنے شہنشاہوں اور حکمرانوں کو اپنے پانی سے گزرتے دیکھا ہوگا۔ یہی دریائے راوی ہے' جس نے ناجانے کتنے حسین چہروں' جتنی راجکماریوں' کتنی شہزادیوں اور کتنی حسین اور خوبصورت دوشیزاؤں کو اپنے اندر جذب کیا ہوگا۔" یہاں تک کہتے کہتے رسم خان کو رک جانا پڑا اس لئے کہ سمترا بول اٹھی' کہنے لگی۔

"آپ تو شاعری کرنے لگے ہیں۔ پتا جی اور ماتا جی دونوں آپ سے ناراض ہیں۔ اس دلکشا باغ میں قیام کئے ہمیں کئی روز ہو چکے ہیں لیکن آپ نے کبھی ہمارے خیمے کا رخ کرنے کی زحمت گوارا نہ کی۔ ایسا لگتا ہے گویا آپ ہمیں اجنبی خیال کرتے ہیں جبکہ ہم تو ایسا خیال نہیں کرتے۔"

اس پر مسکراتے ہوئے نفی میں رستم خان نے گردن ہلائی' کہنے لگا۔ "ایسی کوئی بات نہیں دراصل شہنشاہ کے ساتھ مصروفیت رہی نور جہاں کو لے کر شہنشاہ کبھی شیخوپورہ' کبھی ہرن مینار اور کبھی لاہور کے دوسرے مقامات کی طرف جاتے رہے ہیں اور ان کے محافظ دستوں کے سالار کی حیثیت سے مجھے ان کے ساتھ رہنا پڑتا ہے۔ اس بنا پر میں کہیں آ جا نہیں سکا۔"

رستم خان جب خاموش ہوا تب سمترا کہنے لگی۔

"آپ کا یہ بہانہ قابل قبول ہے لیکن آج شام کا کھانا آپ ہمارے ساتھ کھائیں گے۔ یہ ماتا اور پتا کی بھی خواہش ہے۔" جواب میں رستم خان نے کچھ سوچا' پھر کہنے لگا۔

"آج شام کو پورن نام کی مغنیہ بھی اپنی محفل دلکشا باغ میں جمائے گی اور......"

رستم خان اپنی بات مکمل نہ کر سکا۔ سمترا پھر بول اٹھی اور کہنے لگی۔ "ہمیں بھی پتا ہے وہ محفل عشاء کے بعد جمے گی' کھانا کھا کر سب وہاں جائیں گے۔ لہٰذا شام کا کھانا آپ نے

ہمارے ساتھ کھانا ہے۔" اس پر رستم خان وہاں سے ہنستے ہوئے کہنے لگا۔ "ٹھیک ہے میں شام کا کھانا تمہارے ساتھ کھاؤں گا۔" اس پر چونکنے کے انداز میں سمترا بول اٹھی۔

"آپ یوں کہاں بھاگے جا رہے ہیں ہم بھی آپ کے ساتھ جائیں گی۔" چنانچہ رستم خان مسکراتے ہوئے رک گیا' پھر مالتی اور سمترا دونوں کو دریائے راوی کے کنارے سے خیمہ گاہ کی طرف لے جا رہا تھا۔

✧ ✧ ✧

لاہور میں قیام کے دوران لاہور کے کچھ معزز شہریوں نے جہانگیر کو طرح طرح کے پرندے اور جانور بھی پیش کئے۔ اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ جہانگیر پرندوں اور جانوروں سے بڑا لگاؤ رکھتا تھا۔ اس کے علاوہ جہانگیر نے ایک خاص بڑے قد کا ہرن پال رکھا تھا جس کا نام اس نے ہرن متراج لکھا ہے۔ اس کے ایک خاص مصور منوہر نے اس ہرن کی ایک تصویر بنائی تھی کہ جہانگیر ہرن کی رسی کو پکڑے ہوئے اس کے ساتھ مانوس ہو کر گھوم رہا ہے۔ جب یہ ہرن مرا' تب جہانگیر کو بہت قلق ہوا' اس کی یاد میں اس نے ایک یادگار موجودہ شیخوپورہ میں ایک قبر بنائی' اس پر ایک مینار بنوایا جو ہرن مینار کے نام سے آج بھی مشہور ہے۔

اس قبر پر ایک کتبہ مرمری سل پر محمد حسین زریں کے قلم سے نستعلیق طرز میں کندہ کروا کے نصب کیا جو آج موجود نہیں ہے' مگر وہاں کی دیگر یادگاریں اس ہرن کی یاد کو تازہ کرتی نظر آتی ہیں۔ جہانگیر نے فرمان جاری کیا کہ اس میں آئندہ کوئی شکاری شکار نہ کرے۔ اس علاقے کے ہرن کے گوشت کو اپنے لئے حرام سمجھے' جیسے مسلمانوں کیلئے سؤر اور ہندوؤں کیلئے گائے کا گوشت ہوتا ہے۔

ایک دوسرے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصور منوہر کو ہزاری ذات اور چھ سو سوار کا منصب عطا کیا گیا۔ وہ ہمیشہ اپنی بنائی ہوئی تصاویر پر منوہر بندہ کے نام سے دستخط کرتا تھا اور بادشاہ جس تصویر کو پسند کر لیتا تو اس پر پسند کا لفظ بھی لکھ دیا کرتا تھا۔

ایک مرتبہ کابل میں شنواری افغان ایک مینڈھا جہانگیر کے حضور میں لائے۔ جس کے دونوں سینگ اوپر جا کر مل کر ایک ہو گئے تھے اور وہ ہرن کے سینگوں کی طرح تھے۔ یہی افغان ایک اور جانور' جس کو وہ مارخور کہتے تھے مار کر لائے' اس کا وزن ہندوستانی چار من تھا۔ اس کے سینگ ڈیڑھ گز لمبے تھے۔ جہانگیر نے مصوروں سے اس کی تصویریں بنائیں جسے مصور

عنایت نے بنایا تھا۔

جہانگیر نے اپنے دربار میں مقرب خان کو کسی سیاسی مصلحت کی وجہ سے کھنبائت بھیجا تا کہ عمدہ چیزیں مشاہدہ میں آئیں۔ جب وہ واپس آیا تو اپنے ساتھ عجیب و غریب جانور بھی لایا، جو کبھی مشاہدہ میں نہ آئے تھے اور نہ ہی کوئی ان کا نام جانتا تھا۔

جہانگیر لکھتا ہے۔ "حضرت فردوس مکانی یعنی بابر بادشاہ نے بھی اپنے چند واقعات میں اکثر جانوروں کی تفصیل دی ہے، مگر ان کی تصاویر نہیں بنائیں، جیسا کہ ان کے سننے سے تعجب ہوتا ہے ایسا ہی ان کے دیکھنے سے حیرت ہوئی۔"

چنانچہ ان میں ایک جانور مورنی سے کچھ بڑا تھا اور مستی میں اپنی دم کو طاؤس کی طرح کر لیتا تھا اور ناچتا تھا۔ اس کے پاؤں اور چونچ مرغ کی مانند تھے۔ اس کے سر اور گردن پر ہر دم دیکھنے سے نیا رنگ ظاہر ہوتا تھا۔ مستی میں ایسا سرخ ہو جاتا تھا گویا مرجان ہے اور تھوڑی دیر بعد وہی جگہ سفید ہو جاتی تھی اور روائی کی طرح دکھائی دیتی تھی۔

اس کی آنکھوں کے کنارے ہمیشہ فیروزہ رنگ نظر آتے تھے۔ ان کا رنگ نہیں بدلتا تھا۔

منوہر مصور نے ان جانوروں کی تصاویر جہانگیر کے فرمان پر بنائیں۔ آگے چل کر جہانگیر پھر بیان کرتا ہے کہ ایک درویش مراندیپ سے آیا اور طرح طرح کے جانور بھی لایا۔ ان میں ایک جانور ایسا تھا جس کا نام ریونگ تھا، جس کا منہ اور پنجہ بکری کی طرح تھا لیکن مجموعی حیثیت سے وہ ایک بندر نظر آتا تھا، مگر دم نہیں رکھتا تھا۔ البتہ اس کی حرکات بندر جیسی تھیں۔ اسے ہندی میں بن مانس کہتے ہیں۔ عمر کے اعتبار سے وہ تین سال کا ہوتا تھا۔ اگرچہ اس درویش کے پاس عرصہ پانچ سال سے تھا، شاید وہ اس سے بھی زیادہ نہیں بڑھتا۔

خوراک اس کی دودھ دہی یا کیلا تھی۔ جہانگیر نے مصوروں کو اس کی تصویر بنانے کا فرمان جاری کیا کہ اس طرح بنائیں کہ اس کی حرکات اور سکنات ظاہر ہوں اور جہانگیر صحیح معنوں میں مصوری سے نفسیاتی معلومات پہنچا کر خط رکھنا چاہتا تھا۔

جہانگیر مزید لکھتا ہے کہ پندرہویں سال کے حالات میں جب وہ کشمیر میں مقیم تھا تو اس سال دولت خانہ کے باغیچہ اور جامع مسجد کی چھت پر گل لالہ بکثرت کھلے ہوئے تھے۔ یاسمین کبود باغ میں کثرت سے ہوتا ہے اور سفید یاسمین بھی، جسے اہل ہند چنبیلی کہتے ہیں اور جو خوشبودار ہوتا ہے اور ایک چنبیلی کا پھول صندل کے رنگ کا ہوتا ہے۔ گلاب کی ایک قسم دیکھنے

میں آئی، جس کا رنگ صندل کی طرح اور خوشبو نہایت لطیف، ہوتی تھی۔ گل جعفری ہرا اور خوشبودار ہوتا تھا۔ غرض جہانگیر کشمیر کے بیان میں اس قدر پھولوں کی اقسام کا ذکر کرتا ہے، جن کا شمار ناممکن ہے۔ جن پھولوں کی تصاویر نادر العصر مصور نے جہانگیر کے فرمان سے بنائیں وہ سو سے زیادہ اقسام کی ہیں اور مصور کے اکثر کارنامے جو اس ضمن میں بہت اہمیت رکھتے ہیں اکثر مجموعوں میں ملتے ہیں۔ اس کے آگے چل کر کشمیر کے بیان میں وہ لکھتا ہے کہ وہاں ایک نالے کے پانی میں ایک پرندہ سعد کی طرح نظر آیا، حکم دیا کہ ان میں سے دو کو پکڑ کر لایا جائے تا کہ معلوم ہو کہ وہ مرغابی کی قسم میں سے تو نہیں۔ اس کے پاؤں کے درمیان چمڑا ملا ہوا تھا، یا مثل دریائی جانور کے کھلا ہوا تھا۔ ان میں سے دو جانور لائے گئے ایک تو فی الفور مر گیا اور دوسرا ایک دن زندہ رہا۔ اس کا پنجہ مرغابی کی طرح پیوستہ نہ تھا۔ چنانچہ فوراً استاد نادر العصر منصور نقاش کو حکم ہوا کہ اس کی شبیہ کھینچے، وہاں کے لوگ اسے گلکری کہتے تھے، یعنی سعد آبی۔

✧ ✧ ✧

اسی روز مغرب کی نماز کے بعد رستم خان امبر کے راجہ جگن ناتھ کے خیمے کے دروازے پر آیا اور دروازے پر کھڑے ہو کر کھنکارتے ہوئے اس نے اپنی موجودگی کا پتا دیا۔ خیمے میں اس وقت راجہ جگن ناتھ' اس کی پتنی سروجنی' دونوں بیٹیاں مالتی' سمترا نے بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے رستم خان کی طرف دیکھا۔ اس موقع پر وہ کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ اس سے پہلے جگن ناتھ بول اٹھا' کہنے لگا۔

"بیٹے خیمے کے دروازے پر تم یوں رک گئے ہو جیسے ہم سے کوئی شناسائی نہ ہو' جیسے ہم تمہارے لئے اجنبی ہوں' اندر آؤ بیٹے یہ خیمہ تمہارا اپنا ہے۔"

اس پر رستم خان آگے بڑھا۔ جگن ناتھ اور شنکر ناتھ کے قریب ہو بیٹھا۔ اس موقع پر سروجنی رستم خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"بیٹے مجھے مالتی اور سمترا کو تمہارے خلاف بے شمار شکوے اور شکایتیں ہیں۔ لاہور کے اس دلکش باغ میں گزشتہ کئی دنوں سے ہم نے قیام کیا ہوا ہے اور اب پہلا موقع ہے کہ تم ہمارے خیمے میں آئے ہو' وہ بھی مالتی اور سمترا بتا رہی تھیں کہ انہوں نے تمہیں کھانے پر بلایا ہے۔ دیکھو بیٹے........."

یہاں تک کہتے کہتے سروجنی کو رک جانا پڑا' اس لئے کہ رستم خان وضاحت پیش کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"آپ کا کہنا درست ہے۔ آج دریائے راوی کے کنارے مالتی اور سمترا مجھے ملی تھیں۔ انہوں نے یہ شکوہ کیا تھا اور میں نے وضاحت کر دی تھی۔ دراصل شہنشاہ اور نور جہاں لاہور کے مختلف مقامات کی طرف جاتے رہے ہیں۔ میں چونکہ شہنشاہ کے محافظ دستوں کا سالار ہوں۔ لہٰذا مجھے ان کے ساتھ رہنا ہوتا ہے اس بنا پر مجھے یہاں زیادہ آنے کا موقع نہ ملا' اس

کیلئے میں معذرت خواہ ہوں۔"

رستم خان کے خاموش ہونے پر مسکراتے ہوئے جگن ناتھ کہنے لگا۔

"رستم خان ٹھیک کہتا ہے' اسے وقت ہی بہت کم ملتا ہے۔ کیسے ہماری طرف آتا۔ رات کو شہنشاہ کی خیمہ گاہ کے گرد جو پہرہ ہوتا ہے وہاں جو پہرے دار بدلتے ہیں ان کی تبدیلی بھی رستم خان ہی کی ذمہ داری ہے۔" جگن ناتھ یہاں تک کہنے کے بعد رکا۔ دوبارہ رستم خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"بیٹے آج عشاء کی نماز کے بعد دلکشا باغ میں بیکانیر کی مغنیہ پورن کے ساتھ بھی ایک مجلس ہے۔ کہتے ہیں آگرہ میں جہانگیر کے سامنے جو نغمہ الاپا تھا اس سے جہانگیر بڑا متاثر ہوا تھا اور اسی بناء پر آج پھر اسے دلکشا باغ میں گانے کی دعوت دی گئی ہے۔ یہ مغنیہ بھی عجیب و غریب ہے جو کچھ میں نے اس کے متعلق سنا ہے وہ یہ کہ بیکانیر کی رہنے والی ہے' جہاں تک اس کی شخصیت کا تعلق ہے تو وہ خوبصورت حسین' پرکشش تو ہے ہی لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ وہ بیکانیر سے آگرہ کس کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئی۔ بیکانیر کا رہنے والا کوئی ایسا شخص تھا جس سے وہ دل لگا بیٹھی۔ اس کے بعد دو ہی نتیجے سامنے آئے ہوں گے یا تو وہ شخص بیکانیر سے کہیں اور چلا گیا ہوگا یا اس نے بیکانیر کی اس مغنیہ پورن کی محبت کا جواب مثبت انداز میں نہیں دیا ہوگا اور وہاں سے نکل کھڑا ہوا ہوگا۔ چنانچہ وہ اپنی محبت اور چاہت کی ماری اس کی تلاش میں بیکانیر سے نکلی' نگر نگر گھومتی ہوئی آگرہ پہنچی۔

ہوسکتا ہے بتانے والوں نے اسے بتایا ہو کہ جسے وہ چاہتی ہے وہ آگرہ میں قیام کئے ہوئے ہے۔ چنانچہ وہ شہر شہر اپنی محفلیں جماتی اپنے سازندوں کے ساتھ آگرہ پہنچ گئی۔ اب حیرت کی بات ہے کہ لوگ اس سے پوچھتے ہیں کہ یہاں آ کے تمہیں وہ شخص ملا جسے تم چاہتی ہو تو خرم نے ایک موقع پر انکشاف کیا کہ مغنیہ کہتی ہے جس سے وہ ملنا چاہتی تھی آگرہ میں اس سے ملاقات تو ہوگئی ہے لیکن وہ بتاتی نہیں کہ وہ کون ہے' کہاں اور کس جگہ اس سے ملاقات ہوئی۔ کیسے وہ اس کی محبت ہے بلکہ اس کا نام اسے شہنشاہ کے سامنے بتانا چاہئے تھا۔ ہوسکتا ہے اگر وہ شخص مغنیہ سے اس بنا پر شادی نہ کرنا چاہتا ہو کہ وہ گانے بجانے والی ہے تو شہنشاہ کے کہنے پر ہوسکتا ہے وہ مغنیہ کو اپنا لے' اسے اپنی بیوی بنا لے۔"

سمترا یہیں تک کہنے پائی تھی کہ اعتراض کرنے کے انداز میں سروجنی بول اٹھی۔

''میں کہتی ہوں کہ تم دونوں بہنیں اسی طرح گفتگو کرتی رہوگی' کیا تم نے ایسی ہی گفتگو کرنے کیلئے رستم خان کو یہاں بلایا تھا۔ پہلے اٹھو کھانے کے برتن لگاؤ' کھانا کھاتے ہیں اس کے بعد رستم خان کے پاس جتنا وقت ہوا اس کے دوران تم جس موضوع پر چاہتی ہو اس سے گفتگو کر لینا۔''

مالتی اور سمترا دونوں نے اس سے اتفاق کیا۔ دونوں بہنیں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ شنکرناتھ بھی ان کے ساتھ تھا۔ انہوں نے کھانے کے برتن وہاں لگائے پھر وہ بڑے پرسکون ماحول میں کھانا کھانے لگے تھے۔

کھانے کے بعد مالتی اور سمترا دونوں بہنوں نے برتن سمیٹ کر ایک طرف رکھ دیئے' پھر پہلے کی طرح سب رستم خان کے پاس بیٹھ گئے اور رستم خان کو وہاں بٹھانے اور باتوں میں مشغول رکھنے کیلئے آخر گفتگو کا آغاز سمترا نے کیا اور رستم خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''آپ کہہ رہے تھے کہ آپ کو وقت ہی نہیں ملا' آپ کو جگہ جگہ شہنشاہ کے ساتھ جانا پڑتا ہے۔ پہلے آپ ہمیں یہ بتائیں کہ آپ شہنشاہ اور نورجہاں کو کہاں کہاں لے کر گئے۔ اس طرح ہمیں بھی کچھ پتا چلے گا کہ شہنشاہ اور ان کی ملکہ کہاں کہاں جانا پسند کرتی ہیں اور کہاں کہاں وہ گئے۔''

جواب میں رستم خان نے ایک لمبا سانس لیا' کہنے لگا۔ ''پہلے تو وہ مغلپورہ گئے۔ یہ ان کا اپنا محلہ ہے۔ دراصل مغل جب پہلے پہل ان سرزمینوں میں آئے تو اسی جنت نظیر علاقے میں آباد ہوئے۔ یہاں ہر طرف گھنی چھاؤں والے درخت' پھولوں اور پھلوں سے لدے سبزہ زار اور پانی کی فراوانی ہے۔ سب سے بڑھ کر کھلا آسمان اور ایک ندی بھی یہاں سے بہتی ہے۔ مغل جب پہلے پہل لاہور آئے تو ہندوطرز کے گھٹے گھٹے چھوٹے تنگ اور تاریک مکانوں کا ماحول ان کیلئے قابل قبول نہ تھا۔ چنانچہ مغلوں نے شہر پناہ سے دور اپنی جمالیاتی حس کے مطابق ایسی عمارات تعمیر کیں جو کہ نہ صرف وسیع ہیں بلکہ ان کے گرد باغات کی بھی گنجائش ہے۔ یوں ہمایوں کے عہد میں مغلپورہ آباد ہوا۔ یہ وہ وقت تھا جب شہر کا تعمیراتی رقبہ ایک مربع میل میں نہ تھا' بیرونی شہر مزنگ اور مغلپورہ ایک ہی وقت میں آباد ہوئے' لیکن یہ امراء اور رؤسا اعلیٰ عسکری سپہ سالاروں اور بہت بڑے سوداگروں کے محلات اور باغات پر مشتمل تھا' اس لئے اس کی شان وشوکت اور پرشکوہ ماحول سب سے منفرد تھا۔ (ابدالی کو اپنے پہلے حملے

میں اس حملے سے اتنی دولت حاصل ہوئی کہ سپاہیوں کو اس کا اٹھانا اور سنبھالنا ممکن نہ رہا۔ چنانچہ وہ شہر میں داخل ہوئے بغیر چلا گیا۔ رنجیت سنگھ کے زمانے میں سکھوں نے خزانوں اور دفینوں کی تلاش میں ان عمارات کی بنیادیں حتیٰ کہ قبرستان تک کھدوائے' پر آج بھی یہاں تاریخی عمارات کے آثار باقی ہیں)۔''

یہاں تک کہنے کے بعد رستم خان رکا' پھر سمترا کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''سمترا! یہاں آنے کے بعد شہنشاہ کو لاہور کے شہریوں نے شکایتیں کی تھیں کہ یہاں کی کچھ مساجد کی حالت خستہ اور کچھ کے کچھ حصے خستہ ہو رہے ہیں۔ لہٰذا شہنشاہ نے ان سب مساجد کی مرمت اور جو علاقے بوسیدہ ہوگئے ہیں ان کی ازسرنو تعمیر کا حکم دے دیا ہے۔ ان میں پہلی تو بیگم شاہی مسجد ہے۔ یہ مسجد اکبر کی بیوی بیگم مریم زمانی نے شاہی قلعہ کے مشرقی دروازے کے سامنے تعمیر کروائی تھی۔ یہ مسجد ایک سوتیس فٹ لمبی اور چونتیس فٹ چوڑی ہے۔ اس میں پانچ محرابیں اور پانچ ہی گنبد بنائے گئے ہیں۔ مرکزی گنبد اور محراب نسبتاً بڑے تھے۔ صحن میں حوض بھی بنا ہوا تھا۔ البتہ میناروں کے آثار نظر نہیں آتے۔ خیال ہے کہ شاہی قلعہ سے مسجد تک ایک زمین دوز راستہ شاہی خاندان اور قلعہ کے عہدیداروں کیلئے بنا ہوا تھا۔ (اس راستے کو غالباً سکھوں کے عہد میں بند کر دیا گیا تھا۔ راجہ رنجیت سنگھ نے اپنے دور اقتدار میں وہاں ایک باورچی خانہ بنا دیا تھا۔''

''دوسری مسجد جس کا معائنہ جہانگیر نے کیا' یہ نیویں مسجد کہلاتی ہے۔ یہ مسجد لودھی سلطنت کے زمانے میں امیر ذوالفقار علی خان نے تعمیر کرائی تھی۔ قدیم مسجد سطح زمین سے اس قدر پست ہے کہ محسوس ہوتا ہے کہ اس کے بانی نے اس کی انفرادیت کیلئے زمین کو ایک منزل کھدوا کر اس کی بنیاد رکھی' لیکن یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اردگرد کے کوچوں کی سطح زمین ہی اتنی پست ہو۔ اس مسجد میں کمال بات یہ ہے کہ جو پانی اس مسجد میں استعمال ہوتا ہے وہ بڑے عجیب طریقے سے زمین میں ہی چلا جاتا ہے۔ یوں برصغیر کی یہ پہلی مسجد ہے جس میں استعمال شدہ پانی کا اس طرح طریق کار رکھا گیا ہے۔''

''تیسری مسجد جس کو دیکھنے اور جس کے متعلق احکامات جاری کرنے کیلئے جہانگیر اور نورجہاں گئے یہ مسجد مفتیاں ہے۔ بہلول لودھی کے زمانے میں اسے مفتی کمال الدین نے چوک رنگ محل کے قریب کوچہ مفتیاں میں تعمیر کروایا' جس میں دینی تعلیم کیلئے مدرسہ بھی قائم

ہے۔جس میں ان کی اولاد چھ پشتوں تک درس وتدریس میں مصروف رہی۔ اس مسجد کی مشرقی دیوار کے ساتھ حویلی نواب جہاں خان تعمیر ہوئی (سکھ عہد میں یہ کھنڈر ہوگئی تو کنور نہال سنگھ کے داروغہ اصطبل دلاور خان نے مسجد کے صحن میں حویلی تعمیر کرنا شروع کردی تو مسلمانوں کو ہوش آیا۔ راجہ کھڑک سنگھ نے حویلی کی تعمیر بند کرائی اور مسلمانوں کو مسجد بنانے کی ترغیب دی۔ مفلوک الحال مسلمانوں نے چندہ جمع کر کے جو مسجد بنائی وہ ایک بارش برداشت نہ کرسکی اور بہہ گئی۔ بعدازاں رئیس لاہور نواب عبدالمجید خان نے اسے ازسرنو پختگی سے تعمیر کروایا۔)

چوتھی مسجد جس کے متعلق دیکھ کر جہانگیر نے احکامات جاری کئے وہ ٹکسالی مسجد ہے۔ موجودہ ٹکسالی دروازے کے اندر دوراہوں کے مقام اتصال پر افغان طرز تعمیر کی ایک قدیم پختہ مسجد ہے۔ یہ غالباً لودھی خاندان کے ناظم لاہور دولت خان نے تعمیر کرائی۔ عہد اکبری میں یہ محلہ تل بگا کہلاتا تھا اور جولاہا خاندان کثرت سے آباد تھے۔ اس مسجد میں اس وقت مدرسہ بھی قائم تھا۔ امام اور مدرس باقاعدگی سے مقرر کئے جاتے تھے۔'' یہاں تک کہنے کے بعد رستم خان خاموش ہوگیا۔ اس کے خاموش ہونے پر سمترا پریشان ہوگئی تھی۔ شاید وہ یہ سمجھی تھی کہ اب وہ رستم خان اٹھ کر چلا جائے گا۔ لہٰذا اسے پھر وہاں بٹھانے اور گفتگو میں مصروف رکھنے کیلئے سمترا بول اٹھی۔

''آج جو مغنیہ پورن کے ساتھ محفل سجائی جارہی ہے سنا ہے اس میں عورتیں بھی شامل ہوں گی اور عورتوں کیلئے علیحدہ پردے اور نشستوں کا اہتمام کیا گیا ہے۔''

جواب میں رستم خان مسکرایا اور کہنے لگا۔

''بالکل انتظام کیا گیا ہے اور آگرہ سے آئی ہوئی عورتیں ساری اس محفل میں شریک ہوں گی۔'' اس پر بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے سمترا کہنے لگی۔

''میں ماتا اور مالتی بھی جائیں گی۔''

اس موقع پر سمترا نے اپنی بڑی بہن مالتی کو مخصوص اشارہ کیا' جس پر مالتی اپنی ماں سروجنی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''ماتا اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو میں اور سمترا دونوں بہنیں رستم بھائی کو اپنے خیمے میں لے جائیں۔ ہم ان سے رتن کمار کے موضوع پر گفتگو کرنا چاہتی ہیں۔''

سروجنی اور جگن ناتھ دونوں میاں بیوی نے جب انہیں ایسا کرنے کی اجازت دے دی

تب مالتی اپنی جگہ پر اٹھ کھڑی ہوئی' مسکراتے ہوئے سمترا بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس موقع پر رستم خان مالتی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''مالتی میری بہن تم اپنے سسرال آئی ہوئی ہو' کیا تم ان کے ہاں ان سے ملنے کیلئے نہیں جاؤ گی۔''

تیز نگاہوں سے مالتی نے رستم خان کی طرف دیکھا' پھر کہنے لگی۔

''بھائی ابھی وہ میرے سسرال نہیں ہیں' صرف رشتہ طے ہوا ہے۔ منگنی بھی طے نہیں ہوئی تو پھر وہ میرے سسرال کیسے ہوئے۔ ویسے......''

مالتی کو خاموش ہوجانا پڑا' اس لئے کہ مسکراتے ہوئے جگن ناتھ بول اٹھا۔

''رستم خان میرے بیٹے تم ٹھیک کہتے ہو' وہ سب ہم سے ملنے کیلئے آئے تھے اس وقت تم یہاں موجود نہیں تھے۔ وہ کافی دیر یہاں بیٹھے رہے۔ وہ تم سے بھی ملاقات کرنا چاہتے تھے لیکن تم شہنشاہ کے ساتھ مصروف تھے' اس بنا پر وہ چلے گئے۔''

رستم خان بھی اٹھ کھڑا ہوا اور جگن ناتھ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ''اب میں جاتا ہوں عشاء کی نماز کے بعد مغنیہ پورن کی مجلس میں ملاقات ہوگی۔''

اس موقع پر مالتی نے گھورنے کے انداز میں رستم خان کی طرف دیکھا اور کہنے لگی۔

''ابھی آپ نے جانا کہاں ہے' ابھی تو آپ نے میرے اور سمترا کے خیمے کی طرف جانا ہے۔ یہ خیمہ تو ماتا پتا کا ہے۔ میرا سمترا اور بھائی شنکر کا خیمہ تو ساتھ والا ہے۔''

اس پر رستم خان ان کے ساتھ ہولیا۔ مالتی اور سمترا دونوں اسے ساتھ والے خیمے میں لے گئیں۔ خیمے میں داخل ہونے کے بعد رستم خان کہنے لگا۔

''مالتی میری بہن جو کچھ کہنا ہے جلدی جلدی کہو' میں زیادہ دیر رکوں گا نہیں۔''

اس موقع پر سمترا نے گھورنے کے انداز میں رستم خان کی طرف دیکھا' کہنے لگی۔

''آپ بیٹھیں تو سہی بیٹھنے سے پہلے ہی آپ نے بھاگنے اور جانے کا واویلا شروع کردیا ہے۔''

اس پر سمترا کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے رستم خان بیٹھ گیا' پھر گفتگو کا آغاز مالتی نے کیا اور رستم خان کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''رستم خان میرے بھائی اگر آپ برا نہ مانیں تو کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ آپ نے

ساہوکار مال دیو کی بیٹی رتن کماری سے شادی کرنے سے کیوں انکار کردیا' کیا آپ نے اسے پہلے سے دیکھ رکھا تھا جو آپ نے اسے ناپسند کردیا۔''

جواب میں رستم خان سنجیدہ ہوگیا' کہنے لگا۔

''میں نہ ساہوکار مال دیو کو جانتا ہوں نہ ان کی بیٹی رتن کماری کو اور نہ ہی میں نے اسے دیکھ رکھا ہے۔ ان کی کوئی گھریلو خاتون یہ رشتہ لے کر آئی تھی تو انکار ہوگیا۔'' اس بار مالتی کے بجائے سمترا بول اٹھی۔

''جب آپ نے رتن کماری کو دیکھا ہی نہیں تو پھر آپ نے اس سے شادی کرنے سے انکار کیوں کردیا' انکار تو اس وقت کیا جاتا ہے جب کسی لڑکی کو دیکھا جائے اور وہ پسند نہ آئے۔''

یہاں تک کہتے کہتے سمترا کو رک جانا پڑا اس لئے کہ مالتی بول اٹھی اور کہنے لگی۔

''سمترا تم سمجھی نہیں ہو یہ ضروری نہیں ہے کہ جس لڑکی کو پہلے دیکھا جائے پھر اس کے رشتے سے انکار کیا جائے کہ وہ پسند نہیں ہے۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ بھائی رستم خان پہلے سے کسی لڑکی کو پسند کرتے ہوں' اس بنا پر رتن کماری کو دیکھے بغیر انہوں نے انکار کردیا ہو۔''

اس موقع پر ہلکا سا تبسم رستم خان کے چہرے پر نمودار ہوا تھا۔'' کہنے لگا لگتا ہے تم دونوں بہنیں صلاح مشورہ کرنے کے بعد اس موضوع پر گفتگو کرنے لگی ہو' دیکھو تم دونوں بہنیں جو اندازے لگا رہی ہو اس میں کچھ کچھ سچ بھی ہوسکتا ہے۔''

''یعنی آپ پہلے سے کسی لڑکی کو پسند کرتے ہیں۔'' مالتی نے غور سے رستم خان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ لیا تھا۔

رستم خان پھر مسکرایا اور کہنے لگا۔

''بس یوں ہی سمجھ لو۔''

رستم خان کے ان الفاظ پر لمحہ بھر کیلئے سمترا پریشان ہوگئی تھی۔ رنگ پیلا ہوگیا تھا' پھر ایک دم چونکی اور رستم خان کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''کیا اس لڑکی سے متعلق ہمیں بتائیں گے کہ وہ کون ہے' کہاں رہتی ہے؟''

جواب میں رستم خان پھر بولا اور کہنے لگا۔

''ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ میں بتاؤں کہ وہ لڑکی کون ہے' کہاں رہتی ہے۔ ابھی معاملہ

یکطرفہ ہے۔ ہوسکتا ہے وہ مجھے پسند نہ کرتی ہو۔ لہٰذا اس کا نام کسی اور سے کہنا معیوب ہے۔''

رستم خان کے خاموش ہونے پر سمترا نے جستجو بھرے انداز میں پوچھ لیا۔

''کیا وہ خوبصورت اور حسین ہے؟''

''بے حد خوبصورت اور حسین ہے۔'' رستم خان بول اٹھا۔

''کیا وہ رتن کماری سے بھی زیادہ خوبصورت ہے۔''

رستم خان تیزی سے بول اٹھا۔

''بالکل وہ رتن کماری سے بھی زیادہ خوبصورت ہے۔'' رستم خان نے تیزی سے جواب دیا تھا۔

''کیا وہ پورن نام کی مغنیہ سے بھی زیادہ دلکش اور جاذب نظر ہے؟''

رستم خان مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

''پورن نام کی وہ مغنیہ تو اس لڑکی کی شخصیت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے' جسے میں پسند کرتا ہوں۔ رہی بات رتن کماری کی تو رتن کماری کو تو میں نے دیکھا ہی نہیں ہوا' لیکن میں اندازے سے کہہ سکتا ہوں کہ رتن کماری حسن اور خوبصورتی میں اس لڑکی سے بہت پیچھے ہوگی جسے میں اپنی زندگی کا ساتھی بنانا چاہتا ہوں اور جسے پسند کرتا ہوں۔''

''جس لڑکی کو آپ پسند کرتے ہیں آخر اس کا نام بتانے میں حرج ہی کیا ہے؟''

اس بار رستم خان نے غور سے سمترا کی طرف دیکھا' پھر کہنے لگا۔

''اس وقت نہیں آپا' ابھی میرے اور اس کے بیچ میں کافی دوریاں اور کافی رکاوٹیں ہیں' جس کی بنا پر میں قطعی کسی سے اس کا نام نہیں کہوں گا۔'' رستم خان کے اس جواب سے سمترا مایوس ہوئی تھی۔ رستم خان کو کریدنے کیلئے اس نے پھر سوال داغ دیا۔

''جس لڑکی کو آپ پسند کرتے ہیں اس کی کون سی چیز آپ کو زیادہ پسند ہے؟''

جواب میں رستم خان نے اس سوال پر قہقہہ لگایا' کہنے لگا۔

''وہ ساری کی ساری مجھے پسند ہے۔ اس کی ہر ادا' اس کا اٹھنا بیٹھنا' اس کا چلنا پھرنا' اس کا گفتگو کرنا' اس کی شخصیت' اس کا قد کاٹھ' اس کی خوبصورتی' اس کا حسن' اس کا شباب' اس کی جوانی' یوں جانو اس کی ہر چیز پسند ہے۔ اس کی ہر چیز میرے معیار اور خواہش کے عین مطابق ہے۔''

اس بار مالتی نے منت کرنے کے انداز میں کہا۔ ”بھائی کم از کم ہم دونوں کو تو اس کا نام بتا دیں۔ میں اپنی اور سمترا کی طرف سے وعدہ کرتی ہوں کہ ہم کسی سے اس کا نام ظاہر نہیں کریں گی۔“

اس پر رستم خان نے نفی میں گردن ہلائی‘ کہنے لگا۔

”ایسا ہو ہی نہیں سکتا‘ اس لئے کہ یہ ساری باتیں قبل از وقت ہیں۔ حتیٰ کہ میرے باپ تک کو یہ پتا نہیں ہے کہ میں کسی لڑکی کو پسند کرتا ہوں‘ میں اس کا نام اس وقت سب سے پہلے اپنے باپ سے کہوں گا جس وقت اس لڑکی نے کسی اور کی زبان سے یا خود میرے روبرو یوں کہا کہ وہ مجھے پسند کرتی ہے‘ چاہتی ہے۔ جب ایسا ہوگا تب اس کا نام میں صرف اپنے باپ سے نہیں ہر پوچھنے والے سے کہہ سکوں گا کہ فلاں لڑکی ہے‘ جسے میں پسند کرتا ہوں اور اپنی زندگی کی ساتھی بنانا چاہتا ہوں۔“

اس موقع پر سمترا بھی کچھ پوچھنا چاہتی تھی کہ عین اسی لمحہ لشکر گاہ میں عشاء کی اذان سنائی دی‘ اس پر رستم خاں اٹھا اور کہنے لگا۔

”دیکھو! میں اب جاتا ہوں‘ عشاء کی اذان ہو رہی ہے اور نماز کے بعد نور جہاں کی بیٹی لاڈلی بیگم اور شہزادہ شہریار کی منگنی کی رسم بھی ادا کی جائے گی اور اسی رسم کے موقع پر دیوان نام کی مغنیہ کو گانے کی دعوت بھی دی گئی ہے۔“ اس کے ساتھ ہی رستم خان وہاں سے چلا گیا تھا۔

✧ ✧ ✧

اسی روز دلکشا باغ میں ایک جشن کا اہتمام کیا گیا۔ جہانگیر کی طرف سے ان گنت لوگوں کی دعوت کا اہتمام کیا گیا تھا اور جشن کے اسی موقع پر نور جہاں کی بیٹی لاڈلی اور شہزادہ شہریار کی منگنی کا اہتمام کر دیا گیا تھا۔ اس کے بعد جشن ہی کے دوران مغنیہ کو گانے کی دعوت دے رکھی تھی۔ چنانچہ لوگوں کے بیچ میں اس کے بیٹھنے کیلئے ایک شہ نشین بنا دی گئی تھی۔ پورن نام کی وہ مغنیہ بڑے وقار اور بڑے دبدبے کے ساتھ اپنے دونوں سازندوں کے ساتھ اس شہ نشین پر آئی‘ جب وہ شہ نشین پر آئی تب لوگوں نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے تالیاں بجائیں بلکہ کچھ منچلوں نے اس کے حق میں نعرے بھی لگائے۔ اس موقع پر مغنیہ پورن ہاتھ ہلاتے ہوئے لوگوں کی خوشی کے اظہار کا جواب دے رہی تھی‘ پھر وہ بیٹھ گئی۔ سازندے بھی ایک طرف ہو بیٹھے۔ کچھ دیر تک وہ اپنے سازندوں سے گفتگو کرتی رہی‘ اس کے بعد دونوں سازندوں نے

ساز بجانا شروع کئے تھے اور اس سے تھوڑی ہی دیر بعد مغنیہ نے بڑے دلنشیں انداز میں اپنی پرکشش آواز میں گانا شروع کیا تھا۔ اس کے گانے کے بول کچھ اس طرح تھے۔

ایسی ڈوبی پریت ماسدھے بدھے اپنی ماکھوئی
رخ پھیرا جو میت نے میں دھار و دھار ہی روئی
لو میں پنچھی شام کو جانے کو سب گھر اپنے
ما بدبخت وہاں کھڑی کہ ٹھور لٹیا نہ کوئی
گائیں رات کو جھینگر درد اپنے کی ملہار
روؤں ما من مورے نے یہ کیسی پریت سموئی
پنکھ پکھیرو سب سوئیں مجھ سے ہی نیند ہے نالاں
من اپنے کی بیتا سے ہوش ہے مانے کھوئی
آس کے اس جنگل ما مجھے خار ہی خار ملیں
کاٹونگی میں کیا کچھ فصل کوئی نہ بوئی
پانی بھرن کو آئیں بھاگ بھاگ سب سکھیاں
خالی ٹھلیا من کی ماصدا کی تشنہ ہوئی
دور کہیں پپیہہ بولے رو رو بارش مانگے
رات سے اس کو سن کر کچھ ویسی ما بھی روئی

✧ ✧ ✧

جہانگیر اور نورجہاں دونوں نے اپنے لاؤلشکر کے ساتھ چند روز تک لگاتار لاہور میں قیام کیا۔ پھر وہ آگرہ کی طرف واپس روانہ ہوئے اور آگرہ پہنچ کر نورجہاں نے بڑی شان و شوکت اور بڑے طمطراق کے ساتھ اپنی بیٹی لاڈلی بیگم کی شادی شہزادہ شہریار سے کردی تھی۔

اب نورجہاں کی یہ پالیسی ہوگئی تھی کہ وہ جہانگیر کے سارے ہی بیٹوں کو نظرانداز کرکے اپنی بیٹی لاڈلی بیگم کے شوہر شہزادہ شہریار کو اپنی آنکھوں کا تارا بنانے لگی تھی اور اس کی ہمہ وقت یہی کوشش رہتی تھی کہ جہانگیر کے ذہن میں یہ بات ڈالتی رہے کہ اس کے بعد تخت و تاج کا مالک شہریار ہوگا۔ دوسری طرف جہانگیر کے دوسرے بیٹے تو اکثر شراب میں دھت رہ کر بدلتے حالات سے غافل ہی رہے لیکن خرم یعنی شاہ جہاں بیدار مغز تھا وہ جان گیا تھا کہ نورجہاں کے کیا ارادے ہیں۔ لہٰذا نورجہاں نے خرم کی مخالفت شروع کردی تھی۔ وہاں شاہ جہاں بھی جوابی کارروائی کرتے ہوئے نورجہاں کی مخالفت پر اتر آیا تھا۔

✧ ✧ ✧

جہانگیر ایک بار پھر دکن کے حالات سے فکرمند ہوا۔ گو اس نے دکن کا حاکم اپنے بیٹے پرویز کو بنا رکھا تھا لیکن پرویز دکن کے حالات درست نہ کرسکا۔ دراصل شہزادہ پرویز نے ابھی امور مملکت کی طرف مناسب توجہ دینے کی جگہ محفلیں سجانے پر ہی قناعت کی جبکہ دوسری جانب جہانگیر فتوحات دکن کو مکمل کرنے کیلئے بے قرار تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ دکن کے والی کی حیثیت سے دکن میں اس کے بیٹے پرویز نے کوئی نمایاں کارکردگی ظاہر نہیں کی اور نہ ہی کوئی کامیابی حاصل کی ہے تب اس نے شہزادہ پرویز کو الٰہ آباد تبدیل کرنے اور اس کی جگہ شہزادہ خرم کو بھیجنے کا فیصلہ کیا۔

جہانگیر کے اس فیصلہ سے نورجہاں بھی خوش تھی۔ اس کا خیال تھا کہ دکن کے حالات کو

اگر پرویز درست نہیں کرسکا، جگہ جگہ بغاوتوں کا سلسلہ قائم ہے تو ان حالات کو خرم بھی درست نہیں کرپائے گا اور جب خرم دکن میں ناکام ہوجائے گا تب اس کے خلاف نورجہاں جہانگیر کے کان بھرے گی اور ایسے حالات پیدا کردے گی کہ جہانگیر اپنے بیٹے خرم سے مایوس ہوجائے اور اس کی جگہ نورجہاں کے داماد اپنے بیٹے اور لاڈلی بیگم کے شوہر شہریار کو اپنا وارث قرار دے۔

چنانچہ ان حالات میں جہانگیر نے ایک روز شاہ جہاں کو اپنے پاس بلایا۔ نورجہاں بھی اس وقت وہاں موجود تھی۔ جہانگیر نے شاہ جہاں کو اپنے قریب بٹھایا، پھر اسے مخاطب کرکے کہنے لگا۔

"خرم میرے بیٹے! تمہارا بھائی پرویز دکن میں مکمل طور پر ناکام ہوا ہے۔ حالات جوں کے توں ہیں، جگہ جگہ بغاوتیں اٹھ رہی ہیں اور حالت یہ ہے کہ بیجاپور کے حاکم ابراہیم عادل شاہ نے آج کل پر پرزے نکال لئے ہیں، ماضی میں وہ ہمیں خراج ادا کرتا رہا تھا۔ اب اس نے نہ صرف خراج ادا کرنے سے انکار کردیا ہے بلکہ اس نے ہمارے بہت سے علاقوں پر بھی قبضہ کرلیا ہے اور یہ معاملہ یقیناً ہماری سلطنت کیلئے ایک رسوا کن حادثہ ہے۔ بیٹے! میں نے فیصلہ کیا ہے تمہارے بھائی پرویز کو الٰہ آباد منتقل کردیا جائے۔ وہ الٰہ آباد کے حالات درست کرے جبکہ میں چاہتا ہوں کہ دکن کے حالات درست کرنے کیلئے تم خود دکن کا رخ کرو۔ اس سلسلہ میں تم کیا کچھ چاہتے ہو، کسے اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہو مجھے بتادو تاکہ اس کا اہتمام کردیا جائے۔"

جہانگیر جب خاموش ہوا تب خرم نے کچھ سوچا، پھر کہنے لگا:

"شہنشاہ معظم! ایک لشکر پہلے سے دکن میں موجود ہے۔ ہمارے لشکر کا ایک حصہ الٰہ آباد میں بھی موجود ہے۔ اگر آپ پرویز کو الٰہ آباد بھیجنا چاہتے ہیں تو اس کے پاس وہی لشکر رہے جو اس وقت الٰہ آباد میں موجود ہے۔ دکن میں جو اس وقت لشکر ہے اسے دکن ہی میں رہنے دیا جائے۔ میں یہاں سے کچھ مزید دستے اپنے ساتھ لے جانا پسند کروں گا اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ دکن کے حالات درست کرنے میں میں زیادہ وقت نہیں لوں گا۔"

یہاں کہنے کے بعد خرم رکا، پھر غور سے جہانگیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا:

"میں اپنے ساتھ رستم خاں کو بھی لے جانا چاہتا ہوں۔ وہ ایک ایسا سالار ہے جس پر ہر

ضرورت پر برے وقت میں اعتماد اور بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ میں چاہتا تو یہ تھا کہ اس کے باپ فرید خاں کو بھی اپنے ساتھ رکھوں لیکن فرید خاں ان دنوں کچھ علیل ہے۔ میں دراصل اس کے تجربات سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ اس لئے کہ فرید خاں ہمارے سارے بزرگ سالاروں میں سب سے زیادہ تجربہ کار اور ہنرمند سالار ہے۔ رستم خاں کے علاوہ میں کچھ اور چھوٹے سالاروں کو بھی اپنے ساتھ رکھنا چاہوں گا تا کہ آپ کی امیدوں کے مطابق میں دکن کے حالات درست کرنے میں کامیاب رہوں۔"

خرم کی اس گفتگو سے جہانگیر نے کس قدر طمانیت محسوس کی تھی' پھر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے خرم کو وہ مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا:

"تمہیں اجازت ہے کہ رستم خاں کے علاوہ جن مزید سالاروں کو بھی تم اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہو' لے جاؤ اور لشکر کے جو مزید دستے تم یہاں سے دکن لے جانا چاہتے ہو انہیں بھی تمہیں ساتھ لے جانے کی اجازت ہے۔ اپنی مرضی کے مطابق تم وہ دستے علیحدہ کر سکتے ہو۔ اب یہ بتاؤ کہ تم کب تک یہاں سے کوچ کر سکو گے۔

جہانگیر کے ان الفاظ کے جواب میں خرم نے پھر کچھ سوچا' کہنے لگا:

"آپ مجھے صرف تین دن کی مہلت دیں تا کہ میں تیاری کر سکوں' جن دستوں نے میرے ساتھ جانا ہے وہ بھی اپنی تیاری کو مکمل کر لیں' اس کے بعد میں دکن روانہ ہو جاؤں گا اور آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ دکن پہنچ کر میں آپ کی طرف اچھی خبریں بھیجوں گا۔"

اس کے ساتھ ہی خرم جہانگیر سے اجازت لے کر اس کے پاس سے اٹھ کر چلا گیا تھا۔

✧ ✧ ✧

رستم خاں ایک روز مستقر سے اپنی حویلی کی طرف جا رہا تھا کہ بازار کی طرف جاتے ہوئے کسی نے اس کا نام لے کر اسے پکارا اور رکنے کیلئے کہا۔ آواز کسی نوخیز اور نوجوان لڑکی کی تھی اور آواز میں بڑی کشش اور حسن تھا۔ وہ آواز سن کر رستم خاں نے ادھر ادھر دیکھا' جب کوئی نظر نہ آیا دوبارہ وہ آگے بڑھا' یہاں تک کہ پھر اس کا نام لے کر اسے پکارا گیا۔ اس پر رستم خاں نے اپنے گھوڑے کو روک دیا' پھر بازار کی ایک دکان کی طرف سے ایک لڑکی بھاگتی ہوئی اس کی طرف آئی' جب وہ قریب آئی تب رستم خاں نے دیکھا وہ بلا کی حسین و خوبصورت دراز قد اور پرکشش تھی۔ رستم خاں حیرت سے اسے دیکھے جا رہا تھا۔ قریب آ کر لڑکی رکی اور

بڑی اپنائیت میں رستم خاں کو دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"کیا آپ نے مجھے پہچانا؟"

گھوڑے پر بیٹھے ہی بیٹھے رستم خاں نے جب نفی میں گردن ہلائی تب اس لڑکی کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا' کہنے لگی:

"کیا ایسا ممکن نہیں کہ آپ تھوڑی دیر اپنے گھوڑے سے اتر کر میری بات سنیں؟"

اس پر رستم خاں اپنے گھوڑے سے اترا اور اس کی باگ پکڑ کر کھڑا ہو گیا' یہاں تک وہ لڑکی پھر بولی اور رستم خاں کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

"کیا آپ کسی ایسی لڑکی کو نہیں جانتے جس کا نام رتن کماری ہے؟"

جواب میں رستم خاں نے اپنے سر پر ہاتھ پھیرا' سوچنے کے انداز میں کہنے لگا۔

"یہ نام تو سنا ہوا ہے۔" پھر رستم خاں چونکا اور کہنے لگا۔

"کیا تم آگرہ کے ساہوکار مالدیو کی بیٹی ہو؟"

اس پر اس لڑکی نے خوشی کا اظہار کیا اور چہکنے کے انداز میں کہنے لگی۔

"آپ کا اندازہ درست ہے' میں رتن کماری ہوں' میرے پتا جی کا نام مالدیو ہے۔ اگر آپ برا نہ مانیں تو کیا میں پوچھ سکتی ہوں آپ نے کیوں مجھے دیکھے بنا ہی میرے رشتہ سے انکار کر دیا؟ ہمارے ہاں تو طریقہ یہ ہے کہ عموماً لڑکے والے لڑکی کا رشتہ پوچھنے جاتے ہیں اور چونکہ اس سلسلہ میں میری پسند شامل اور حائل تھی لہٰذا ہماری طرف سے آپ کیلئے رشتہ گیا اور حیرت کی بات یہ ہے کہ آپ نے مجھے دیکھے بنا ہی رشتہ سے انکار کر دیا۔ کیا آپ......"

رتن کماری کو رک جانا پڑا' اس لئے کہ اس کی بات کاٹتے ہوئے رستم خاں بول اٹھا۔

"خاتون! بات یہ ہے کہ اس وقت میرا شادی کرنے کا کوئی ارادہ ہی نہیں تھا۔ اب بھی میں اس حق میں نہیں ہوں۔ میں کچھ کرنے کے بعد اپنا آپ بنانے کے بعد شادی کرنے کے حق میں ہوں۔ ابھی تو میں کچھ بھی نہیں ہوں' اس لئے کہ......"

جس طرح رستم خان بیچ میں بول پڑا تھا اسی طرح رتن کماری بھی اس کی بات کاٹتے ہوئے کہنے لگی۔

"آپ کیوں کچھ نہیں ہیں؟ سب کچھ ہیں' شہنشاہ کے لشکر میں آپ ایک عمدہ اور اچھے سالار ہیں اور پھر جس وقت شہنشاہ لاہور روانہ ہوئے تھے تب شہنشاہ نے آپ کو اپنے محافظ

دستوں کا سالارِ اعلیٰ مقرر کیا تھا اور یہ ایک ایسا اعزاز ہے جو سب کو نہیں ملتا' پھر بھی آپ کہتے ہیں آپ ابھی کچھ بھی نہیں ہیں۔"

رتن کماری جب خاموش ہوئی تب مسکراتے ہوئے رستم خاں کہنے لگا۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم میرے متعلق بہت کچھ خبریں رکھتی ہو؟"

جواب میں رتن کماری بھی مسکرا دی' کہنے لگی۔

"آپ کا اندازہ درست ہے' جہاں کہیں کسی کی ذات ملوث ہوتی ہے وہاں کے حالات کا جائزہ لینا ہی پڑتا ہے۔" پھر اچانک رتن کماری نے بات کا رخ بدلا اور رستم خاں کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

"میں اپنی ماتا کے ساتھ بازار کچھ چیزیں خریدنے آئی تھی۔ میری ماتا کا نام درگا دیوی ہے۔ وہ سامنے دکان کے سامنے کھڑی ہیں۔ آئیں میں آپ کو ان سے ملاتی ہوں۔"

رستم خاں انکار نہ کر سکا۔ رتن کماری کے ساتھ ہولیا۔ دکان کے سامنے ڈھلی ہوئی عمر کی ایک خاتون کھڑی تھی۔ قریب جا کر جب رستم خاں نے سلام کیا تو اس نے رستم خاں کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے خوشی کا اظہار کیا' پھر کہنے لگی۔

"بیٹے! کبھی ہمارے ہاں بھی آؤ۔ ہم نے تو تمہیں اپنی بیٹی رتن کماری کے رشتے کی پیشکش کی تھی لیکن ہمیں حیرت ہے کہ بیٹے تم نے رتن کماری کو دیکھے بنا ہی رشتہ سے انکار کر دیا۔"

اس موقع پر رتن کماری بول اٹھی' کہنے لگی۔

"ماتا! اس موضوع پر میری ان سے بات ہوئی ہے' ان کا کہنا ہے کہ اس وقت اور اب بھی ان کا شادی کرنے کا ابھی کوئی ارادہ نہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ پہلے یہ کچھ بننا چاہتے ہیں اس کے بعد شادی سے متعلق سوچیں گے۔"

رتن کماری کے خاموش ہونے پر درگا دیوی پھر بول اٹھی۔

"بیٹے! کیا میں امید رکھوں کہ تم کبھی ہمارے ہاں آؤ گے؟"

اس پر غور سے درگا دیوی کی طرف دیکھتے ہوئے رستم خاں کہنے لگا۔

"ابھی تو میں تین دن تک دکن کی طرف روانہ ہونے والا ہوں۔ دکن کے حالات بہت خراب ہوگئے ہیں۔ شہزادہ خرم ایک لشکر لے کر دکن کا رخ کرے گا اور میں بھی شامل ہوں گا۔

اس کے بعد دیکھیں گے کہ کیا بنتا ہے؟ اب مجھے اجازت دیں میں جاتا ہوں۔" اس کے ساتھ ہی درگا دیوی اور رتن کماری کے جواب کا انتظار کئے بغیر رستم خاں اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اسے ایڑھ لگا کر وہاں سے آگے بڑھ گیا تھا۔

رتن کماری اور درگا دیوی دونوں ماں بیٹی کچھ دیر تک رستم خاں کو جاتا ہوا دیکھتی رہیں' جب وہ ایک موڑ مڑ کر نگاہوں سے اوجھل ہوگیا تب رتن کماری نے اپنی ماتا درگا دیوی کی طرف دیکھا اور ایک عزم میں کہنے لگی۔

"ماتا! اگر میری شادی رستم خاں سے نہ ہوئی تو پھر کسی اور کی شادی بھی رستم خاں سے نہیں ہونے پائے گی۔" اس کے بعد ہی دونوں ماں بیٹی جس دکان کے سامنے کھڑی تھیں پھر اس دکان میں داخل ہو کر اپنی ضرورت کی چیزیں خریدنے لگی تھیں۔

✧ ✧ ✧

رستم خاں اپنی حویلی میں داخل ہوا۔ اس نے دیکھا دیوان خانہ میں کچھ لوگوں کے باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ پہلے وہ اصطبل کی طرف گیا۔ گھوڑے کو وہاں باندھا' اس کے بعد جب وہ دیوان خانہ میں آیا تو دیوان خانہ میں اس وقت اس کے باپ فرید خاں کے ساتھ راجہ جگن ناتھ کی بیوی سروجنی اور دونوں بیٹیاں مالتی اور سمترا کے علاوہ بیٹا شنکر ناتھ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ دیوان خانہ میں داخل ہو کر رستم خاں جب اپنے باپ کے پاس بیٹھا تب فرید خاں نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ لیا۔

"بیٹے! تمہیں خرم نے بلایا تھا' خیریت تو ہے؟"

اس پر رستم خاں کہنے لگا۔

"بابا! دکن کے حالات زیادہ خراب ہوگئے ہیں اور دکن کے موجودہ حاکم شہزادہ پرویز نے حالات کو درست کرنے میں کچھ نہیں کیا۔ شہنشاہ اس سے مایوس ہے۔ لہٰذا شہنشاہ نے یہ احکام جاری کر دیئے ہیں کہ پرویز الہ آباد کی طرف چلا جائے گا۔ وہیں قیام کرے گا جبکہ دکن کے حالات درست کرنے کیلئے شہنشاہ نے خرم کو مقرر کیا ہے۔ خرم مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہے۔ اسی سلسلہ میں خرم نے مجھے بلایا تھا۔ بابا! تین دن بعد خرم کے ساتھ کچھ دستے یہاں سے دکن کی طرف روانہ ہوں گے اور میں ان کے ساتھ کوچ کروں گا۔" رستم کی اس گفتگو سے سمترا کافی حد تک سنجیدہ اور پریشان اور فکرمندی ہوگئی تھی۔ اس کی بڑی بہن مالتی

بڑی گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لے رہی تھی' یہاں تک کہ دیوان خانہ میں رستم کے باپ فرید خاں کی آواز گونج گئی۔

"بیٹے! تم نے خرم کے پاس کافی دیر لگا لی۔ اب اٹھو سب مل کر کھانا کھاتے ہیں۔ اس کے بعد یہیں دیوان خانہ میں آ کر باتیں کرتے ہیں۔ سب نے فرید خاں کی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ سب اٹھ کر دوسرے کمرے میں گئے' کھانا کھایا پھر پہلے کی طرح دیوان خانہ میں بیٹھ کر گفتگو کرنے لگے تھے۔ تین دن بعد رستم خاں شہزادہ خرم کے ساتھ دکن کی طرف کوچ کر گیا تھا۔

✧ ✧ ✧

شہزادہ خرم اور رستم خاں کے دکن کی طرف کوچ کرنے کے بعد جہانگیر نے بھی ایک لشکر کے ساتھ آگرہ سے کوچ کیا۔ دراصل وہ دکن کے قریب رہ کر نہ صرف یہ کہ حالات پر گہری نگاہ رکھنا چاہتا تھا بلکہ خرم کی کارگزاری بھی دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ کیسے اور کس طرح دکن کے حالات درست کرتا ہے۔ چنانچہ آگرے سے کوچ کرنے کے بعد جہانگیر نے نور جہاں اور اپنے سارے لاؤ لشکر کے ساتھ مانڈو میں قیام کیا۔ اس راستے میں اکثر رہزن اور ڈاکو لوگوں کو لوٹ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ ان علاقوں میں سفر کرتے ہوئے بقول مؤرخین جہانگیر نے ان گنت ڈاکوؤں اور بداعمالوں کو پھانسی دی اور یوں شکار کھیلتا ہوا وہ مالوہ کے مرکزی شہر مانڈو پہنچ گیا اور وہاں اس نے خیموں کا شہر آباد کر کے ایک طرح سے دکن کے حالات پر گہری نگاہ رکھنا شروع کر دی تھی۔

✧ ✧ ✧

شاہ جہاں اور رستم خان دونوں اپنے لشکریوں کے ساتھ دکن پہنچے۔ دکن میں جو پہلے سے لشکر موجود تھا اس کے سالاروں نے شاندار انداز میں دونوں کا استقبال کیا اور وہاں پہنچنے کے دوسرے روز شاہ جہاں نے جو چھوٹے بڑے سالار اپنے ساتھ آئے تھے اور جو پہلے سے دکن میں موجود تھے ان کا اجلاس طلب کر لیا تھا۔ جب سارے سالاران کے پاس جمع ہو گئے تب شاہ جہاں نے انہیں مخاطب کرنا شروع کیا۔

اس سے پہلے میرا بھائی پرویز ان علاقوں میں ایک عرصہ تک رہا تھا' لیکن اس کے ذمہ جو کام میرے باپ نے لگایا تھا اسے وہ پورا نہ کر سکا' اب میرا باپ مجھ سے یہ امید رکھتا ہے کہ

جو کام پرویز مکمل نہ کر سکا اس کی تکمیل میں کر سکتا ہوں۔ اسی بنا پر اس نے ایک لشکر مجھے اور رستم خاں کو دے کر ان علاقوں کی طرف بھیجا ہے۔

اب ہمارا اولین مقصد یہ ہے کہ بیجاپور کے حکمران ابراہیم عادل شاہ ثانی سے وہ علاقے حاصل کریں جو اس سے پہلے مغلوں کے تھے اور جن پر ابراہیم عادل شاہ بزور طاقت اور قوت قابض ہو چکا ہے اور ساتھ ہی اس نے احمد نگر جیسے اہم شہر پر بھی قبضہ کر لیا ہے اور وہ شہر بھی ہم نے اس سے واپس لینا ہے۔

اب ابراہیم عادل شاہ ثانی سے نمٹنے کیلئے دو ہی طریقے ہیں پہلا امن اور آشتی کا راستہ ہے اور دوسرا جنگ وجدل کا۔ میں چاہتا ہوں کہ پہلے تیز رفتار قاصد ابراہیم عادل شاہ کی طرف روانہ کئے جائیں اور اسے یہ پیغام دیا جائے کہ مغل حکومت بیجاپور کی سلطنت کو کوئی نقصان پہنچانا نہیں چاہتی' نہ خواہ مخواہ ان کے علاقے ہتھیانا چاہتی ہے بلکہ مغل سلطنت صرف یہ چاہتی ہے کہ بیجاپور کے حکمران نے ماضی میں مغلوں کے جن علاقوں پر قبضہ کیا ہے وہ خالی کر دے اور احمد نگر جیسا شہر بھی خالی کر کے مغلوں کے حوالے کر دے۔ اگر وہ ایسا کرنے پر رضامند ہو جاتا ہے تو جنگ کی نوبت نہیں آئے گی اور اگر وہ ایسا کرنے سے انکار کر دیتا ہے تو پھر ہمارے اور اس کے درمیان فیصلہ کرنے کیلئے صرف تلوار ہی باقی رہ جائے گی اور پھر دیکھیں گے کہ کس کی تلوار میدان جنگ اور رزم گاہ میں کند ہوتی ہے اور کس کی صیقل شدہ ثابت ہوتی ہے۔

وہاں بیٹھے سارے ہی سالاروں نے شاہ جہاں کی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ چنانچہ اسی روز تیز رفتار قاصد بیجاپور کے حکمران ابراہیم عادل شاہ ثانی کی طرف روانہ کئے گئے تاکہ اس یہ پیغام دیا جائے کہ جو علاقے پہلے سے مغلوں کے تھے وہ واپس کر دیئے جائیں تو مغلوں اور بیجاپور والوں کے درمیان جنگ وجدل کی نوبت نہیں آئے گی۔

کہتے ہیں کہ ابراہیم عادل شاہ بیجاپور کے پہلے حکمران علی عادل شاہ کی وفات کے بعد مسند حکومت پر جلوہ افروز ہوا تھا۔ کہتے ہیں تخت نشین ہوتے ہی اس نے تمام ارکان سلطنت کو بڑی خوش اسلوبی سے اپنا بنا لیا۔ درباریوں نے اپنے بادشاہ پر رقوم اور اشرفیاں نچھاور کیں اور بادشاہ کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ دکانداروں نے اپنی دکانوں کو طرح طرح کے ریشمی کپڑوں سے آراستہ کیا۔ ہندوستان کے دستور کے مطابق مٹی کے برتنوں میں روپے بھر بھر کر بادشاہ پر

نچھاور کیے گئے۔

مؤرخین مزید لکھتے ہیں کہ ابراہیم نے ابتدائی عمر ہی میں سپہ گری کے فن میں کمال حاصل کیا' دیگر علوم اور فنون کی تعلیم بھی پائی' ساتھ ہی اس نے اپنی عسکری طاقت وقوت میں ایسا اضافہ کرلیا تھا کہ آس پاس کا کوئی حکمران اس کی طرف دیکھنے اور اس سے ٹکرانے کی جرأت نہیں کرتا تھا۔ چنانچہ جو قاصد شاہ جہاں کی طرف سے بیجاپور کے حکمران ابراہیم عادل شاہ کی طرف روانہ کئے تھے انہیں جب ابراہیم عادل شاہ کے سامنے پیش کیا گیا اور ان قاصدوں نے ابراہیم عادل شاہ کے سامنے اپنی آمد کا مدعا بیان کیا تب ابراہیم عادل شاہ بڑا برہم ہوا' کچھ دیر تک گہری سوچوں میں ڈوبا رہا' اس کے بعد شاہ جہاں کے قاصدوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''کیا مغلوں نے ہمیں ایسا ہی کمزور اور بے بس سمجھ لیا ہے کہ تم ہم سے علاقوں کی واپسی کا مطالبہ کر رہے ہو۔ جہانگیر کے بیٹے شاہ جہاں نے اگر تمہیں میری طرف روانہ کیا ہے تو تمہاری روانگی اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ جہانگیر کا بیٹا اتنی ہمت نہیں رکھتا کہ بزور قوت اور بزور شمشیر ہم سے وہ علاقے حاصل کرے' جس کا اس نے مطالبہ کیا ہے۔

مغلوں کے مقابلے میں ہم اتنے کمزور بھی نہیں ہیں کہ اپنا سر ان کے سامنے جھکا دیں اور جن علاقوں کا انہوں نے مطالبہ کیا ہے ہم وہ علاقے طشت میں سجا کر ان کے سامنے پیش کردیں۔ لہٰذا واپس جا کر شاہ جہاں سے کہنا کہ جو مطالبہ اس نے کیا ہے اسے خواب و خیال جان کر فراموش کردے اور اگر اس نے ہمارے خلاف جنگ کی طرح ڈالنے کی کوشش کی تو جو علاقے پہلے سے احمد نگر سمیت ہمارے پاس ہیں ان میں ہم مزید اضافہ کر کے مغلوں کی سلطنت کو سکیڑنے کے عمل کی ابتداء کردیں گے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد ابراہیم عادل شاہ جب رکا تو غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے قاصد بول اٹھا۔

''بیجاپور کے حکمران کا اپنی طرف سے یہ کہنا بالکل بجا اور درست ہے' لیکن یہ بھی یاد رہے کہ مغلوں کی سلطنت بھی اتنی کمزور اور بے بنیاد نہیں ہے کہ ان کے وہ علاقے جن پر کوئی زبردستی قبضہ کرلے وہ اسے واپس نہ لیں۔ اے بادشاہ! ہمیں شاہ جہاں نے اس غرض سے آپ کی طرف روانہ کیا ہے کہ دونوں حکومتیں ٹکراؤ اور جنگ و جدل سے بچ جائیں اور پرامن

طور پر ان علاقوں کا تصفیہ ہوجائے۔''

اس پر غضبناک ہو کر ابراہیم عادل شاہ کہنے لگا۔

''ان علاقوں کا کوئی تصفیہ نہیں ہے۔ میں مزید تم سے کچھ سننا گوارہ نہیں کرتا' واپس جا کر شاہ جہاں کو میرا یہ پیغام دینا کہ ان علاقوں کو بھول جائے اور اگر اس نے ہمارے خلاف لشکر کشی کرنے کی کوشش کی تو ہم پہلے سے بتائے دیتے ہیں آگرہ تک شاہ جہاں کو کوئی جائے پناہ نہیں ملے گی جہاں وہ اپنی اور اپنے لشکریوں کی جان بچا سکے۔''

اس کے ساتھ ہی ابراہیم عادل شاہ نے لشکریوں کو چلے جانے کا حکم دے دیا تھا جس پر وہ لشکری ناکام سفارت لے کر شاہ جہاں کی طرف لوٹ گئے تھے۔

ان سفارتکاروں نے جب اصل صورتحال شاہ جہاں کو دے دی تو شاہ جہاں نے ابراہیم عادل شاہ پر حملہ آور ہونے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ چنانچہ دو دن اپنے لشکریوں کو اس نے اپنی تیاریوں کا موقع دیا۔ اس کے بعد ابراہیم عادل شاہ سے ٹکرانے کیلئے اس نے پیش قدمی شروع کی تھی۔ دوسری طرف ابراہیم عادل شاہ کو بھی خبر ہوچکی تھی کہ جنگ و جدل کی نوبت آن پہنچی ہے اور اس کے انکار کی وجہ سے شاہ جہاں ایک لشکر لے کر اس پر حملہ آور ہونے کیلئے کوچ کر رہا ہے۔ لہٰذا وہ بھی اپنے بڑے بڑے اور نامور سالاروں کے ساتھ اپنے جرار لشکر کو حرکت میں لایا اور شاہ جہاں کا راستہ روکنے کیلئے وہ شمال کی طرف بڑھا تھا۔

آخر کار دونوں لشکر ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہوئے اور صفیں درست کرنا شروع کی تھیں۔ اپنی صفیں درست کرنے کے بعد شاہ جہاں اور رستم خاں اپنے دیگر سالاروں کے ساتھ اپنے لشکر کے آگے آئے۔ اس موقع پر شاہ جہاں اپنے سالاروں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''میں نے لشکر کو دو ہی حصوں میں تقسیم کیا ہے اور اسی کے مطابق چھوٹے سالاروں کو بھی دو ہی حصوں میں تقسیم کردیا گیا ہے۔ لشکر کا ایک حصہ میری کمانداری میں' دوسرا رستم خاں کی سرکردگی میں رہے گا۔ دشمن اپنے لشکر کو چاہے کتنے ہی حصوں میں تقسیم کرے ہمیں اس کی پرواہ نہیں ہے۔ جنگ کے شروع میں حملہ آور ہونے کی رفتار کسی قدر کم رکھی جائے گی۔ پہلے کوشش کی جائے گی کہ دشمن کے حملوں کو روک کر ہم اپنے دفاع تک محدود رہیں۔ اس طرح دشمن پر تھکاوٹ کے اثرات نمودار کریں' اس کے بعد جب میرے اور رستم خاں کے لشکر کے

اگلے حصوں میں سرخ جھنڈیاں لہراتی دکھائی دیں تو ان سرخ جھنڈیوں کا مطلب یہ ہوگا کہ اب ہم نے پوری طاقت وقوت کے ساتھ حملہ آور ہوکر دشمن کو ہر صورت میں شکست دینی ہے۔ بیجاپور کا حکمران ابراہیم عادل شاہ شاید اپنی قوت کو ناقابل تسخیر سمجھ کر اپنے آپے سے باہر ہوچکا ہے اور یہ خیال کر رہا ہے کہ کوئی قوت اس سے وہ علاقے واپس نہیں لے سکتی' جن پر وہ قابض ہوچکا ہے۔ ہم نے اس کا یہ گھمنڈ توڑنا ہے اور اس پر ثابت کرنا ہے کو جو علاقے ہمارے ہیں وہ ہماری ہی ملکیت رہیں گے' چاہے وہ کتنی بڑی قوت ان علاقوں کی حفاظت کیلئے آئے۔ اپنے سارے جنگی معاملات طے کرنے کے بعد ایک حصے کے سامنے شاہ جہاں آن کھڑا ہوا تھا اور دوسرے حصہ کے سامنے رستم خاں استوار ہوا تھا۔ اسی طرح چھوٹے سالار بھی تقسیم ہوکر دونوں لشکریوں میں منقسم ہوئے تھے۔

کچھ دیر تک ابراہیم عادل شاہ کے لشکر میں بڑے بڑے طبل اور باجے بجتے رہے یہاں تک ابراہیم نے ہواؤں کے منہ زور طمانچے مارتے موت کے تابوت اٹھائے' صدیوں کی داستانوں' فاصلوں کو ہراساں اور امن کی آرزو اور آشتی کے ساغر کو خوفزدہ کرتی قرن ہا قرن کی وحشت ناکی کی طرح اپنے لشکر کو آگے بڑھایا' پھر وہ شاہ جہاں کے لشکر پر ہر گلی کو لق ودق صحرا پر کوچہ وکوہ ہجر کی اندھی کالی راتوں پر بازار کو سونی وادیوں میں تبدیل کرتے مرگ وخون کے وحشت ناک تماشوں وارتقاء کے رنگین جذبوں وآگاہی کے خشک نقوش کو تباہ وبرباد کرتی حلقہ در حلقہ کچلتی قضاء اور فکر کی اڑانوں جیسی مرگ کی طرح حملہ آور ہوگیا تھا۔

دوسری طرف جوابی کارروائی کرتے ہوئے پہلے شاہ جہاں نے اپنے کام کی ابتداء کی اور وہ ابراہیم عادل شاہ کے لشکر پر دل کی اہل پر ذلت ونخوت بھری داستانیں رقم کرتی صحرا کی دہکتی آگ دھرتی پر پھیلے ظلم کے قصوں پر نزول کرتے لہولہو کردینے والی سفاک یورش' سنسان راستوں پر سسکتی خونی ہواؤں وزندگی کی بے ثمر راہوں پر سکھ کو دکھ میں بدل دینے والے زمانے بھر کے غموں کی دھول کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔

شاہ جہاں کے ساتھ ہی ساتھ رستم خاں بھی اپنے لشکر کو متحرک کرچکا تھا اور وہ بھی ابراہیم عادل شاہ کے لشکر پر اپنی برتری' اپنی کامرانی کو یقینی کرنے کیلئے زمین کی تہہ سے نکل کر خونی لمس کی کندہ کاری کرنے والی قہرمانیت کے لامحدود کرشموں وفکر کی اڑانوں ودل کے شفاف آئینوں پر نزول کرکے مقدر کی پت جھڑ سی حالت کرتی جاگتے لمحوں کی انگڑائیوں اور وقت کی

تباہی کے سیلاب کی طرح حملہ آور ہوگیا تھا۔

دونوں لشکروں کے ٹکرانے سے ہولناک نعروں اور مختلف قسم کی آوازوں اور صداؤں سے رزم گاہ بری طرح گونج اٹھی تھی۔ لشکری بڑھ چڑھ کر ایک دوسرے پر حملہ آور ہونے لگے تھے۔ ہر کوئی نفرت بھرے طوفانوں کے افسوسناک باب کھولتی فساد بھری آگ کی طرح ایک دوسرے پر چھانے کی کوشش کرنے لگا تھا۔ حدت وحرارت بھرے جوش وجذبے چار سو رقص کرنے لگے تھے۔ میدان جنگ میں صدیوں پرانے راستوں پر دھول اڑاتی بے روک آندھیوں اور کوہستانی جھکڑوں کا سا سماں برپا ہوکر رہ گیا تھا۔

ابراہیم عادل شاہ اور اس کے سالاروں نے جب اندازہ لگایا کہ شاہ جہاں کا لشکر صرف دفاع تک محدود ہے اور جوابی کارروائی نہیں کر رہا تب انہیں اپنی کامیابی اور اپنی کامرانی کی پوری اور یقینی امید ہوگئی تھی اور وہ یہ سوچ بیٹھے تھے کہ تھوڑی دیر کی مزید جنگ کے بعد شاہ جہان اپنے لشکر کے ساتھ شکست قبول کرتا ہوا بھاگ کھڑا ہوگا' لیکن ایسا نہیں ہوا' اس لئے کہ شاہ جہان اور رستم خان نے ابھی اپنی آخری کارروائی کی ابتداء کرنا تھی۔

چنانچہ تھوڑی ہی دیر بعد شاہ جہان اور رستم خان کی اگلی صفوں میں سرخ جھنڈیاں لہرائی گئیں جو لشکریوں کیلئے یہ نشاندہی کرتی تھیں کہ اب انہوں نے پوری طاقت وقوت کے ساتھ ابراہیم عادل شاہ کے لشکر پر حملہ آور ہونا ہے اور اپنی کامیابی اور اپنی فوزمندی کو یقینی بنانا ہے۔ چنانچہ میدان جنگ میں سرخ جھنڈیوں کا بلند ہونا تھا کہ شاہ جہان اور رستم خاں کے لشکری بے کراں صحرا کے اندھے خشک ماحول میں خون کے پیاسے غراتے بگولوں دشت در دشت جوش مارتی نفرتوں کی ہولناکی مسافتوں بے جہت وبے مہار کرتی آندھیوں' ذلت وپستی کے کفن پہناتی خشونت آمیز ہولناکیوں اور تباہی کی نوبت بجاتے عذاب بھرے گردابوں کی طرح پوری طاقت وقوت کے ساتھ حملہ آور ہونا شروع ہوگئے تھے۔

شاہ جہان اور رستم خاں کے یہ تیز جان لیوا اور شدید حملے ابراہیم عادل شاہ کے سوار اور لشکری زیادہ دیر تک برداشت نہ کرسکے اور چند لمحوں کے بعد ہی ان کے لشکر کی حالت بڑی تیزی سے کرم خوردہ چوب اجڑے رضوان وخیابان وٹوٹی آوازوں کی کرچی کرچی صداؤں' جاں بلب حروف' تردیدہ اشکوں اور تھکن راستوں کے خوابوں کی سی ہونا شروع ہوگئی تھی۔

تھوڑی دیر کی مزید جنگ کے بعد ابراہیم عادل شاہ کا لشکر بھاگ کھڑا ہوا۔ شاہ جہان

اور رستم خاں نے کچھ دور تک تعاقب کر کے دشمن کے لشکر کو خاصا نقصان پہنچایا اور ابراہیم عادل شاہ اور اس کے سالار اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ بے شمار سامان لے کر آئے تھے وہ بھی چونکہ چھوڑ بھاگ گئے تھے۔ لہٰذا وہ سارا سامان بھی شاہ جہان ورستم خاں کے قبضہ میں آیا تھا۔

چنانچہ اس بدترین شکست کے بعد ان علاقوں میں تبدیلی پیدا ہوئی اور مؤرخین کہتے ہیں کہ ابراہیم عادل شاہ نے نہ صرف وہ علاقے مغلوں کو واپس کر دیئے جو اس نے مغلوں کے اندرونی حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہتھیا لئے تھے بلکہ احمد نگر جیسا اہم اور جنگی نقطہ نگاہ سے اہمیت رکھنے والا شہر بھی اس نے مغلوں کے حوالے کر دیا تھا۔ یہ سب کچھ اس نے مجبوری کے تحت کیا تھا اور مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ بیجاپور کے حکمران ابراہیم عادل شاہ نے مغلوں کو خراج دینا بھی قبول کر لیا تھا۔

✧ ✧ ✧

رستم کا باپ فرید خاں ایک روز اپنی حویلی کے دیوان خانہ میں اکیلا بیٹھا ہوا تھا کہ حویلی میں راجہ جگن ناتھ داخل ہوا۔ سیدھا دیوان خانہ کی طرف گیا۔ اپنی جگہ سے اٹھ کر فرید خاں نے اس کا استقبال کیا۔ جگن ناتھ فرید خان کے سامنے بیٹھ گیا اور فرید خان اس کے چہرے کا بغور جائزہ لینے کے بعد غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"جگن ناتھ! تمہارا چہرہ بتاتا ہے کہ آج تم کوئی اچھی خبر لے کر آئے ہو' کیا میرے بیٹے جہانگیر وشاہ جہان کی طرف سے خبر آئی ہے؟"

اس پر جگن ناتھ بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"فرید خان! میں تمہارے لئے ایک نہیں بلکہ دو بہت بلکہ بہت ہی اچھی خبریں لے کر آیا ہوں۔"

فرید خان نے خوشی کا اظہار کیا' کہنے لگا۔

"میرے عزیز بھائی! اگر ایسی بات ہے تو کہو رکتے کیوں ہو؟"

جواب میں راجہ جگت ناتھ نے غور سے فرید خان کی طرف دیکھا' گفتگو کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

"فرید خان! تمہارے لئے سب سے پہلی اچھی خبر یہ ہے کہ تمہارے بیٹے رستم خان اور شاہ جہان نے بیجاپور کے حکمران ابراہیم عادل شاہ کو بدترین شکست دی ہے اور ماضی میں بیجاپور کے حکمران نے مغلوں کے جن علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا نہ صرف وہ علاقے واپس لے لئے ہیں بلکہ بیجاپور کے حکمران کو مجبور کر دیا ہے کہ وہ خراج بھی ادا کرے یہ تو تمہارے لئے ایک خوشخبری ہے۔"

جگن ناتھ کے یہ الفاظ سن کر فرید خان کے چہرے پر گہری مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

پھر بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"سب سے پہلے تو میں شہزادہ خرم کا ازحد ممنون اور شکرگزار ہوں کہ اس نے میرے بیٹے کو اپنے ساتھ رکھا۔ اس طرح میرا بیٹا اس کے ساتھ رہتے ہوئے بہترین جنگی تجربہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائے گا۔ اس کیلئے میں شہزادہ خرم کا جتنا بھی شکریہ ادا کروں کم ہے۔ میرے بھائی! اب دوسری خبر کہو وہ کیا ہے؟"

جواب میں راجہ جگن ناتھ مسکرایا اور کہنے لگا۔

"تمہارے لئے دوسری خبر یہ ہے کہ ابوالفضل کا بیٹا عبدالرحمٰن جو پہلے دہلی گیا ہوا تھا اور وہاں سے پٹنہ چلا گیا تھا' لوٹ آیا ہے۔ اس وقت وہ آگرہ شہر میں موجود ہے۔ ہندوستان میں صرف وہ واحد شخص ہے جو یہ جانتا ہوگا کہ تمہارے اہلخانہ کے قتل اور تمہارے گھر کی بربادی میں کون ملوث ہے؟"

راجہ جگن ناتھ کے ان الفاظ پر فرید خان چونک اٹھا تھا۔ پیشانی پر بل پڑ گئے تھے۔ چہرہ خوشی کا اظہار کرنے لگا تھا۔ آنکھیں قہرمانی برسانے لگی تھیں' وہ اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔

"جگن ناتھ! تم آئے ہو تو مجھے تمہارے ساتھ بیٹھنا چاہئے تھا لیکن میں ابھی اسی وقت ابوالفضل کے بیٹے عبدالرحمٰن کے پاس جاتا ہوں اور اس سے یہ جاننے کی کوشش کروں گا کہ میرے اہلخانہ اور میرے گھر کو برباد کس نے کیا؟"

اس پر جگن ناتھ بھی اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔

"تم اکیلے نہیں جاؤ گے' میں جگن ناتھ بھی تمہارے ساتھ جاؤں گا۔ آؤ میرے ساتھ۔"

جگن ناتھ کے ان الفاظ پر فرید خان خوش ہوگیا تھا۔ چنانچہ فرید خان نے آواز دے کر جہاں آراء اور نسیمہ بیگم دونوں ماں بیٹی کو اپنی روانگی سے متعلق اطلاع دے کر جگن ناتھ کے ساتھ وہ باہر نکل گیا تھا۔

ایک حویلی کے دروازے پر دونوں رک گئے اور جگن ناتھ نے اس حویلی کے دروازے پر دستک دی تھی۔

جس جوان نے دروازہ کھولا شاید وہ ابوالفضل کا بیٹا عبدالرحمٰن ہی تھا۔ اس لئے کہ جگن ناتھ اور فرید خان دونوں پرجوش انداز میں اس سے ملے' اس نے دروازہ کھول دیا۔ تاہم فرید خان کی طرف دیکھتے ہوئے وہ کس قدر پریشان اور جستجو میں پڑا ہوا تھا۔ دروازہ کھولنے کے

بعد جب جگن ناتھ اور فرید خان اندر داخل ہوئے تو دروازہ بند کرکے وہ دونوں کو اپنے دیوان خانہ میں لے گیا۔ جب تینوں بیٹھ گئے گفتگو کا آغاز فرید خان نے کیا اور عبدالرحمٰن کو مخاطب کرکے کہنے لگا۔

"ابوالفضل کے بیٹے! میں آج ایک انتہائی اہم کام کے سلسلہ میں تمہارے پاس آیا ہوں اور میں تم سے یہ بھی امید رکھتا ہوں کہ تم سچائی کو نہیں چھپاؤ گے۔ حقیقت حال میرے سامنے بیان کروگے۔ اسی میں ہماری بھی' تمہاری بھی بہتری ہے اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو عبدالرحمٰن ہمارا جو نقصان ہوچکا وہ تو ہوچکا اور ہماری بربادی کو راز رکھنے کی کوشش کروگے تو عبدالرحمٰن سکھ تم بھی نہیں پاؤ گے۔ اس لئے کہ جس نے ہمیں برباد کیا ہے وہ برباد ہونے سے بچ نہیں پائے گا۔ لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ برباد کرنے والوں میں تم اپنا نام شامل نہ کرنا۔ مجھے صرف یہ بتا دو کہ میرے اہلخانہ پر حملہ آور ہوکر ان کا قتل عام کرنے والا کون ہے؟ تمہارے باپ کی وجہ سے مجھے اور میرے معصوم بیٹے کو زنجیروں میں جکڑ کر زندان میں ڈال دیا گیا تھا۔ اس لئے کہ ہم نے اکبر کے دین الٰہی کو قبول کرنے سے انکار کردیا تھا۔ یہ دین چونکہ تیرے بے دین باپ ابوالفضل نے شروع کیا تھا۔ لہٰذا ابوالفضل کے کہنے پر ہی اکبر نے ہم دونوں باپ بیٹوں کو زنجیروں میں جکڑ کر زندان میں ڈالا اور ہماری غیرموجودگی میں جو ہمارے اہلخانہ کا کام تمام کیا گیا تو اس میں بھی ابوالفضل کا ہاتھ شامل ہے۔ اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ لہٰذا بتا دو قاتل کون ہے؟ نہیں بتاؤ گے تو پھر عبدالرحمٰن کیا ہونے والا ہے اور کیا ہوگا یہ تمہیں وقت بتائے گا۔"

فرید خان جب خاموش ہوا تب ابوالفضل کا بیٹا عبدالرحمٰن کچھ دیر تک ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں فرید خان کی طرف دیکھتا رہا' پھر کہنے لگا۔

"محترم فرید خان! میرے دل میں آپ کی کس قدر عزت اور احترام ہے یہ میں الفاظ میں بیان نہیں کرسکتا۔ آپ کا بیٹا رستم خان بھی میرا پسندیدہ سالار ہے جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں اس سے پہلے میرے محترم میں آپ سے یہ بھی کہوں کہ اس میں کوئی شک نہیں میرا باپ ابوالفضل اور میرا چچا فیضی دونوں بھٹکے ہوئے انسان تھے۔ شہنشاہ اکبر کو ان دونوں ہی نے دین الٰہی شروع کرنے کی تجویز اور انگیخت دی تھی۔ اس سلسلہ میں میرا چچا فیضی پیش پیش تھا اور ہر جھوٹی بات کو وہ سچی جان کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کردیتا تھا۔ میں ان دونوں سے متعلق

مزید کہوں کہ میں ان دونوں کو مسلمان نہیں سمجھتا۔ وہ بھٹکے ہوئے انسان تھے۔ دین سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ میری نگاہوں میں دونوں مرتد اور جاہل اور بھٹکے ہوئے تھے جنہوں نے دین کی کوئی خدمت نہیں کی بلکہ دین کے اندر انہوں نے گمراہیاں پھیلانے کی کوشش کی' ساتھ ہی میں یہ بھی کہوں ایسے لوگوں کی بخشش نہیں ہوتی۔

اب میں آپ کے مقصد کی طرف آتا ہوں' جس قدر میں جانتا ہوں وہ ساری باتیں میں آپ سے کہہ دوں گا' چھپاؤں گا نہیں۔ میرے باپ ابوالفضل ہی کے کہنے پر شہنشاہ اکبر نے آپ کو مجبور کیا تھا کہ آپ دین الٰہی قبول کریں اور جب آپ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا تب آپ کی خدمات کو سامنے رکھتے ہوئے اکبر آپ کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرنا چاہتا تھا' اس لئے کہ وہ آپ کی بے پناہ عزت کرتا تھا لیکن یہ میرا باپ ابوالفضل تھا جس نے شہنشاہ اکبر کو بھٹکایا اور اسے انگیخت کیا اور اسی انگیخت کی بنا پر شہنشاہ نے آپ کو اور آپ کے نو عمر بیٹے رستم خان دونوں کو زندان میں ڈال دیا اور وہاں زنجیروں میں جکڑ کر رکھ دیا۔ اس سلسلہ میں میں خود معذرت خواہ ہوں کہ میں ابوالفضل کا بیٹا ہوں۔ کاش! ابوالفضل کے بجائے میں کسی اچھے مسلمان چرواہے کا بیٹا ہوتا تو میں اس پر ہمیشہ فخر کرتا۔''

''فرید خان جہاں تک میں جانتا ہوں جب تم دونوں باپ بیٹا زندان میں چلے گئے تب میرے باپ کی انگیخت پر کچھ لوگوں نے تمہارے اہلخانہ کا صفایا کر دیا اور یہ ایسا المیہ ہے جس کو کوئی بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ میں اس وقت چونکہ چھوٹا تھا اس لئے میں نے اپنے باپ کے خلاف کوئی احتجاج کر سکتا تھا اور نہ اس معاملہ کو روک سکتا تھا۔ تاہم میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ آپ کے اہلخانہ اور آپ کے عزیز واقارب کو قتل کرنے والے چھ ہندو سورما ہیں ان میں سے پہلا ساونتر اور دوسرا رائے چند ہیں۔ یہ دونوں ان دنوں بھٹنڈا میں ہیں۔ تیسرا پور شنکر اور چوتھا بھیم سین ہیں۔ یہ دونوں بنارس میں ہیں۔ پانچواں درجاند اور چھٹا لکھ ہزاری ہیں اور یہ دونوں ان دنوں بہار شہر میں قیام کئے ہوئے ہیں۔

یہ چھ کے چھ کٹر راجپوت ہندو ہیں۔ آپ کے اہلخانہ کے علاوہ میرے باپ ابوالفضل کے کہنے پر انہوں نے اور بہت سے لوگوں کو بھی قتل کیا۔ یہ راجپوتوں کی سرزمین کی طرف اس لئے نہیں گئے کہ وہاں انہیں تلاش کر کے انہیں ان کے انجام تک پہنچایا جائے گا۔ لہٰذا چھ کے چھ دو دو کی ٹولی میں ہو کر مختلف شہروں میں سما گئے ہیں۔

اس موقع پر میں آپ سے یہ بھی کہوں کہ آگرہ میں کچھ ہندو قوتیں ایسی بھی ہیں کہ جو ان کی مالی مدد کر رہی ہیں اور ان کی کوئی مرکزی قوت بھی ہے جس کے انگیخت کرنے اور جس کے حکم پر یہ سب ایسی کارروائیاں کرتے ہیں۔ ان چھ کے علاوہ اس مرکزی حکومت کے اور بہت سے گماشتے اور نمائندے ہیں جن سے قتل وغارت گری کا کام لیا جاتا ہے۔

میں یہ تو جانتا ہوں کہ یہ چھ آپ کے اہلخانہ کے قتل میں ملوث ہیں' لیکن میں حلفیہ کہتا ہوں کہ میں ان کو نہیں جانتا' جو آگرہ شہر میں صاحب ثروت ہیں اور ان کی مدد کر رہے ہیں اور میں یہ بھی نہیں جانتا کہ کس مرکزی قوت سے ان چھ کے علاوہ ان جیسے دوسرے لوگوں کا بھی تعلق ہے جو اس قسم کی کارروائیاں کرتے ہیں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد عبدالرحمٰن خاموش ہو گیا' پھر فرید خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''فرید خان! قسم خداوند محترم کی میں جس قدر اس معاملے کا علم رکھتا تھا وہ میں نے آپ کے سامنے کہہ دیا ہے' اب مزید میرے پاس کچھ نہیں' جس کا میں کوئی انکشاف آپ پر کر سکوں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد عبدالرحمٰن جب خاموش ہوا تب فرید خان اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا' اس کے کھڑا ہونے پر راجہ جگن ناتھ بھی کھڑا ہو گیا تھا۔

فرید خان نے ہاتھ آگے بڑھا کر پرجوش انداز میں عبدالرحمٰن سے مصافحہ کیا اور کہنے لگا۔

''ابوالفضل کے بیٹے! میں جو کچھ تم سے جاننا چاہتا تھا وہ جان چکا۔ ان قاتلوں کی مدد کون کر رہا ہے اور کس مرکز سے ان کا تعلق ہے۔ یہ تو میں اور اور میرا بیٹا ان چھ میں سے کسی کو بھی کرید کر حاصل کر لیں گے۔'' پھر بڑے پرجوش انداز میں عبدالرحمٰن سے باری باری مصافحہ کرتے ہوئے فرید خان اور راجہ جگن ناتھ دونوں اس کی حویلی سے نکل گئے تھے۔

عبدالرحمٰن کی حویلی سے نکلنے کے بعد فرید خان اپنے گھر چلا گیا۔ راجہ جگن ناتھ جب اپنی حویلی میں داخل ہوا تو اس کی بیوی سروجنی دونوں بیٹیوں مالتی اور سمترا اور بیٹے شنکر ناتھ نے حویلی کے اندرونی حصہ سے نکل کر صحن میں اس کا استقبال کیا' پھر کس قدر تشویشناک انداز میں اس کی پتنی سروجنی اسے مخاطب کر کے کہنے لگی:۔

"آپ کتنی دیر سے گھر سے نکلے ہوئے تھے اور یہ کہہ کر گئے تھے کہ آپ فرید خان کے پاس جا رہے ہیں' پھر وہاں آپ نے اتنی دیر کردی کہ کیا وہاں کوئی اہمیت کا معاملہ اٹھ کھڑا ہوا تھا؟"

جواب میں جگن ناتھ دیوان خانہ میں داخل ہوا' اس کے ساتھ سروجنی وشنکر ناتھ و مالتی اور سمترا بھی دیوان خانہ میں داخل ہو کر تخت پر بیٹھ گئیں۔ پھر جگن ناتھ نے فرید خان کے ہاں جانے اور اس کے بعد ابوالفضل کے بیٹے عبدالرحمٰن کے پاس جا کر جس قدر تفصیلی بات ہوئی تھی وہ ساری جگن ناتھ نے سروجنی وشنکر ناتھ و مالتی اور سمترا سے کہہ دی تھی۔

یہ تفصیل جان کر سب دکھی اور پریشان ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ سروجنی بولی اور کہنے لگی۔

"تو اس کا مطلب ہے رستم خاں تو ان دنوں دکن کی طرف گیا ہوا ہے تو کیا ان قاتلوں کے خلاف فرید خاں نکلے گا؟"

جواب میں جگن ناتھ مسکرایا اور کہنے لگا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے فرید خان اپنی حویلی کی طرف چلا گیا ہے اور میں ادھر آ گیا ہوں۔ فرید خان ابھی کوئی کارروائی نہیں کرے گا۔ وہ سب سے پہلے دکن سے اپنے بیٹے رستم خاں کی واپسی کا انتظار کرے گا اور جب رستم خاں واپس آ جائے گا تو یہ معاملہ فرید خان اس کے سامنے اٹھائے گا اور فرید خان نے راستے میں مجھ پر انکشاف کیا کہ اس سلسلے میں جو فیصلہ اس کا بیٹا رستم خاں کرے گا وہ فیصلہ ہی اس کیلئے آخری ہوگا۔"

"فرید خان کا کہنا تھا کہ اگر تو رستم خاں نے کہا کہ بابا تم میرے ساتھ چلو تب میں دشمنوں سے انتقام لینے کیلئے اس کے ساتھ ہولوں گا اور اگر اس نے یہ کہا کہ دشمن سے مجھ اکیلے ہی کو نمٹنا ہے تب فرید خان یہیں رہے گا اور رستم خان اپنے خاندان کے قاتلوں کے پیچھے لگ جائے گا تاکہ ان کا خاتمہ کر سکے۔"

سروجنی اٹھ کھڑی ہوئی' کہنے لگی۔

"اب اپنے باپ کو باتوں میں نہ لگاؤ' کھانے کا وقت ہو گیا ہے' کھانا لگاؤ اور سب کھائیں۔" راجہ جگن ناتھ نے اس سے اتفاق کیا تھا چنانچہ سب کھانا کھانے کیلئے دیوان خانہ سے نکل کر دوسرے کمرے کی طرف ہو لئے تھے۔

◇ ◇ ◇

مالوہ کے شہر مانڈو میں اپنے لشکر کے ساتھ قیام کے دوران جہانگیر بڑے ذوق وشوق سے وہاں شکار کھیلتا رہا۔ اسے شیر کا شکار کھیلنے کا بڑا شوق تھا اور اس شکار میں ملکہ نورجہاں بقول مؤرخین برابر کی شریک ہوتی تھیں۔

جہانگیر خود بیان کرتا ہے کہ جب وہ باہر سفر پر ہوتا تھا تو اسے ایک بار یعنی شکار کا انتظار کرنے والوں نے بتایا کہ یہاں قریب ہی ایک شیر رہتا ہے جس کے شکار کا شوق دامن گیر ہوا' جب جنگل میں شکار کیلئے گئے تو اس کے علاوہ تین اور شکار نکل آئے۔ جہانگیر لکھتا ہے میں نے ان چاروں کو مار کر دولت خانہ کی طرف مراجعت کی' مجھے شیر کے شکار کا بے حد شوق ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے دوسرے شکار کو جی نہیں چاہتا۔

دراصل شکار کے سلسلہ میں جہانگیر سلطان محمود غزنوی کے بیٹے سلطان مسعود سے بڑا متاثر تھا' اس لئے کہ اسے شیر کو مارنے کی عجیب و غریب عادت تھی۔ تاریخ بیہقی میں اس کے متعلق لکھا ہے کہ ایک دن سلطان مسعود شکار کیلئے حدود ہندوستان میں ہاتھی پر سوار ہو کر گیا۔

ایک بڑا شیر جنگل سے نکل کر ہاتھی پر آیا' بادشاہ نے پتھر اس کے سینہ پر ایسا مارا کہ وہ گر پڑا' پھر اٹھ کر ہاتھی کے پیچھے سے حملہ آور ہوا۔ امیر نے اٹھ کر اوپر سے ایسی تلوار ماری کہ شیر کے دونوں پنجے قلم کر دیئے' شیر مر گیا۔

چنانچہ جہانگیر خود لکھتا ہے کہ مجھے شہزادگی کے دنوں میں ایسا اتفاق ہوا کہ پنجاب میں شکار کو گیا تھا کہ ایک بہت بڑا شیر نکلا' اس نے غصہ سے جست کی اور ہاتھی کے دم پر آ گیا۔ اس وقت اتنی فرصت نہ ہوئی کہ اہتمام کے ساتھ اس پر ضرب لگاؤں۔ چنانچہ میں نے دوزانو ہو کر زور سے شیر کے سر پر ضرب ماری' وہ زمین پر گر کر مر گیا۔ جہانگیر مزید لکھتا ہے کہ اس سے عجیب تر قصہ یہ ہے کہ میں پہاڑوں میں بھیڑیئے کے شکار کو گیا تھا اور ہاتھی پر سوار تھا ایک بھیڑیا سامنے آیا' میں نے اس کے کندھے پر ایک تیر مارا' جو ایک بالشت اس کے جسم میں گھس گیا' وہ اس تیر سے مر گیا اور اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ کئی نوجوان کمان والوں نے اس پر 20 تیر چلائے لیکن پھر بھی نہیں مرا۔

چنانچہ جہانگیر کے شکار سے متعلق ہی فری براؤن نے اپنی کتاب میں ایک تصویر چھاپی جو آج تک کلکتہ کے عجائب گھر میں ہے۔ اس میں ہم دیتے ہیں کہ ہو بہو اس واقعہ کو مصور نے

نہایت خوبی سے مصوری کی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہمراہ تھا۔ مصور نے شیر کو ہاتھی پر پیچھے سے حملہ کرتے دکھایا ہے اور جہانگیر شیر کو مارتے ہوئے نظر آتا ہے۔ ہاتھی رپٹ کر بھاگ رہا ہے۔ شہنشاہ کے ساتھ مہابت خاں بھی تھا اور مہابت خاں سہمے ہوئے محسوس ہو رہا ہے اور گھڑسوار شیر کی حرکت کو توجہ سے بھانپ رہے ہیں۔

کتاب میں ایک رنگین تصویر جہانگیر کے شکار کی بھی ہے جو بیشمار خوبیوں کی حامل ہے۔ اس تصویر میں مصور نے اس واقعہ کو پیش کیا ہے کہ جسے جہانگیر نے توزک میں بڑی وضاحت سے یوں بیان کیا ہے۔

جہانگیر کہتا ہے۔

"جب رانا کنور جن کی ساعت رخصت نزدیک آ گئی اور مجھ کو منظور تھا کہ میں اس کو اپنا نشانہ بے خطا دکھاؤں' اسی اثنا میں قراولوں نے ایک شیرنی کی خبر دی' حالانکہ میں سوائے تیر کے نہیں مارتا' مگر اس خیال سے کہ ایک رانا کے جانے تک شاید اور شیر نہ ملے اس طرف متوجہ ہوا اور کرن سے پوچھا کہ شیرنی کے کہاں ماروں کہ میرا ہدف وہیں لگے۔

جب میں شیرنی کے قریب گیا تو ہوا تیز چل رہی تھی اور سواری کی ہتھنی شیرنی سے گھبرانے لگی' لیکن میں نے شیرنی کی آنکھ کو ہدف بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے اس ہندو راجہ کے روبرو میری عزت رکھ لی کہ اس کی آنکھ ہی میں میرا نشانہ لگا اور شیرنی گر گئی۔"

توزک میں اس واقعہ کے متعلق جہانگیر نے یہ نہیں لکھا کہ اس نے مصوروں کو اس واقعہ کی تصویر بنانے کا فرمان جاری کیا جیسا کہ اکثر مقامات پر ہوا' مگر مصوروں نے بالخصوص اس عمدگی سے مصور کیا ہے جیسے وہ خود مشاہدہ کر رہے تھے۔ براؤن نے اس تصویر کو توزک کے اس واقعہ پر منطبق کر دیا ہے۔

اس مطبوعہ اور رنگین تصویر میں راجہ کرن سنگھ جہانگیر کے ہمراہ الگ ہاتھی پر نظر آتا ہے اور جہانگیر شیرنی کو اپنا نشانہ بنا کر گرا رہا ہے۔ راجہ کرن سنگھ کی طرف سے اس طرح جذبات کا اظہار کیا جا رہا ہے جیسے داد طلب کر رہا ہے اور وہ جہانگیر کو عزت و احترام و دبدبہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنا بایاں ہاتھ مہابت خاں کی پیٹھ پر رکھ کر سہارا لے کر اپنے دائیں ہاتھ سے تالی بجا رہا ہے۔

لوگ ہاتھی کے آگے کھڑے اس مقام پر اشارہ کر رہے ہیں جہاں شیرنی کو جہانگیر کا

نشانہ لگا تھا' ساتھ ہی یہ بھی بتا رہے ہیں کہ نشانہ واقعی آنکھ ہی میں لگا۔ مردہ شیرنی پاس ہی اس طرح گری پڑی ہے کہ اس کا ایک پاؤں آنکھ کے ایک حصہ پر ہے جہاں اس کو ضرب لگی تھی۔ یہ مصور کا کمال ہے کہ اس نے اس تمام واقعہ کو کس خوبی اور مہارت سے مصور کیا ہے۔ یہ تمام واقعہ توزک سے لفظ بہ لفظ تصویر کے ہر خط رنگ میں نمایاں ہوئے ہیں اور ساتھ ہی شاہی ماحول میں بھی بدرجہ اتم موجود ہیں۔ اس پر مصور کا نام کہیں بھی درج نہیں ہے۔

جہانگیر نے اپنے شکار سے متعلق مزید لکھا ہے کہ۔ "میں نے قریب 17/16 سال قبل خدا سے عہد کر لیا تھا کہ جب میری عمر پچاس سال کی ہو جائے تو شکار ترک کر کے کسی بھی جانور کو اپنے ہاتھ سے گزند نہیں پہنچائے گا۔ چنانچہ وہ مزید لکھتا ہے کہ 1027ء کے واقعات کے تحت جہانگیر نے ان جانوروں کی تعداد بھی لکھی ہے جو اس نے اس وقت تک شکار کئے تھے۔ یعنی پچاس سال کی عمر میں اس نے 28523 جانور شکار کئے تھے۔"

جہانگیر کے اکثر بیانات سے جو ہمیں اس توزک سے ملتے ہیں یہاں مترشح ہوتا ہے کہ اس کے ہاں مصوری کے خاص مرقع آور مرجع تھے جو ہندوستانی یا غیر ملکی مصوروں کے کام سے اعلیٰ نمونوں سے مزین تھے اور اس کو ان کی ملکیت پر فخر بھی تھا۔ جہانگیر کا شوق مصوری تک محدود نہ تھا جو بھی اعلیٰ نمونہ اسے میسر آیا اسے محفوظ کر لیا۔ ایرانی دبستان سے اسے خاص محبت تھی' تاہم ہمیں توزک کے مطالعہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اس نے اپنی توزک کو جسے وہ عام طور پر جہانگیر نام کہتا تھا ہندوستانی مصوروں سے مصوری کرنے کی فرمائش کی۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے۔

"اب کے بقائے 12 سال جہانگیر نامہ کے بیاض میں لکھے گئے ہیں۔ کتب خانہ خاص کو حکم ہوا کہ 12 سال کے احوال کو ایک جلد بنا کر متعدد نسخے کرتے کہ میں اپنے بندگان خاص سعادت کو ایک دستور عمل کے تحت بیان کروں' چنانچہ ایک واقعہ نویس نے یہ تمام بصورت جلد تیار کر کے بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔

یہ پہلا نسخہ تھا جسے جہانگیر نے اپنے فرزند شاہ جہان کو جسے وہ اپنے باقی فرزندوں سے مقدم جانتا تھا مرحمت کیا اور پیش کتاب پر اپنے خاص خط سے اس روز کی تاریخ اور مقام لکھا' اس کے بعد دو اور تیار ہوئیں' ان میں سے ایک کو عماد الملک کو عطا کیا گیا اور ایک اس کے فرزند آصف کو دیا گیا۔ اس کے بعد ایک اور نسخہ جب تیار ہوا تو اسے معہ پچاس اراکین گھوڑوں کے

اپنے لڑکے پرویز کو عنایت کیا۔"

اس کے علاوہ جہانگیر نے اپنی تحریروں سے بعض خاص واقعات زندگی بیان کئے ہیں اور لکھتا ہے کہ مصور دربار اس واقعہ کی موضوع تصویر بنا کر جہانگیر نامہ میں محفوظ کریں۔ چنانچہ مانڈو جا کر پہلے تو دوران سفر ایک نیل گائے شکار کی، مصوروں کو حکم دیا گیا کہ اس کی تصویر بنا کر مجلس جہانگیری نامہ میں درج کر دیں۔ اس طرح ایک منزل پر اترے تو ایک درخت پر نظر پڑی جو عجیب وضع کا تھا۔ جڑ سے ایک گز سیدھا جا کر دو شاخ ہو گیا۔ ایک شاخ دس گز کی تھی اور دوسری شاخ نو گز کی تھی اور اوپر جا کر پتے نکلتے تھے۔ مصوروں کو حکم دیا کہ اس کی تصویر بنا کر مجلس جہانگیر نامہ میں شریک کریں۔ یہ سب کچھ توزک کے ابتدائی حصہ سے متعلق تھا۔ البتہ اس کے دوسرے حصہ کی تصاویر یا حالات ہنوز تشنہ ہیں۔

جہانگیر کو شکار کے علاوہ مجسمہ سازی سے بھی بڑی رغبت تھی۔ چنانچہ بانڈو میں قیام کے دوران اس کے سامنے ایک مجسمہ پیش کیا گیا جسے اس نے بے حد پسند کیا۔

چنانچہ مجسمہ سازی سے متعلق جہانگیر اپنی توزک میں خود لکھتا ہے کہ غلامان بادشاہی نے ایک عجیب وغریب کام تصویر کا پیش کیا۔ چار مجلسی تصویریں ہاتھی دانت سے تراش کر فندق جو ایک قسم کا سرخ رنگ کا میوہ جو بیر کے برابر ہوتا ہے کہ اس کے چھلکے سے بنائی تھی۔ اول مجلس میں کشتی گیروں کے دو آدمی کشتی لڑ رہے ہیں۔ ایک نیزہ ہاتھ میں لئے ہوئے اور ایک سنہرہ چھتر لئے کھڑا ہے۔ اور ایک ہاتھ زمین پر رکھے بیٹھا ہے۔ اس کے آگے ایک چوب کمان اور چند برتن بنائے گئے تھے۔ دوسری مجلس میں ایک تخت بنایا گیا تھا۔ اس پر شامیانہ بنا ہوا تھا، جس میں ایک امیر اس تخت پر بیٹھا تھا اور ایک پاؤں دوسرے پاؤں پر رکھے تکیہ پشت پر لگائے بیٹھا ہے۔ پانچ خدمت گار اس کے اردگرد کھڑے ہیں۔ اس تخت پر ایک درخت کی شاخ کا سایہ بھی ڈالا گیا ہے۔ تیسری مجلس میں نٹوں کا منظر دکھایا گیا ہے۔

جہانگیر نے یہاں تک یہ اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے عہد کے سکوں کو بھی بالکل نئے طریقے سے اور نئے اعتبار سے تصویر دار جاری کیا، جس کو دربار کے اعلیٰ مصوروں نے نہایت عمدگی سے بنایا اور سکوں پر اس کی رہنما تصویر بھی تھی۔

جہانگیر اپنی توزک میں خود لکھتا ہے کہ میں نے تیز سنگ تراشوں کو حکم دیا کہ رانا اور اس کے بیٹے کے سنگ مرمر کے مجسمے تراشے جائیں، جن میں ان کا قد اور ترکیب اعضاء بالکل صحیح

ہو، جب وہ پایہ تکمیل کو پہنچ کر میرے سامنے لائے گئے تو میں نے حکم دیا کہ آگرہ میں پائیں باغ میں جھروکہ درشن میں نصب کئے جائیں تاکہ ان پر ہر وقت نظر پڑتی رہے۔

ایک مؤرخ فری براؤن نے اپنی کتاب میں ایک تصویر کلکتہ میوزیم سے شہزادہ خرم کی شادی کے جشن کی دی ہے، مگر جہانگیر نے توزک میں شہزادہ خرم کی دو شادیوں کا ذکر کیا ہے۔ اول تو مرزا مظفر حسین کی لڑکی سے اور دوسری آصف خاں کی لڑکی سے، جو دراصل ممتاز محل ہے۔ جہانگیر کے عہد کی بیشمار تصاویر مختلف مجموعوں میں موجود ہیں، ان میں سے اکثر ابھی تک گمنامی کے پردے میں ہیں۔ ان کے ساتھ بہت اہم تاریخی واقعات وابستہ ہیں اور ان کو اس نے توزک میں بھی بیان کر دیا ہے، اس لئے ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ جہانگیر کے عہد کی تصاویر کو اگر نہایت احتیاط سے تاریخی ترتیب سے جمع کیا جائے تو اس کے عہد کی تاریخ یعنی تصاویر سے بھی میسر ہو سکتی ہے، جس طرح اس نے خود اپنی توزک کو مصور کرانے کی کوشش کی تھی۔

اس سے مصور مؤرخین یہ نتیجہ بھی نکالتے ہیں کہ جہانگیر بذات خود بہت اعلیٰ مصور وفن کا شاعر وفن شناس اور قدردان تھا۔ اکبر اور جہانگیر کے عہدوں کی مصوری میں وہی فرق ہے جو دونوں کے حالات اور سیرت میں ہیں۔

اکبر کو تمام زندگی دوڑ دھوپ میں گزارنا پڑی، مگر ساتھ ہی وہ علوم وفنون کی سرپرستی کیلئے وقت نکالتا اور ان میں حصہ لیتا تھا۔

اس کے برعکس جہانگیر کو بنی بنائی سلطنت پُرامن طریقے پر ورثہ میں ملی تھی اور زیادہ فرصت حاصل ہوئی۔ لہٰذا فنون لطیفہ اس کا محبوب مشغلہ بن گیا۔ جہانگیر کی عہد کی مصوری میں زیادہ صفائی ونزاکت اور پختہ خیالی ہے اور اس میں جمالیاتی قدروں کے زیادہ پہلو ہیں۔

اکبر کے عہد کی تصاویر میں جو مصوروں کے دستخط ملتے ہیں ان میں سے اکثر پر ایک سے زیادہ مصوروں کے دستخط ہیں۔ ان میں ہر مصور اپنی خاص لیاقت کا اظہار کرتا ہے لیکن جہانگیر کے عہد میں ہر مصور بذات خود تنہا پوری تصویر بناتا تھا اور انعام واکرام حاصل کرتا تھا۔

جہانگیر کے عہد کی مصوری کی اس مختص کیفیت میں ہنوز کئی پہلو تشنہ ہیں جن پر مزید روشنی ڈالی جا سکتی ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اس کے عہد کی ہر تصویر تاریخی حیثیت سے اپنے اندر ایک نہ ایک اہم پہلو رکھتی ہے۔ اس عہد کی مصوری اور سنگ تراشی بہت حد تک

جہانگیر کے طویل عہد حکومت کا آئینہ اور تاریخ وثقافت اسلام کا مظہر ہیں۔

بہر حال مالوہ کے شہر مانڈو کے نواح میں جہانگیر ہر روز جنگل کی طرف شکار کو جاتا' نور جہاں اس کے ہمراہ ہوتی۔

✧ ✧ ✧

جہانگیر نے اپنے تیز رفتار قاصد اور طلایہ گرد کن تک پھیلا رکھے تھے' جو دکن کی صورتحال ہر خبر مانڈو میں جہانگیر تک پہنچایا کرتے تھے۔

مانڈو میں قیام کے دوران جہانگیر کو جب یہ خبریں پہنچیں کہ شہزادہ خرم اور رستم خاں دونوں نے مل کر نہ صرف یہ کہ دکن کی ساری باغی قوتوں کا صفایا کر دیا ہے بلکہ بیجاپور کے حکمران کو بدترین شکست دینے کے بعد اس کے ساتھ کامیاب گفتگو کر کے اسے وہ سارے علاقے بھی واپس لے لئے ہیں جن پر ماضی میں بیجاپور کے سلطان نے قبضہ کر لیا تھا بلکہ احمد نگر جیسا اہم شہر بھی بیجاپور کی گرفت سے نکل کر مغلوں کے قبضہ میں آ گیا ہے یہ خبر سن کر جہانگیر کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ دوسری طرف نور جہاں کیلئے یہ خبر اچھی نہ تھی۔ اس لئے کہ وہ تو ہر صورت میں اپنے داماد شہزادہ شہریار کو آگے رکھنا چاہتی تھی۔ ہر معاملہ میں شہزادہ خرم کو نیچا دیکھنا چاہتی تھی' اب جو خرم کی دکن سے فتوحات کی خبریں آئیں تو ان خبروں نے نور جہاں کو مایوس کر دیا تھا۔ دوسری طرف یہ خبریں سن کر جہانگیر نے تیز رفتار قاصد دکن کی طرف بھجوائے اور اپنے بیٹے خرم کے علاوہ رستم خاں' دونوں کو اس نے دکن سے مانڈو طلب کر لیا تھا۔

✧ ✧ ✧

دکن میں ایک روز شہزادہ خرم اپنی رہائشگاہ کے کمرے میں اکیلا بیٹھا ہوا تھا کہ اس کمرے کے دروازے پر رستم خاں نمودار ہوا۔ اسے دیکھتے ہی خرم نے خوشی کا اظہار کیا۔ ہاتھ کے اشارہ سے اس نے اپنے سامنے ایک نشست پر بیٹھنے کیلئے کہا۔ اس پر رستم خان کمرے میں داخل ہوا اور خرم کے سامنے بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر خاموشی رہی' اس کے بعد خرم نے رستم خاں کو مخاطب کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

''میرے بھائی تھوڑی پہلے دو طرح کے قاصد آئے ہیں اور دو طرح کی خبریں لائے ہیں۔ پہلے قاصد شہنشاہ کی طرف سے آئے ہیں۔ شہنشاہ کو دکن میں ہماری اس کامیابی اور فتح مندی کی خبر ہو چکی ہے۔ لہٰذا شہنشاہ نے مانڈو میں اس فتح کی خوشی میں جشن منانے کا ارادہ کیا

ہے۔ اس بنا پر انہوں نے مجھے اور تم دونوں کو چند مسلح دستوں کے ساتھ دکن سے مانڈو طلب کر لیا ہے۔''

''رستم خاں میرے عزیز بھائی دوسری خبر آگرہ سے آئی ہے اور وہ تمہارے خاندان سے متعلق ہے۔ تم جانتے ہو تمہارے خاندان کے جن لوگوں کو قتل کیا گیا تھا تو یہ سب کچھ ابوالفیض کے کہنے پر ہوا تھا۔ یہ امید تھی کہ ابوالفیضل کا بیٹا ان قاتلوں کو جانتا ہوگا۔ چونکہ ابوالفیضل کا بیٹا عبدالرحمٰن پہلے دہلی سے وہاں سے پٹنہ چلا گیا تھا جو قاصد آگرہ سے آیا ہے اس کا کہنا تھا کہ وہ پٹنہ سے آگرہ آ گیا۔ جب تمہارے باپ کو اس کی خبر ہوئی تو قاصد کا کہنا ہے کہ اس نے خوشی اور اطمینان کا اظہار کیا اور یہ خبر جگن ناتھ نے ہی تمہارے باپ سے کہی۔ لہٰذا جگن ناتھ تمہارے باپ کو لے کر عبدالرحمٰن کی طرف گیا۔ میں جانتا ہوں جگن ناتھ تمہیں بے حد پسند کرتا ہے۔ تمہارے باپ کی بھی بڑی قدر اور عزت کرنے والا ہے۔ بہر حال آنے والے قاصد نے بتایا ہے کہ

تمہارا باپ اور جگن ناتھ اس سے ملے۔ لہٰذا ابوالفیض بیٹے عبدالرحمٰن نے ان چھ آدمیوں کے نام بتا دیئے ہیں جنہوں نے عبدالرحمٰن کے باپ ابوالفیض کے کہنے پر تمہارے اہلخانہ کا قتل عام کیا تھا۔ اس لئے کہ ابوالفیض پر اس آدمی کا دشمن تھا جو میرے دادا اکبر کا جاری کردہ دین الٰہی قبول نہیں کرتا تھا۔ کیونکہ اس دین الٰہی کا موجود اس کی ابتداء کرنے والا ابوالفیض اور اس کا بھائی فیضی دونوں تھے' جو خیر وہ قاصد لے کر آیا ہے اس کے مطابق عبدالرحمٰن خود اپنے باپ ابوالفیض کو اچھا نہیں سمجھتا۔ اسے وہ ملحد قرار دیتا ہے۔ اس کا یہ بھی کہنا ہے کہ ابوالفیض نے کچھ راجپوت جنگجو پال رکھے تھے جس سے وہ اپنے دشمنوں کا خاتمہ کرایا کرتا تھا۔ ان میں سے چھ تمہارے اہلخانہ کے قاتل ہیں۔ بقول اس قاصد کے' ان میں سے دو اس وقت بٹھنڈا میں قیام کئے ہوئے ہیں ان کے نام ساونتر اور رائے چند ہے۔ دو بنارس میں ہیں مول شنکر اور بھیم سین اور دو بہار میں ہیں جن کے نام در جاند اور لکھداری ہیں۔ یہ چھ کے چھ راجپوت ہیں۔ انہوں نے مختلف شہروں میں اس لئے قیام کیا ہوا ہے کہ اب یہ اپنی جانوں کیلئے خطرہ محسوس کرتے ہیں' اس لئے کہ ماضی میں انہوں نے ناحق سے لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ یہ لوگ راجپوتوں کے علاقوں کی طرف بھی نہیں جاتے' اس لئے کہ راجپوتوں میں سے اکثر راجہ چونکہ دادا کے بعد میرے باپ کے ہمنوا اور اس کے مطیع اور فرمانبردار ہیں۔

لہٰذا انہیں خطرہ ہے کہ وہ پکڑے جائیں گے اور موت کے گھاٹ اتار دیئے جائیں گے۔

آنے والے قاصد نے دبے دبے الفاظ میں یہ بھی انکشاف کیا تھا کہ یہ قاتل اکیلے نہیں ہیں' ان کے پیچھے کوئی تنظیم بھی ہے اور کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو مالی طور پر ان کی مدد کرتے ہیں۔''

''رستم خاں تمہارے باپ فرید خان نے تمہیں فی الفور طلب کیا ہے۔ یقیناً وہ اپنے اہلخانہ کے قاتلوں سے انتقام لینا پسند کرے گا۔ لیکن ابھی اس معاملہ کو بالکل راز میں رکھنا۔ کسی پر یہ بھنک بھی پڑھنے دینا کہ تم اپنے اہلخانہ کے قاتلوں سے انتقام لینے کیلئے نکل رہے ہو۔''

''دوسری بات یہ کہ اس مہم میں اپنے باپ فرید خان کو ساتھ نہ لے کر جانا' وہ بوڑھا ہو چکا ہے۔ اب اس کے آرام کے دن ہیں۔ تمہاری آمد سے پہلے میں نے تمہاری اس مہم کے متعلق کافی آسانیاں پیدا کر دی ہیں۔ پہلی بات یہ کہ دکن کی اس جنگ کے دوران تمہارے ساتھ جو چھوٹا سالار کام کرتا رہا ہے نام جس کا نظام الدین ہے وہ بھی تمہارے ساتھ جائے گا اور چند بہترین جنگجو قسم کے لشکری تمہارے ہمراہ ہوں گے۔''

اس کے علاوہ اس سلسلے میں جب میں نے نظام الدین سے بات کی تو نظام الدین کی طرف سے بڑا اچھا انکشاف ہوا۔ نظام الدین کا کہنا تھا کہ ہمارے لشکر میں قاسم خان نام کا جو مخبر ہے جو دکن میں ہمیں بڑی مفید خبریں باہم پہنچاتا رہا ہے وہ ان چھ قاتلوں کو اچھی طرح جانتا ہے بلکہ انہیں ان کے چہروں سے بھی پہچان سکتا ہے۔

رستم خاں میں چاہتا ہوں کہ تم یہاں سے آگرہ نہ جاؤ' اگر تم نظام الدین اور قاسم خان اور مسلح ساتھیوں کو لے کر آگرہ کی طرف گئے اور پھر وہاں سے تم نے کوچ کیا تو ان قاتلوں کی مدد کرنے والے یا ان کے پیچھے جو تنظیم ہے انہیں کسی نہ کسی طرح خبر ہو جائے گی کہ تم کس مہم پر نکلے ہو۔ لہٰذا وہ نہ صرف تمہارے اور نظام الدین اور قاسم خان کے خلاف حرکت میں آئیں گے بلکہ قاتلوں کو بھی آگاہ کر دیں گے کہ تمہارے خلاف مہم شروع ہو رہی ہے۔ لہٰذا وہ اپنی رہائشگاہیں تبدیل کر سکتے ہیں۔ اگر ایسا ہوا تو پھر انہیں تلاش کرنا مشکل ہو جائے گا۔

''میں چاہتا ہوں تم آج ہی اپنی اس مہم پر روانہ ہو جاؤ۔ میں بھی آج بابا حضور کی خدمت میں حاضر ہونے کیلئے مانڈو کا رخ کروں گا۔ ساتھ ہی میں ایک قاصد تمہارے باپ فرید خان کی طرف تھوڑی دیر تک روانہ کر دوں گا اور اس پر ساری صورتحال آگاہ کر دوں گا کہ

رستم خان آگرہ نہیں آئے گا بلکہ براہ راست دکن سے دشمنوں کے خلاف حرکت میں آئے گا۔ اس طرح تمہارا باپ تمہارے انتظار سے بچ جائے گا اور مطمئن ہو جائے گا کہ تم دشمنوں سے انتقام لینے کیلئے نکل کھڑے ہوئے ہو' رستم خاں بولو اب تم کیا کہتے ہو۔''

اس موقع پر رستم خاں کے چہرے پر اطمینان بخش لہریں نمودار ہوئی تھیں اور آنکھوں میں ایک انوکھی چمک پیدا ہوئی تھی۔ پھر شاہ جہان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''آپ کا یہ ہم پر بہت بڑا احسان ہے......''

شاہ جہان نے فوراً رستم خاں کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور کہنے لگا۔

''کوئی شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' رستم خاں نے اس موقع پر بڑی ممنونیت سے شاہ جہان کی طرف دیکھا' پھر کہنے لگا۔

''میں آج ہی نظام الدین اور قاسم خان اور جن مسلح جوانوں کا آپ ذکر کر رہے ہیں ان کے ساتھ قاتلوں سے نمٹنے کیلئے نکل کھڑا ہوں گا۔'' رستم خان کے یہ الفاظ سن کر شاہ جہان خوش ہو گیا تھا' پھر آواز دے کر کسی کو اندر بلوایا۔ اس طرح مسلح جوان دروازے پر آن کھڑا ہوا تھا اسے دیکھتے ہی شاہ جہان نے نظام الدین اور قاسم کو بلانے کیلئے کہا' جس پر وہ وہاں سے ہٹ گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد نظام الدین اور قاسم خان دونوں اس کمرے میں داخل ہوئے۔ دونوں جوان توانا اور صحت مند تھے۔ آگے بڑھ کر وہ دونوں شاہ جہان کے کہنے پر رستم خاں کے دائیں بائیں بیٹھ گئے' پھر شاہ جہان نے انہیں مخاطب کیا۔

''جس موضوع پر اس سے پہلے میں تم دونوں سے بات کی تھی اس پر تفصیل کے ساتھ رستم خاں سے میری گفتگو ہو چکی ہے۔ تم دونوں اس کے ساتھ جاؤ گے قاسم خان اس مہم میں محتاط رہنا تمہارے ساتھ کچھ جنگجو ساتھی بھی ہوں گے۔ میں چاہتا ہوں تینوں جگہ کی اس مہم میں تم لوگ کامیاب اور کامران لوٹو اور ساتھ ہی ان لوگوں سے یہ بھی پتہ چلانا کہ ان کے پیچھے کام کرنے کیلئے کون سی تنظیم ہے اور وہ کون سے لوگ ہیں جو مالی طور پر ان کی اعانت کر رہے ہیں۔''

شاہ جہان کی اس گفتگو پر نظام الدین اور قاسم خان نے بھی خوشی اور اطمینان کا اظہار کیا تھا۔ اس کے بعد شاہ جہان اٹھ کھڑا ہوا۔ پہلے ایک قاصد اس نے ساری صورتحال سے آگاہ

کرنے کیلئے فرید خان کی طرف روانہ کر دیا تھا' کچھ جنگجو کو علیحدہ کیا جنہیں لے کر رستم خاں نظام الدین اور قاسم خان اپنی مہم پر نکل گئے تھے جبکہ اسی روز شاہ جہان دکن سے نکل کر مانڈو کا رخ کر گیا تھا۔

✧ ✧ ✧

رستم خاں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ پہلے بہار کا رخ کیا تھا۔ دکن سے نکل کر انہوں نے وارنگل وہاں سے رائے پور' پھر اس شاہراہ پر سفر کیا جو جمشید پور کی طرف جاتی تھی۔ اس کے بعد وہ شمال کی طرف مڑ کر آگے کا رخ کر رہے تھے۔

بہار ہندوستان کا ایک شہر اور اسی نام کا صوبہ بھی ہے۔ اس صوبہ کے مغرب میں اتر پردیش اور مدھیہ پردیش' شمال میں نیپال' مشرق میں بنگال اور جنوب میں اڑیسہ واقع ہے۔
بہار راجہ اشوک کی سلطنت کا مرکز تھا۔ عام طور پر اسے گلشن ہند کے نام سے بھی پکارا جاتا رہا ہے اور اس کا مرکزی شہر پٹنہ تھا۔ عہد قدیم میں بہار بدھ مت کا گہوارہ تھا۔
اس علاقے کا نام شہر بہار کے نام پر رکھا گیا۔ بہار شہر آج کل کسی خاص اہمیت کا حامل نہیں ہے۔ اس کے اردگرد بدھ مت خانقاہیں تھیں۔ یہ علاقہ انگریزوں کے زمانہ میں 1765ء سے بنگال کے حاکم کے تحت رہا۔ 1912ء میں بہار اور اڑیسہ کو بنگال سے جدا کر کے دو صوبوں میں تقسیم کر دیا گیا اور بہار کا انتظامی حیثیت سے اڑیسہ کے ساتھ الحاق کر دیا گیا۔

1936ء میں بہار اور اڑیسہ کو دو علیحدہ صوبوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ 1947ء میں جب ہندوستان آزاد ہوا تو صوبہ بہار بھی ایک الگ مستقل صوبہ بن گیا۔ نومبر 1956ء میں صوبے کی حدود نئے سرے سے متعین کی گئی۔

1195ء میں اختیار الدین محمد بن بختیار خلجی نے شہر بہار کو فتح کیا اور قطب الدین ایبک کے زیر سعادت میں اسی کے قبضہ میں رہا۔ 1330ء میں محمد بن تغلق نے بہار کو دہلی کی سلطنت میں شامل کر لیا۔ 1397ء میں بہار کو جونپور کر دیا گیا۔ 1488ء میں سکندر لودھی کے حملے کے بعد بہار کو دہلی کی سلطنت میں شامل کر لیا گیا۔ اس کے تھوڑے ہی عرصے بعد دوبارہ شاہان بنگال کے قبضہ میں چلا گیا۔

اور جب تک مغلوں کا بنگال پر قبضہ نہیں ہوا تھا بہار ان ہی کے قبضہ میں رہا۔

1582ء میں اکبر کے عہد میں بہار کو ایک صوبہ بنایا گیا جس میں آٹھ سرکاریں تھیں اور

بہار صوبہ بنگال کے تحت تھا۔ اس صوبہ کا صدر مقام شہر بہار تھا جسے نویں صدی ہجری اور پندرہویں صدی عیسوی میں شیر شاہ نے بدل کر پٹنہ کو صدر مقام قرار دیا۔ اس کے دور میں یہ علاقہ اودھ بنگال کے درمیان حد فاصل کا کام دیتا تھا۔

اکبر کے ابتدائی عہد حکومت میں بہار پر ایک افغان سلیمان کیرانی حکومت کرتا تھا' لیکن 1576ء میں بنگال اور بہار دونوں اکبر کے زیر اقتدار آ گئے تھے۔ اس وقت سے 1765ء تک بہار مغلوں کے قبضہ میں رہا۔ 1765ء میں بہار جب بنگال کے ساتھ ملحق تھا انگریزوں کے قبضہ میں چلا گیا۔ 1947ء کے بعد مسلمانوں کی اکثریت بہار سے بنگال کی طرف ہجرت کر گئی تھی۔

بہار کی یادگار عمارات میں مقبرہ شیر شاہ سوری بڑی شہرت کا حامل ہے۔ یہ مقبرہ ایک عظیم مصنوعی جھیل کے عین درمیان 50 میٹر بلندی پر موجود ہے۔ یہ لودھیوں کے عہد حکومت میں سب سے بڑے ماہر تعمیرات علی وال خاں نے بنایا تھا۔ اس کے علاوہ رہتاس قلعہ شیر شاہ نے ایک ہندو راجہ سے چھینا تھا اور ایک جامع مسجد کی تعمیر بھی شیر شاہ سے منسوب کی جاتی ہے۔
جہانگیر کا قلعہ بھی ایک یادگار عمارت ہے۔ اس کے علاوہ پالامو کے قلعے اور نیا قلعہ جو اپنے شاندار ناگ پوری دروازے پر نازاں ہے مخدوم شاہ دولت کا مزار بھی جو چھوٹی درگاہ کے نام سے مشہور ہے' لائق تحسین ہے۔
بہار کو اسلامی دور میں سیاسی اور ثقافتی لحاظ سے بڑا مرکزی اور اعلیٰ مقام حاصل رہا ہے۔
اس صوبے میں جو بولیاں بولی جاتی ہیں ان میں ہندو اکثریت کی بولیاں بھج پوری' میتھل اور ماگھی یعنی بہاری کے نام سے منسوب کی جاتی ہے۔ مسلمانوں کی زبان اردو ہے۔
اس علاقے میں گرمی شدت سے پڑتی ہے اور جاڑہ اعتدال سے ہوتا ہے۔ یہاں کی پیداوار خاص طور پر چاول بہت زیادہ مشہور ہے۔ گندم بھی کس قدر ہوتی ہے۔

✧ ✧ ✧

بہرحال رستم خاں نظام الدین اور قاسم خاں اپنے ساتھیوں کے ساتھ بہار کے مرکزی شہر پٹنہ پہنچے جس کا پرانا اور قدیم نام پاٹلی پتر تھا۔ شہر میں داخل ہونے سے پہلے رستم خاں نے پٹنہ کے جنوب مغرب میں جو پرانی اور قدیم کھنڈرات ہیں ان کے قریب اپنے گھوڑے کو روک لیا۔ اس کی طرف دیکھتے ہوئے نظام الدین قاسم خاں اور دوسرے مسلح جوان بھی اپنے

گھوڑوں کو روک چکے تھے' پھر رستم خاں نے ایک گہری نگاہ باری باری اپنے سالار نظام الدین اور قاسم خاں پر ڈالی' پھر اس نے بڑی رازداری سے ان دونوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"میں چاہتا ہوں کہ شہر سے باہر کسی سرائے میں قیام کریں جبکہ قاسم خاں اپنے کام کی ابتداء کرے شہر میں گھوم پھر کر' مختلف سراؤں کا جائزہ لے اور دیکھے کہ درجاند اور لکھداری نے ان علاقوں میں کس جگہ قیام کر رکھا ہے۔ جب ان کے قیام کا پتہ چل جائے گا تب قاسم خان یہ بھی دیکھے کہ دن کے وقت وہ کیا کام کرتے ہیں' کیا شہر سے باہر بھی نکلتے ہیں یا اپنی رہائشگاہ کے اندر پڑے رہتے ہیں۔"

نظام الدین اور قاسم خان دونوں نے اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ لہٰذا آگے بڑھے قاسم خان شاید ان دونوں سے واقف تھا لہٰذا اس کے کہنے پر پٹنہ شہر کے مشرق میں ایک سرائے کے اندر انہوں نے قیام کر لیا تھا۔ ایک دن اور ایک رات انہوں تھکاوٹ کے باعث آرام کیا اور اگلے روز مخبر قاسم خان نے اپنے کام کی اطلاع دی۔

بہرحال قاسم خان پٹنہ شہر میں کئی روز تک سرگرداں رہا جبکہ رستم خاں نظام الدین اپنے ساتھیوں کے ساتھ سرائے میں قیام کر کے اس کی کامیابی کے منتظر رہے۔ ایک روز صبح سویرے نکلنے کے بعد قاسم خاں جلدی ہی سرائے میں لوٹ آیا اور وہ بے حد خوش اور مطمئن تھا۔ اس کی یہ حالت دیکھتے ہوئے رستم خاں اور نظام الدین دونوں نے یہ اندازہ لگایا کہ شاید وہ اپنا گوہر مقصود حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ چنانچہ قاسم خان جب رستم خاں اور نظام الدین کے کمرے آیا تب وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے رستم خاں نے پوچھ لیا۔

"قاسم خان آج تم اتنی جلدی لوٹ آئے ہو خیریت تو ہے۔"

اس پر قاسم خان خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"میں اس لئے لوٹ آیا ہوں کہ میں نے انہیں تلاش کر لیا ہے۔"

"میں نے ان دونوں کو اپنے دو اور ساتھیوں کے ساتھ پٹنہ شہر کے بازار میں گزرتے دیکھا۔ چنانچہ میں ان کے پیچھے ہو لیا۔ وہ ایک مکان میں گھس گئے' میں نے اس مکان کی نشاندہی کر لی ہے۔ میں لوٹ کے اس لئے آیا ہوں کہ اس خبر سے آپ لوگوں کو مطلع کر دوں' اب میں پھر واپس جاؤں گا اور دیکھوں گا کہ دن کے وقت ان کی کیا کارگزاری رہتی ہے۔ میرے خیال میں وہ آج صبح ہی گھر سے نکلے ہوں گے' کچھ سامان خریدنے آئے ہوں گے

کیونکہ ان کے گھوڑوں کے ساتھ کچھ سامان بھی بندھا ہوا تھا۔ لہٰذا وہ جس حویلی میں داخل ہوئے اس حویلی کی بھی میں نشاندہی کر کے آیا ہوں۔"

قاسم خان جب خاموش ہوا تو تب رستم خاں اور نظام الدین دونوں کی خوشی اور اطمینان کی کوئی انتہا نہ تھی اور رستم خاں قاسم خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"قاسم خان میں تمہارے ساتھ اپنا ایک مسلح آدمی بھیجتا ہوں۔ اس کے ساتھ اس حویلی کے گرد منڈلاتے رہو۔ اگر وہ دن کے کسی وقت حویلی سے نکل کر کہیں جاتے ہیں تو تم اور مسلح جوان ان کا تعاقب کرنا اور جب وہ کہیں رکتے ہیں گھڑ دوڑ کرتے ہیں یا کسی کام کی ابتداء کرتے ہیں تب تم اپنے ساتھی کو میری طرف بھیجنا۔ وہ ہماری رہنمائی کرے گا اور ہم ان تک پہنچ جائیں گے اور ان سے نمٹ لیں گے' پھر اگر وہ پورا دن حویلی کے اندر ہی رہتے ہیں تب بھی مغرب کی نماز تک تم ان پر نگاہ رکھنا' مگر مغرب کی نماز کے بعد جو ساتھی تمہارے ساتھ جائے گا اسے ہماری طرف بھیجنا اس کے ساتھ ہم بھی مسلح ہو کر اور اپنا سارا سامان سمیٹ کر وہاں پہنچ جائیں گے۔ تمہارا گھوڑا بھی اپنے ساتھ لیتے آئیں گے اور رات کی تاریکی میں جس حویلی میں انہوں نے قیام کیا ہوا ہے اس حویلی میں ان سے نمٹ کر واپس اپنی منزل کی طرف کوچ کر جائیں گے۔"

نظام الدین اور قاسم خان دونوں نے اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ لہٰذا رستم خاں نے ایک مسلح جوان کو قاسم خان کے ساتھ روانہ کیا۔ اس طرح قاسم خان اپنے اس ساتھی کے ساتھ پھر پٹنہ شہر میں داخل ہو گیا تھا۔

قاسم خان اور اس کے ساتھی نے دن بھر اس حویلی پر نگاہ رکھی۔ درجاند اور لکھداری دن بھر اس حویلی سے باہر نہیں نکلے۔ چنانچہ مغرب کی نماز کے بعد قاسم خان نے اپنے ساتھی کو رستم خاں کی طرف بھیج دیا' جس کے جواب میں رستم خاں اور نظام الدین اپنے سارے ساتھیوں کے ساتھ اپنا سارا سامان سمیٹ کر اس حویلی کے باہر پہنچ گئے۔ حویلی کے گرد گھوم کر رستم خاں نے پہلے اس کا جائزہ لیا' پھر نظام الدین اور قاسم خان کے پاس آیا اور بڑی رازداری سے کہنے لگا۔

"معاملہ سارے کا سارا ہمارے حق میں جاتا ہے۔ حویلی قلعہ نما ہے اور اس میں داخل ہونے اور نکلنے کا یہی راستہ ہے' جس پر ہم آ کے رکے ہیں۔" اس کے بعد قاسم خان کے کام

میں رستم خاں نے بڑی دیر تک کھسر پھسر کی جسے سن کر قاسم خان مسکرایا۔ اس کے بعد نظام الدین اور قاسم خان اس حویلی کے دروازے پر کھڑے رہے۔ رستم خان ذرا پیچھے ہٹ گیا تھا اور رستم خاں کے پیچھے باقی مسلح جوان تھے۔ جب ساری کارروائی مکمل ہوچکی تب قاسم خان نے آگے بڑھ کر حویلی کے دروازے پر دستک دی تھی۔

پہلی دستک پر کوئی ردعمل نہ ہوا' دوسری دستک پر دروازہ ایک شخص نے کھولا۔ قاسم خان اسے پہچان نہ پایا۔ کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ دروازہ کھولنے والا قاسم خان اور نظام الدین دونوں کی طرف پہلے بڑے غور سے دیکھتا رہا' پھر کہنے لگا۔

"میں نہیں جانتا تم کون ہو اور اس حویلی کے دروازہ پر تم دونوں نے کیوں دستک دی ہے؟"

قاسم خان دروازے کا چھوٹا حصہ کھولنے والے کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"میرے عزیز میرا نام قاسم خان ہے۔ میں آگرہ سے آیا ہوں۔ درجاند اور لکھداری سے ملنا چاہتا ہوں۔ میرے پاس ان دونوں کیلئے ایک انتہائی اہم پیغام ہے۔ ایک ایسا پیغام جو ان دونوں کیلئے فائدہ مند اور سود بخش ہوسکتا ہے۔ دیکھو پریشان اور فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں' اگر تم سمجھتے ہو کہ میں قابل اعتبار نہیں ہوں تم ایسا کرو ان دونوں کو دروازے کے سامنے کردو وہ دونوں میرے جاننے والے ہیں' وہ دیکھتے ہی مجھے پہچان جائیں گے۔"

دروازہ کھولنے والا مطمئن ہوگیا تھا' پھر قاسم خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"اگر یہ بات ہے تو ذرا رکو میں اس سلسلے میں ان دونوں سے بات کرتا ہوں۔" اس کے ساتھ ہی وہ پیچھے ہٹ گیا تھا۔ اس کے پیچھے ہٹنے کے ساتھ ہی قاسم خان نے رستم خاں کو اشارہ کیا' جس پر رستم خاں آگے بڑھا اور رستم خاں کے پیچھے جو مسلح جوان تھے وہ بھی آگے بڑھ آئے اور حویلی کے دروازے پر آن کھڑے ہوئے' تھوڑی دیر بعد حویلی کے صحن میں جو مشعل جل رہی تھی اس مشعل کی روشنی میں دو اشخاص صدر دروازے کی طرف بڑھے۔ قاسم خان نے اس موقع پر رستم خاں کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

"یہ جو دو صدر دروازے کی طرف آرہے ہیں یہی لکھداری اور درجاند ہیں۔"

قاسم خان کے ان الفاظ پر رستم خاں مطمئن ہوگیا تھا۔ جونہی لکھداری اور درجاند قریب آئے آندھی اور طوفان کی طرح ایک دوسرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رستم خاں اور نظام

الدین حویلی میں داخل ہوئے اور لکھداری اور درجاند کو انہوں نے پکڑ لیا تھا' جس شخص نے پہلے دروازہ کھولا تھا' وہ بھی ان کے ساتھ تھا۔ اس نے جب پیچھے ہٹنا چاہا تو قاسم خان نے آگے بڑھ کر اس پر گرفت کر لی تھی۔

اس پر وہ شخص شور کرنے لگا تھا۔ اس کے شور کرنے پر حویلی کے اندر سے بہت سے مسلح جوان باہر نکلے' وہ تعداد میں چار پانچ کے قریب ہوں گے۔ اتنی دیر تک رستم خاں کے مسلح جوان جو ابھی تک باہر کھڑے تھے وہ بھی طوفان کی طرح حویلی میں داخل ہوئے اور حویلی کے اندرونی حصہ سے جو مسلح جوان نکلے تھے ان کو اپنے سامنے بے بس کر کے ان کی مشکیں باندھ کر رکھ دی تھیں۔

اس کے بعد رستم خاں کے اشارہ پر اس کے مسلح جوانوں نے اور سب کو بھی جکڑ کر رکھ دیا تھا' پھر رستم خاں کے آدمیوں نے ان سب کو اٹھا کر دروازے کے قریب ہی جو کمرہ دیوان خانے کے طور پر استعمال ہوتا تھا وہاں پھینک دیا تھا۔ وہاں بڑی آرائش کے ساتھ کچھ مسندیں اور نشستیں لگی ہوئی تھیں سب ان نشستوں پر بیٹھ گئے۔ لکھداری اور درجاند کے ساتھیوں کو بھی چونکہ جکڑ کر بے بس کر دیا گیا تھا۔ لہٰذا رستم خاں کے کہنے پر پہلے مسلح جوانوں نے حویلی کا جائزہ لیا۔ حویلی کے اندر ان کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ لہٰذا واپس آ کر اس کی خبر رستم خاں کو دی۔ لہٰذا رستم خاں کے کہنے پر سارے مسلح جوان دیوان خانے میں ہو بیٹھے تھے۔

اس موقع پر رستم خاں نے درجاند اور لکھداری کی طرف دیکھا' پھر ان دونوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"تم دونوں میں لکھداری اور درجاند کون ہے؟"

جب وہ دونوں خاموش رہے تب قاسم خان کہنے لگا دائیں طرف والا لکھداری ہے' بائیں جانب والا درجاند ہے۔

ایک قہر بھری نگاہ اس موقع پر رستم خاں نے ان پر ڈالی' پھر کہنے لگا۔

"کیا تم دونوں نے مجھے پہچانا؟"

اس پر لکھداری بولا اور کہنے لگا۔

"لگتا ہے تم کسی دھوکے اور فریب میں پڑ گئے ہو۔ ہمیں چھوڑ دو ایسا نہیں کرو گے تو یاد رکھنا مارے جاؤ گے۔ اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔ یاد رکھنا یہ آگرہ نہیں پٹنہ ہے۔"

لکھداری کے ان الفاظ پر رستم خاں غصے میں تاؤ کھا گیا تھا۔ اپنے پاؤں سے ایک ٹھوکر اس نے اس کی ٹھوڑی کے نیچے ماری، جس پر لکھداری چلا اٹھا تھا۔ غرانے کے انداز میں انتہائی غصے اور غضبناکی میں رستم خاں نے پھر اسے مخاطب کیا۔

"میں نے تم دونوں سے یہ سوال کیا تھا کہ کیا تم دونوں نے مجھے پہچانا۔" اس کے ساتھ ہی رستم خاں نے جب اپنی تلوار بے نیام کی تب درجاند اور لکھداری دونوں لرز کر کانپ گئے تھے، پھر لکھداری فوراً بول اٹھا۔

"ہم نے تمہیں نہیں پہچانا، تم کون ہو۔ ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ تمہاری اور ہماری کیا دشمنی ہے۔ کیا عداوت ہے اور کس وجہ سے تم نے یوں ہمارے ساتھیوں کی مشکیں باندھ کر یہاں ہمارے ہی دیوان خانہ میں پٹخ دیا ہے۔"

لکھداری جب خاموش ہوا تب کھا جانے والے انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے رستم خاں بول اٹھا۔

"میں مانتا ہوں تم مجھے نہیں جانتے نہ ہی پہچانتے ہوگے، لیکن کیا تم اکبر کے دور کے ایک نامور سالار فرید خان کو بھی نہیں جانتے۔"

فرید خان کا نام سن کر لکھداری اور درجاند دونوں چونکے تھے۔ چہروں پر وحشت کے آثار پھیلے تھے اور آنکھوں کے اندر خوف کی لہریں رقص کرنے لگی تھیں۔ دونوں نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ اس موقع پر جب رستم خاں نے اپنی تلوار فضا میں بلند کرتے ہوئے پھر پوچھا۔

"تم بولتے کیوں نہیں، کیا تمہارے منہ میں زبان نہیں رہی۔ میں نے تم سے پوچھا ہے کیا تم فرید خان کو جانتے ہو؟"

اس بار کپکپاتی آواز میں درجاند بولا اور کہنے لگا۔

"ہاں ہم فرید خان کو جانتے ہیں۔"

رستم خاں پھر بولا۔

"جب ابوالفیض کے کہنے پر اکبر نے دین الٰہی کو نہ تسلیم کرنے پر فرید خان اور اس کے بیٹے رستم خان کو زندان میں ڈال دیا تھا تو یہ بتاؤ تم دونوں نے فرید خان کے اہلخانہ کو کیوں قتل کیا؟"

لکھداری اور درجاند دونوں کو سانپ سونگھ گیا تھا، پھر خاموش ہو گئے تھے۔ ان کی حالت سے لگتا تھا ان پر نزع کا عالم طاری ہو گیا ہو۔ اپنی چمکتی ہوئی بھاری برچھا نما تلوار جب رستم خاں نے ان دونوں کے سروں کے قریب کی تب لکھداری طوطے کی طرح بول اٹھا۔

"ابوالفیض کے کہنے پر ہم نے فرید خان کے اہلخانہ کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔"

"کیا اس کام میں تمہارے چار اور ساتھی بھی ملوث تھے۔"

لکھداری نے اثبات میں گردن ہلائی۔

"ہاں اس کام میں ہمارے چار اور ساتھی بھی ملوث تھے۔"

"تم نے یہ کام کیوں کیا؟" کھولتے لہجے میں رستم خاں نے پوچھ لیا تھا۔ "ہم نے خود تو یہ کام نہیں کیا بلکہ ہم سے یہ کام کروایا گیا تھا اور ایسا ہم نے ابوالفیض کے کہنے پر کیا تھا۔"

اس پر بے پناہ غصے اور غضبناکی کا اظہار کرتے ہوئے رستم خاں کہنے لگا۔

"اگر میں تم دونوں سے کہوں کہ اپنے باپ کو قتل کر دو، کیا تم ایسا کر گزرو گے۔"

اس بار درجاند بولا، کہنے لگا۔

"ہم نے یہ کام بھاری رقم کے عوض میں کیا تھا اور یہ رقم ابوالفیض نے ہمیں مہیا کی تھی۔"

تھوڑی دیر خاموشی رہی، پھر بے پناہ غصے کا اظہار کرتے ہوئے رستم خاں نے پھر پوچھ لیا۔

"تمہارے باقی چار ساتھی کہاں قیام کئے ہوئے ہیں؟"

لکھداری پھر بول اٹھا۔

"ان میں سے دو بٹھنڈا میں اور دو بنارس میں قیام کئے ہوئے ہیں۔"

رستم خاں نے کچھ سوچا، پھر اپنی تلوار کو مزید ان کے قریب لے گیا اور کہنے لگا۔

"جھوٹ بولو گے تو بڑی ذلت کی موت مارے جاؤ گے، پہلے یہ بتاؤ تمہارے چار ساتھیوں میں سے جو بٹھنڈا اور بنارس میں قیام کئے ہیں ان کا قیام کہاں اور کس جگہ ہے اور یہ کہ تمہارے پیچھے کس تحریک اور کس مالدار شخص کا ہاتھ ہے۔"

رستم خاں کے اس سوال پر دونوں نے چپ سادھ لی تھی۔ یہاں تک کہ جب تلوار بلند کر کے رستم خاں نے لہرائی تب لکھداری بولا اور کہنے لگا۔

"ہم سب کا تعلق ست نامی فرقہ اور تحریک سے ہے۔ ہمارے دو ساتھی بنارس میں اور

دو بٹھنڈا میں قیام کئے ہوئے ہیں۔ ان کا قیام بھی اسی تحریک کے مرکز میں ہے۔ اس تحریک کا مرکز بٹھنڈا میں بھی ہے اور بنارس میں بھی ہے۔'' لکھداری کا یہ جواب سن کر رستم خاں مطمئن ہو گیا تھا' پھر دوبارہ اس نے پوچھا۔

''تمہیں مالی وسائل کون مہیا کرتا ہے؟''

اس پر لکھداری پھر بولا اور کہنے لگا۔

''مالی مدد مہیا کرنے والے ایک سے زائد لوگ ہیں' لیکن ہم صرف ایک کو جانتے ہیں جس کے ساتھ ہمارا براہ راست تعلق اور واسطہ رہا ہے' اس کا نام مالدیو ہے۔''

مالدیو کا نام سن کر رستم خاں چونکا تھا' کچھ دیر غور سے لکھداری کی طرف دیکھا' کہنے لگا۔

''کیا تم اس ساہوکار مالدیو کا ذکر کر رہے ہو جس کی بیوی کا نام درگا دیوی اور بیٹی رتن کماری ہے۔''

اس پر لکھداری غور سے رستم خاں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''اگر تم مالدیو کو جانتے ہی ہو تو پھر یقیناً وہ ساہوکار مالدیو ہی ہے۔'' لکھداری اور درجاند نے جو تفصیل بتائی تھی اسے رستم خاں اور نظام الدین اور قاسم خان تینوں کافی حد تک مطمئن ہو گئے تھے' پھر رستم خاں نے اپنے مسلح ساتھیوں کی طرف دیکھا' انہیں مخصوص اشارہ دیا جس پر وہ حرکت میں آئے اور لکھداری' درجاند اور ان کے ساتھیوں کا وہیں دیوان خانہ میں ہی کام تمام کر کے رکھ دیا۔ اس کے بعد رات کی تاریکی میں رستم خاں اپنے ساتھیوں کے ساتھ باہر نکلا' سب اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور پٹنہ شہر سے نکل کر سرپٹ دوڑاتے ہوئے وہ اپنی اگلی منزل کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔

✧ ✧ ✧

خرم نے چونکہ دکن کے حالات بہتر کئے تھے۔ اس کے علاوہ بیجاپور کے ابراہیم عادل شاہ ثانی اس سے خراج لینا بھی منظور کروایا تھا۔ لہٰذا جہانگیر کے حکم پر جب شہزادہ خرم مانڈو پہنچا تو اس کا شاندار انداز میں استقبال کیا گیا۔ اس لئے کہ اس نے سلطنت کو بیش بہا فائدہ پہنچایا تھا اور احمد نگر جیسا شہر بھی مغلیہ سلطنت میں شامل کر دیا تھا۔ مؤرخین کہتے ہیں کہ گو نور جہاں خرم کی سخت مخالف ہو چکی تھی' لیکن اس بار دکن کی کامیاب مہم کے بعد خرم جب جہانگیر کے پاس پہنچا تو اس کی شاندار اور عمدہ کارکردگی کو دیکھتے ہوئے جہانگیر نے اس موقع پر جشن مسرت منایا۔ اپنے ساتھ خرم بیجاپور کے کچھ سفارتی نمائندوں کو بھی لے کر گیا تھا۔ لہٰذا مؤرخین لکھتے ہیں کہ بیجاپور کے سفارتی نمائندے اور خرم اس تقریب کے دوران لائق تکریم قرار پائے۔ خرم کو اس بار جہانگیر کی موجودگی میں اس کے پہلو میں نشست عطا کی گئی اور یہ تاریخ میں پہلا موقع تھا کہ خرم کو جہانگیر نے شاہ جہاں کے خطاب سے نوازا تھا۔

بعد ازاں اس کی تخت نشینی تک یہی خطاب قائم رہا۔ اس شاندار جشن کا اہتمام کئی روز تک ہوتا رہا۔ اس کے بعد خرم واپس دکن چلا گیا تھا جبکہ جہانگیر مانڈو سے واپس ہوا اور واپسی اس نے گجرات کے راستے کی تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس موقع پر جہانگیر نے زندگی میں پہلی بار سمندر کا نظارہ کیا تھا۔

اس سارے سفر کے دوران انگریز نمائندے جہانگیر کے ساتھ رہے۔ ان کا مقصد اور مدعا پرتگالیوں کو ہندوستان سے نکال کر ہندوستان کی ساری تجارت کو اپنے قبضہ میں کرنا تھا۔ چونکہ وہ اس مقصد میں کسی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔ مانڈو سے واپسی پر جہانگیر نے احمد آباد میں قیام کیا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ جہانگیر نے احمد آباد کی آب و ہوا کو پسند نہ کیا۔ اس سلسلہ میں اس نے اپنی رائے کا اظہار کچھ اس طرح کیا۔

مجھے معلوم نہیں کہ میں یہاں کی آب و ہوا کو سموم ستان کہوں یا بیمارستان کہوں۔ زقوم زار یا جہنم آباد کہوں۔

احمد آباد کی شدید گرمی کے باعث کہتے ہیں جہانگیر کے جسم پر سیاہ پتانے پڑ گئے تھے اور اس کے بعد ایک قسم کی عجیب بیماری وبا کی صورت اختیار کر گئی تھی بلکہ مؤرخین کے مطابق بہت سے انگریز اس بیماری کے چند گھنٹوں بعد ہی موت کے منہ چلے گئے تھے۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ شاہ جہان پر بھی اس کا حملہ ہوا لیکن وہ صحت مند ہو گیا۔ ان حالات میں جہانگیر نے احمد آباد سے فوراً روانہ ہو جانے میں ہی خیریت سمجھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جہانگیر جس وقت مانڈو سے گجرات کی طرف روانہ ہوا تو کچھ دور تک شاہ جہان بھی اس کے ساتھ تھا۔ اس سفر کے دوران جہانگیر کے ہاں اس کا بیٹا اورنگزیب عالمگیر پیدا ہوا۔ مؤرخین یہ بھی کہتے ہیں کہ جہانگیر شاہی قافلہ کے ساتھ اس بار آگرہ سے دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ راستہ میں اسے طاعون کی وباء پھیلنے کی اطلاع ملی؛ جس کی وجہ سے اسے فتح پوری سیکری میں قیام کرنا پڑا۔

چند دن تک جہانگیر نے فتح پور سیکری میں گزارے۔ مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ اس دوران جہانگیر کی صحت دن بدن گرتی جا رہی تھی۔ چونکہ فتح پور سیکری سے وہ دوبارہ آگرہ پہنچا۔ احمد آباد کی آب و ہوا نے اس کی صحت پر نہایت مضر اثرات مرتب کئے تھے چنانچہ بحالی صحت کی خاطر اس نے کشمیر میں کچھ وقت گزارنے کا فیصلہ کیا۔ آگرہ سے وہ روانہ ہوا اور موسم گرما کشمیر میں گزارا۔ اس سفر کے دوران بھی اسے دشوار گزار راستوں سے گزرنا پڑا۔ سفر کے دوران برفباری کے باعث اسے کچھ ہاتھیوں سے بھی ہاتھ دھونا پڑا۔ کشمیر پہنچنے کے بعد جہانگیر نے مکانات کی تعمیر شروع کر دی اور باغ لگوائے، جو اب تک بھی موجود ہیں۔ سری نگر جہانگیر کی ملاقات کشمیر کے گورنر سے ہوئی۔ گورنر کشمیر طویل جدوجہد کے بعد کشمیر کا جنوبی علاقہ کشتواڑ حاصل کر سکا تھا۔ اس نے وہاں کے راجہ کو بھی پابہ زنجیر جہانگیر کے حضور میں پیش کیا تھا، تاہم اس کے کئی سال بعد مقامی باشندوں کی طرف سے وقتاً فوقتاً بغاوت ہوتی رہی۔

✧ ✧ ✧

رستم خاں کا باپ فرید خان ایک روز اپنی حویلی کے دیوان خانہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ حویلی کے صدر دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ فرید خان نے اٹھ کر جب حویلی کا دروازہ کھولا، ایک شخص اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے حویلی کے صدر دروازے کے پاس کھڑا تھا، جب دروازہ

کھلا تو اس نے اپنے گھوڑے کو باہر ہی باندھ دیا، پھر فرید خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"میں دراصل۔"

وہ یہی تک کہنے پایا تھا کہ فرید خان نے دروازہ کھول دیا اور بڑی شفقت سے اسے کہنے لگا۔

"بیٹے تم جو کوئی بھی ہو یونہی باہر کھڑے ہو کر گفتگو کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر تم پسند کرو تو اپنے گھوڑے کو بھی اندر لاؤ اور اصطبل میں باندھو اور دیوان خانہ میں بیٹھ کر میرے ساتھ گفتگو کرو۔"

اس پر وہ شخص کہنے لگا۔ "آپ برا نہ مانئے گا کہ میرے گھوڑے کو یہی رہنے دیجئے گا۔"

اس کے ساتھ وہ حویلی میں داخل ہوا۔ فرید خان اسے دیوان خانہ میں لے گیا۔ دونوں جب نشستوں پر بیٹھ گئے تب غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے فرید خان نے پوچھ لیا۔

"اب بولو کیا معاملہ ہے؟"

اس پر آنے والا وہ شخص فرید خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"میں دکن سے آیا ہوں اور آپ کو آپ کے بیٹے سے متعلق ایک تفصیل سے آگاہ کرنے کیلئے آیا ہوں۔"

ان الفاظ پر فرید خان چونکا، پھر کچھ پوچھنا ہی چاہتا تھا کہ وہ شخص بولا اور کہنے لگا۔

"آپ نے اپنے بیٹے رستم خاں کو بلانے کیلئے جو قاصد بھیجا تھا اس کے ذریعہ پورے حالات کی اطلاع خرم اور آپ کے بیٹے رستم خاں کو ہو چکی ہے۔ اس موقع پر شہزادہ خرم نے فیصلہ کیا اور آپ کے بیٹے رستم خاں کو آپ کی طرف بھیجنے کے بجائے ان چھ قاتلوں میں سے دو سے نمٹنے کیلئے بہار کی طرف روانہ کر دیا ہے۔ اس کے ساتھ اس کے ماتحت کام کرنے والا ایک چھوٹا سالار نظام الدین ہے۔ ایک شخص قاسم خان کو بھی شہزادہ خرم نے اس کے ساتھ کیا ہے۔ قاسم خان ان چھ قاتلوں کے چہروں کو پہچانتا ہے، اس کے علاوہ ان سے نمٹنے کیلئے کچھ مسلح جوان بھی رستم خاں کے ساتھ بھیجے گئے ہیں۔ بس میں آپ سے یہی کہنے آیا ہوں کہ آپ نے جو اپنا قاصد اپنے بیٹے کو بلانے کیلئے بھیجا تھا وہ بھی چند یوم تک آپ کے پاس پہنچ جائے گا۔ اس لئے کہ اسے مہمان داری کی خاطر چند روز تک وہاں روک لیا گیا تھا جبکہ میرے ذمہ یہ پیغام لگا کر مجھے فی الفور آپ کی طرف روانہ ہونے کیلئے کہا گیا تھا۔ میرے خیال میں اب تک

آپ کا بیٹا رستم خاں بہار پہنچ کر ان دو قاتلوں سے ضرور نمٹ چکا ہوگا۔ اس کے بعد شاید وہ اپنی اگلی منزل کی طرف نکلے گا۔ آپ کی طرف آنے کا مدعا یا شہزادہ خرم کے یوں آپ کی طرف بھجوانے کا مقصد یہ ہے کہ آپ اپنے بیٹے کے متعلق بالکل مطمئن رہئے اور امید ہے چند روز تک اس مہم کے تکمیل کے بعد وہ آپ کے پاس پہنچ جائے گا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد وہ شخص خاموش ہوئے تب فرید خان اپنی جگہ سے اٹھنے لگا اور کہنے لگا۔

”بیٹے تم بیٹھو تم طویل سفر سے آئے ہو' ساتھ ہی اچھی خبر بھی میرے پاس لائے ہو' میں تمہارے کھانے کا اہتمام کرتا ہوں۔“

اس پر اس شخص نے فرید خان کا بازو پکڑ کر پھر نشست پر بٹھا لیا' کہنے لگا۔

”آپ کو میرے کھانے کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں آگرہ کا رہنے والا ہوں' جو پیغام مجھے دیا گیا تھا وہ میں نے پہنچا دیا ہے اب مجھے اجازت دیں میں اپنے گھر کا رخ کرتا ہوں۔“ اس کے ساتھ ہی وہ جب اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تب فرید خان بھی اٹھ گیا۔ فرید خان صدر دروازے تک اسے چھوڑنے کیلئے گیا' ساتھ ہی اس کا شکریہ ادا کیا' وہ شخص وہاں سے چلا گیا تھا۔

اسے رخصت کرنے کے بعد فرید خان تھوڑی دیر کیلئے مزید دیوان میں بیٹھا ہوگا۔ دروازے پر پھر دستک ہوئی۔ دستک سن کر فرید خان چونکا۔ اپنی جگہ سے اٹھا' صدر دروازے کی طرف گیا۔ صدر دروازہ جب اس نے کھولا تب دروازے پر امبر کا راجہ جگن ناتھ' اس کی بیوی سروجنی' دونوں بیٹیاں مالتی اور سمترا اور بیٹا شنکر ناتھ تھے۔

انہیں دیکھ کر فرید خان نے خوشی کا اظہار کیا۔ سب اندر داخل ہوئے اور دیوان خانہ میں جا کر بیٹھ گئے۔

گفتگو کا آغاز اس موقع پر راجہ جگن ناتھ نے کیا اور فرید خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”فرید خان اتنے دن ہو گئے ہیں تم نے ایک شخص کو دکن روانہ کیا تھا تا کہ رستم خاں کو دکن سے بلا کر لائے' اب تک نہ تمہارا بھیجا ہوا آدمی واپس آیا ہے اور نہ ہی رستم خاں لوٹا ہے اور نہ ہی دکن سے اس کے متعلق کوئی خبر آئی ہے۔ ہم سب لوگ اس وجہ سے فکر مند تھے' اس بنا پر آج اس معاملہ پر تم سے گفتگو کرنے کیلئے تمہاری طرف چلے آئے۔“

فرید خان شاید رستم خاں کی اس مہم کو ابھی تک راز ہی میں رکھنا چاہتا تھا۔ لہٰذا اس نے راجہ جگن ناتھ اور اس کے اہلخانہ پہ یہ انکشاف نہ کیا کہ ان کی آمد سے تھوڑی دیر پہلے دکن سے ایک شخص آیا تھا۔ اس نے قاتلوں کے خلاف اور رستم خاں کے حرکت میں آنے کی اطلاع دی تھی۔ چنانچہ اس معاملہ کو ٹالتے ہوئے کہ فرید خان کہنے لگا۔

”جگن ناتھ تم جانتے ہو دکن یہاں سے کافی دور ہے اور پھر شہزادہ خرم اور رستم خاں دونوں اس مہم کو کامیاب کرنے کیلئے بری طرح مصروف ہوں گے' دونوں اس کام کو ادھورا بھی نہیں چھوڑ سکتے اس لئے کہ مانڈو میں قیام کر کے جہانگیر ان کی کارروائی پر نگاہ رکھنے کیلئے ان کے قریب ہی پڑاؤ کئے ہوئے ہے۔ اس بنا پر وہ اپنی اس مہم کو کامیاب کرنے کیلئے دن رات جدوجہد کر رہے ہوں گے۔ میرے خیال میں اس مہم سے فارغ ہونے کے بعد اپنے اہلخانہ کے قاتلوں سے انتقام لینے کیلئے رستم خاں بہت جلد دکن سے آگرہ کا رخ کرے گا۔“

یہاں تک کہنے کے بعد فرید خان جب خاموش ہوا تو تب راجہ جگن ناتھ انتہائی سنجیدگی میں فرید خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

”فرید خان اس دوران ہم بھی ایک الجھن میں پڑ گئے ہیں۔ میں زیادہ تر اسی الجھن کے متعلق گفتگو کرنے اور تم سے مشورہ لینے کیلئے حاضر ہوا ہوں۔ فرید خان بات یہ ہے کہ آج صبح سویرے جب ہم اٹھے تو ہمارے لئے ایک الجھن کھڑی ہوئی' میری پتنی سروجنی عموماً صبح سب سے پہلے اٹھتی ہے۔ یہ جب صبح اندھیرے منہ اٹھ کے اندرونی حصے سے حویلی کے بیرونی کی طرف گئی تو اس نے دیکھا صدر دروازے کے قریب جو ہمارا دیوان خانہ ہے دیوان خانے کی دیوار کے اندر ایک تیر پیوست تھا' اس تیر کے پیچھے ایک کاغذ باندھا ہوا تھا۔

اس موقع پر میری پتنی سروجنی نے بڑی عقل مندی اور دانشوری سے کام لیا' اس تیر کو دیکھتے ہی یہ حواس باختہ ہو کر بھاگی۔ مڑھی' میرے پاس گئی' مجھے جگایا' میرے اس طرح جگانے پر سمترا اور مالتی اور شنکر بھی جاگ گئے تھے۔ لہٰذا ہم سب باہر آئے تیر کو دیوار سے نکالا اور اس کے پیچھے جو کاغذ بندھا ہوا تھا اسے علیحدہ کر کے کھولا گیا تو اس میں ہمارے لئے ایک تنبیہ تھی اور ہمیں دھمکی آمیز انداز میں کہا گیا تھا کہ ہم اپنی بیٹی مالتی کی شادی جو لاہور کے کسی مسلمان کے ساتھ طے کر رہے ہیں اس شادی کو روک دیں ورنہ ہمیں بہت نقصان اٹھانا پڑے گا۔ فرید خان اس پیغام نے مجھے اور میرے اہلخانہ سب کو پریشان کر دیا ہے۔ میں اپنی بیٹی مالتی کا رشتہ

لاہور کے اپنے دوست سعادت خاں کے ہاں طے کر چکا ہوں' جسے کسی بھی صورت منقطع نہیں کرنا چاہتا' میری بیٹی مالتی بھی اس رشتہ کو پسند کر چکی ہے۔ لاہور میں قیام کے دوران یہ اپنے سسرال والوں کو مل کر ان سے بھی اپنی پسند کا اظہار کر چکی ہے۔ ایسے موقع پر اگر ہمیں کوئی اس قسم کی دھمکی دیتا ہے تو کیا ہمارے لئے لمحہ فکریہ نہیں ہے۔''

راجہ جگن ناتھ جب خاموش ہوا تب فرید خاں گہری سوچوں میں کھو گیا تھا۔ پہلے اس نے گہری نگاہ باری باری جگن ناتھ دونوں بیٹیوں مالتی' سمترا پر ڈالی' پھر فکر گیری سی آواز میں کہنے لگا۔

''جگن ناتھ تمہارا کہنا درست ہے۔ ایسی دھمکی کون دے سکتا ہے۔ پہلے یہ بتاؤ کیا اس سے پہلے کسی نے تم سے مالتی کا رشتہ مانگا تھا۔ ایسا میں اس لئے پوچھ رہا ہوں کہ ہوسکتا ہے کہ کسی نے مالتی کا رشتہ مانگا ہو اور تم نے انکار کر دیا ہو اور وہ انتقامی کارروائی کی خاطر ایسا کر رہے ہوں۔''

اس پر جگن ناتھ نے غور سے فرید خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

''فرید خان میرے بھائی اس سے پہلے میں نے اپنی بیٹی مالتی کا رشتہ طے کیا ہی نہیں' اس لئے کہ مالتی ابھی چھوٹی عمر کی تھی۔ اس بنا پر ہم نے اس کے رشتہ کے متعلق سوچا ہی نہیں اور جب یہ بلوغت کی حد کو پہنچی تو سعادت خاں کا پیغام آ گیا۔ سعادت خاں میرا دوست میرا دیکھا بھالا ہے۔ لہٰذا میں نے آنکھیں بند کر کے ہاں کہہ دی اور میری خوش قسمتی میری پتنی اور مالتی نے بھی اس رشتے کو پسند کیا' اب ہمیں کیا قدم اٹھانا چاہیئے۔''

جگن ناتھ جب خاموش ہوا تب اسے تسلی اور ڈھارس دینے کی خاطر فرید خان کہنے لگا۔

''جگن ناتھ زیادہ پریشان اور فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے یونہی کسی نے آپ لوگوں کو ڈرانے دھمکانے کیلئے کیا ہو۔ سعادت خان کا کسی سے اختلاف یا کسی سے دشمنی ہو۔ وہ یہ نہ چاہتا ہو کہ مالتی کا رشتہ وہاں طے ہو جائے۔ بہرحال تمہیں پریشان اور فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے امید ہے چند یوم تک رستم خاں یہاں پہنچ جائے گا۔ ہوسکتا ہے شہزادہ خرم بھی اس کے ساتھ آگرہ پہنچ جائے' پھر اس موقع پر رستم خاں سے میں بات کروں گا اور وہ اس سلسلہ میں خرم سے بات کر کے کوئی نہ کوئی راستہ نکالنے کی کوشش کرے گا۔ جگن ناتھ مالتی اور سمترا ہماری بھی بیٹیاں ہیں' ان کی سلامتی ہمیں بھی بڑی عزیز ہے۔ بہرحال

رستم خاں کو لوٹنے دو' اس موضوع پر اس سے گفتگو کریں گے اور عملی قدم بھی اٹھائیں گے۔''

فرید کے ان الفاظ پر جگن ناتھ کے علاوہ اس کی پتنی سروجنی' مالتی' سمترا اور شنکر ناتھ بھی کسی حد تک مطمئن ہو گئے تھے۔ جگن ناتھ کی طرف دیکھتے ہوئے فرید خان کہنے لگا۔

''آج تم سب بڑے اچھے وقت پر آئے ہوئے ہو' میں بھی آج رستم خاں کے نہ ہونے کی وجہ سے پہلی بار اکیلا پن محسوس کر رہا تھا۔ آپ لوگ آج رات کا کھانا بھی یہیں کھائیں گے اور شب بسری بھی یہیں کریں گے۔''

فرید خان کی اس پیشکش پر مالتی' سمترا' شنکر ناتھ نے اپنی خوشی اور اطمینان کا اظہار کیا تھا۔ فرید خان کے کہنے پر وہ شب راجہ جگن ناتھ اور اس کے اہلخانہ نے فرید خان کی حویلی میں گزاری اور اگلے روز وہ وہاں سے رخصت ہو کر اپنی حویلی کی طرف چلے گئے تھے۔

✧ ✧ ✧

بٹھنڈا کی طرف جاتے ہوئے اچانک رستم خاں کو کوئی خیال گزرا اور مخبر قاسم کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

قاسم خان تمہیں یاد ہو گا کہ پٹنہ میں لکھداری اور درجاند نے ہم پر انکشاف کیا تھا کہ ان کے باقی چار ساتھی بٹھنڈا اور بنارس کے ست نامیوں کے مرکز میں قیام رکھتے ہیں۔ میرے عزیز بھائی پہلے یہ کہو کہ کیا ست نامی کوئی شدت پسند اور کوئی انتہا پسند تحریک ہے۔

رستم خاں کے اس استفسار پر قاسم خان مسکرایا اور کہنے لگا۔

''رستم خاں میرے عزیز بھائی ایسی کوئی بات نہیں' جہاں تک میں ست نامی فرقہ سے متعلق جانتا ہوں اسے بھیر بھان بھی کہتے ہیں اور یہ اچھا فرقہ ہے۔ اس فرقہ کا بانی ایک شخص بھیر بھان تھا' جس نے سادھوؤں یا ست نامیوں کے فرقہ کی بنیاد رکھی۔ یہ بڑا مواحد خدا کو ست نام یعنی حقیقت سے پکارتا تھا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد قاسم خان رکا' پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتا ہوا کہنے لگا۔

''یہ بھیر بھان جنوب مشرق پنجاب میں نارنول کے پاس موضع بجھیر میں 1543ء میں پیدا ہوا۔ ست نامی فرقے کے مراکز اس کے اور اس کے بعد کے دور میں دلی ہریتک آگرہ' فرخ آباد' مرزا پور اور راجپوتانہ کے علاوہ جے پور میں قائم ہو گئے تھے۔

اس فرقہ کی تعلیمات ہندی بھاشا میں ہیں۔ ان کے مجموعے کا نام پوتھی ہے۔ ان کے

بارہ احکام ہیں جو آدی اپدلیتی یعنی پہلے احکام میں ہیں اور ان کے یہ بارہ احکام جن پر بھیر بھان نے عمل کرنے کیلئے کہا تھا وہ کچھ اس طرح ہیں۔

پہلا: صرف خدا کو مانو جس نے تمہیں بنایا ہے اور بگاڑ بھی سکتا ہے جس سے بڑا اور کوئی نہیں ہے اور وہی عبادت کا مستحق ہے' نہ کہ زمین یا دھات یا پتھر یا لکڑی یا اور کوئی مخلوق کا مالک صرف ایک ہے۔ اس کا صرف ایک کلام ہے جو شخص بھی جھوٹ پر دھیان دیتا ہے جھوٹ پر عمل کرتا ہے اور گناہ کرتا ہے وہ دوزخ میں گر پڑتا ہے۔

دوسرا: حلیم اور منکسر رہو دنیا سے اپنی لو نہ لگاؤ اپنے عقیدے پر وفاداری سے قائم رہو' ان لوگوں سے میل جول نہ رکھو جو اس عقیدہ کے نہ ہوں اور اجنبی کو روٹی اجنبی کی روٹی نہ کھاؤ۔

تیسرا: کبھی جھوٹ نہ بولو' نہ کسی وقت کسی سے کسی چیز کی زمین کی پامالی یا درختوں یا جانور کی برائی نہ کرو' زباں کو ہمیشہ خدا کی ثنا وصفت میں مصروف رکھو' چوری نہ کرو' نہ روپیہ کی' نہ زمین کی' نہ جانور کی اور نہ چراگاہ کی اپنی ملکیت کو دوسرے کی ملکیت سے الگ رکھو اور جو کچھ تمہارے پاس ہے اس پر قانع رہو' بدی کبھی نہ سوچو' کسی غیر مناسب چیز پر نظر نہ ڈالو خواہ مرد یا عورت ناچ یا تماشا ہو۔

چوتھا: برائی کی گفتگو نہ سنو اور نہ کوئی اور بات سوائے خالق کی ثناء کے نہ کہانیاں نہ گپ نہ بہتان' نہ موسیقی' نہ گانا بجز بھجن کے اس میں بھی موسیقی کا ساز دماغ کے اندر ہونا چاہئے۔

پانچواں: کبھی کسی چیز کی حرص نہ کرو' خواہ جسم کی یا دولت کی دوسرے کا مال نہ لو' خدا تمام چیزوں کا دینے والا ہے اور جتنا اس پر بھروسہ کرو گے اتنا ہی تمہیں ملے گا۔

چھٹا: جب تم سے پوچھا جائے کہ تم کون ہو تو اپنے کو سادھ بتاؤ' ذات کا نام نہ بحث میں نہ الجھو' اپنے عقیدہ پر مضبوطی سے قائم رہو اور آدمیوں سے آس نہ لگاؤ۔

ساتواں: سفید کپڑے پہنو' کوئی رنگ یا منجن یا مہندی استعمال نہ کرو' نہ اپنے جسم پر کوئی نشان بناؤ' نہ پیشانی پر ذات کا امتیاز لگاؤ' نہ مالا نہ تسبیح یا جواہرات پہنو۔

آٹھواں: نشیلی اشیاء کبھی نہ کھاؤ' نہ پان کھاؤ' نہ خوشبو سونگھو' نہ تمباکو پیو' نہ افیون سونگھو' مورتیوں یا انسانوں کیلئے آگے نہ اپنا ہاتھ پھیلاؤ اور نہ سر جھکاؤ۔

نواں: کسی کی جان نہ لو' نہ کسی پر دست درازی کرو' نہ ملامت آمیز گواہی دو' نہ زبردستی کسی کی چیز لو۔

دسواں: ایک مرد صرف ایک بیوی کرے اور عورت صرف ایک شوہر اور مرد عورت کے آگے کا بچا نہ کھائے' مگر عورت مرد کے آگے کا بچا کھا سکتی ہے۔ جیسے کہ دستور ہو عورت مرد کی تابع رہے۔

گیارہواں: فقیر کا لباس نہ پہنو' بھیک مانگو نہ تحفہ قبول کرو' جادو کا خوف بالکل نہ کرو' نہ خود جادو کرو' راز بتانے سے پہلے سمجھ لو۔

بارہواں: سادھ کے دنوں چاند کی گردش یا مہینوں چڑیوں یا جانوروں کے بولتے یا نظر آنے کے توہمات میں نہیں پڑنا چاہئے۔ اسے صرف مالک کی رضا تلاش کرنا چاہئے۔

یہاں تک کہنے کے بعد قاسم خان رکا' پھر غور سے رستم خاں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

رستم خاں اسے فرقے یعنی بھیر بھان یا ست نامی کے متعلق کس قدر میں جانتا تھا وہ میں نے تم سے کہہ دیا ہے' جواب میں رستم خاں بھی غور سے قاسم خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

ان کے اصولوں میں شدت پسندی اور انتہا پسندی کی کوئی بات تو نہیں ہے بلکہ جو تم نے ان کے بارہ اصول بتائے ہیں وہ بہت اچھے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ لوگ اسلام سے بے حد متاثر دکھائی دیتے ہیں۔

رستم خاں کی اس گفتگو کے جواب میں قاسم خان مسکرایا اور کہنے لگا۔

''رستم خاں تمہارا اندازہ درست ہے' جب ہندو اور مسلمانوں کی باہمی جنگ و پیکار ختم ہوئی تو ایک دوسرے سے ملنے جلنے لگے اور مسلمانوں نے ہندو عورتوں سے شادیاں کرنی شروع کر دیں۔''

ہندو اور مسلمان بچے مکتب اور مدارس میں اکٹھے تعلیم پانے لگے۔ ہندوؤں نے مسلمان خواتین کی ملازمتیں اختیار کرنا شروع کر دی۔ یہ اختلاط ہندومت پر بہت اثر انداز ہوا' بے شمار ایسے خیالات کے لوگ پیدا ہوئے جو شدت سے محسوس کرنے لگے کہ ہمارا مذہب میں بہت کچھ اصلاح کا محتاج ہے اور اسلام کی بہت سی باتیں اپنانی چاہئے۔ مثلاً توحید' مساوات وغیرہ۔ انہوں نے اسلام کے اصولوں کو سامنے رکھ کر ہندو دھرم میں اصلاحات کرنا شروع کی۔

بھارت نام کا ایک شخص اپنی کتاب ریلیجین آف انڈیا میں لکھتا ہے۔ "خلافت اسلامیہ کے عرب یہاں سیاحوں کی حیثیت سے آئے اور اپنے ہم مذہب افغانوں، ترکوں اور منگولوں سے جو فاتحین کی حیثیت سے آئے بہت پہلے ان علاقوں سے تجارت اور میل ملاپ کے تعلقات قائم کر چکے تھے اور وہ یہی علاقے ہیں جن میں نویں صدی سے بارہویں صدی تک وہ عظیم مذہبی تحریک نمودار ہوئی جو شنکراچاریہ، رامانند، انندترتھ اور بساوٗ کے نام سے منسوب ہوئیں۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر تارا چند اپنی مشہور کتاب اسلام کا اثر ہندی ثقافت پر میں بھی اس امر کا اقرار کرتا ہے کہ یہ تحریکات دین اسلام کے اثرات کی پیداوار ہیں۔"

تھوڑی دیر کے سوچ و بچار کے بعد رستم خاں پھر قاسم کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"قاسم خان جہاں تک میں سمجھتا ہوں میرے خاندان کے یہ جو چھ قاتل ہیں ان کا تعلق اس تحریک سے نہیں ہے۔ اس تحریک کی انہوں نے صرف آڑ لے رکھی ہے۔ اپنے آپ کو تحریک میں چھپا رکھا ہے ورنہ ان کے نظریات کچھ اور ہیں۔ بہرحال بعد میں پتا چلے گا کہ ان کی اصلیت کیا ہے اور کون انہیں ایسا کرنے پر مجبور کر رہا ہے اور ان کے کیا مقاصد ہیں۔ اس کے بعد دوبارہ انہوں نے اپنا سفر جاری رکھتے ہوئے بڑی تیزی سے بٹھنڈا کی طرف بڑھنا شروع کیا تھا۔

بٹھنڈا شہر سے باہر ایک دن اور ایک رات انہوں نے ایک سرائے میں قیام کیا، اس کے بعد تازہ دم ہو کر وہ بٹھنڈا شہر میں داخل ہوئے تھے۔

جہاں تک بٹھنڈا شہر کا تعلق ہے تو یہ ایک پرانا شہر بھاٹیہ راجپوتوں کا مرکز تھا۔ زمانہ قدیم میں یہ شہر گھگر ندی کے ایک معاون نالے پر واقع تھا اور اس کے اردگرد کی زمین غیر آباد تھی، لیکن جنگی اہمیت کے وہ راستے جو ملتان سے راجستھان اور وادی گنگ و جمن کی طرف جاتے تھے اس کی زد میں تھے۔ ان راستوں میں کئی تاریخی مقامات مثلاً پانی پت اور اندرا پت وغیرہ تھے، وہ راستے تھے جن شمال مغرب کی طرف سے آنے والے حملہ آوروں نے ہندوستان پر حملے کئے۔

مسلمانوں کے دور سے پہلے یہ شہر وکرم گڑھ کے نام سے مشہور تھا بٹھنڈا سے تیس میل دور سرہند کے راستے میں ایک جنگل کا ذکر مذکورات تیموری میں ملتا ہے کہ یہ جنگل اکبر بادشاہ کی شکارگاہ تھا، بٹھنڈا اور اس کے گردونیش میں بھٹیوں کی آبادی اکثرت سے تھی۔

بٹھنڈا کو سن 395ھ اور 1004ء میں سلطان محمود غزنوی نے فتح کیا۔ بٹھنڈا کا راجہ بجے رائے سلطان محمود غزنوی محاصرے کے مقابلے کی تاب نہ لاتے ہوئے قلعہ سے بھاگ نکلا اور خودکشی کر لی تھی۔

سلطان محمود غزنوی کی یہی فتح بالواسطہ ہندوستان کے سیامانہ، انبالہ اور حصار کے خطہ میں اسلام کے تعارف کا نشان آغاز ہوا۔

ہجری 587ء، 1197ء میں شہاب الدین غوری نے بٹھنڈا فتح کیا۔ جب محمد غوری واپس غزنہ چلا گیا تو اس کے نائب حکمران پر جو بٹھنڈا میں سلطان محمد غوری کی طرف سے مامور تھا پرتھوی راج نے حملہ کر کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ تین مہینے کے محاصرے کے بعد قلعہ پر اس کا قبضہ ہو گیا۔

ہجری 607 اور 1210ء میں سلطان قطب الدین ایبک کی وفات کے بعد ناصرالدین نے بٹھنڈا پر قبضہ کیا۔ اس وقت سے اس پر خاندان غلاماں کے بادشاہوں کا قبضہ رہا۔ اسی دوران بٹھنڈا کے حاکم ملک اختیارالدین نے بغاوت کر دی۔

ہجری 651ء اور 1253ء میں بٹھنڈا پر ناصرالدین محمود کا قبضہ ہو گیا۔ اس نے ملک شیر خاں کو بٹھنڈا کا حکم مقرر کیا۔ اس کے بعد سے بٹھنڈا کا ذکر تاریخ میں شاید ہی ملتا ہے۔

ہجری 1168 اور 1764ء میں بٹھنڈا کا نام تاریخ میں ایک بار پھر آتا ہے جبکہ اسے پٹیالہ کے راجہ اعلیٰ سنگھ نے فتح کیا۔ اس کے بعد سے بٹھنڈا اس کی اولاد کے قبضہ میں رہا اور 1956ء میں سارا علاقہ بھارت میں شامل ہو گیا۔

بٹھنڈا شہر کے آثار قدیمہ میں شیر شاہ سوری کا بنایا ہوا ایک قلعہ ہے جو ایک سو اٹھارہ فٹ بلند ہے۔ اس کے 36 برج ہیں، اب یہ قلعہ بڑی خستہ و شکستہ حالت میں باقی رہ گیا ہے۔ دروازے کی محرابوں میں بڑی بڑی دراڑیں اور شگاف پڑ گئے ہیں۔

بٹھنڈا شہر میں داخل ہونے کے بعد لوگوں سے پوچھتے ہوئے وہ ست نامی تحریک کے مرکز کی طرف بڑھے، تھوڑا سا آگے جانے کے بعد رستم خاں رک گیا، پھر قاسم خان اور نظام الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

دشمن سے نمٹنے کیلئے طریق کار ہم نے بہار یا پٹنہ میں استعمال کیا تھا۔ وہ طریقہ یہاں بھی اختیار کیا جائے گا۔ اس کا مرکزی کردار قاسم خان ہوگا۔ اس لئے کہ وہ قاسم خان کو

پہچانتے ہیں۔ نظام الدین تمہیں وہ نہیں جانتے۔ لہٰذا تم قاسم خان کے ساتھ رہو گے۔ میں اپنے مسلح ساتھیوں کے ساتھ پیچھے رہوں گا' جب بھٹنڈا میں قیام کرنے والے میرے خاندان کے دونوں قاتل مول شنکر بھیم سین قاسم خان کے سامنے آئیں گے اور قاسم خان انہیں پہچانے گا قاسم خان ہاتھ کے اشارے سے مجھے اپنی طرف بلائے گا میں اپنے مسلح ساتھیوں کے ساتھ بڑی تیزی سے آگے بڑھوں گا اور اس طرح ہم مول شنکر اور بھیم سین بھی گرفت کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

اگر ان کے ساتھ ان کے مسلح ساتھی بھی ہوئے تب بھی ان سے نمٹ لیا جائے گا۔

قاسم خان اور نظام الدین دونوں نے رستم خاں کی اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔ لہٰذا دونوں آگے بڑھے' ایک حویلی کے دروازے پر انہوں نے دستک دی تھی۔

تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا۔ قاسم خان نے نظام الدین کا جائزہ لیا۔ شک و شبہ کے انداز میں دونوں کی طرف دیکھتا رہا ہے۔ یہاں تک کہ قاسم خان نے اسے مخاطب کیا۔

''میرے عزیز اگر میں غلطی پر نہیں ہوں تو یہ ست نامی تحریک کا مرکز ہے۔''

اس شخص نے اثبات میں گردن ہلائی اور قاسم خان کہنے لگا۔

''تمہارے چہرے کے تاثرات بتاتے ہیں کہ تم ہمیں شک کی نگاہ سے دیکھ رہے ہو' دیکھو میں آگرہ سے آیا ہوں یہاں۔ مول شنکر اور بھیم سین دونوں نے قیام کیا ہوا ہے۔ میں ان کے سروں پر منڈلانے والے ایک خطرے سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں اور اس خطرے سے آگاہ کرنے کیلئے مجھے ساہوکار مالدیو نے ان کی طرف بھیجا ہے۔ ان دونوں کو میرا یہ پیغام پہنچاؤ اور ان سے کہو میرا نام قاسم خان ہے اور وہ دونوں مجھے میرے چہرے اور میری شکل سے جانتے ہیں۔''

قاسم خان کی اس گفتگو سے دروازہ کھولنے والا ایک حد تک مطمئن ہو گیا تھا۔ پھر نظام الدین اور قاسم خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اگر کسی خطرے سے آگاہ کرنے کیلئے آئے ہو' وہ دونوں تمہارے جاننے والے بھی ہیں۔ تمہیں تمہارے چہرے اور شکل سے بھی پہچانتے ہیں' اگر تمہیں ساہوکار مالدیو نے بھیجا ہے تو رکو میں انہیں بلا کر لاتا ہوں' پھر وہ تم سے بات کرتے ہیں۔''

اس کے ساتھ ہی وہ شخص حویلی کے اندرونی حصے کی طرف گیا تھا اور اسی وقت قاسم خان

نے رستم خاں کو ہاتھ کا اشارہ دیا۔ اشارہ پاتے ہی رستم خاں بھی اپنے مسلح ساتھیوں کے ساتھ حویلی کے دروازے کے قریب آن کھڑا ہوا تھا۔

کچھ ہی دیر بعد حویلی کے اندرونی حصے سے بہت سے آدمی باہر نکلے' ان میں کچھ مسلح بھی تھے۔ ان کی نشاندہی کرتے ہوئے بڑی رازداری میں قاسم خان کہنے لگا۔

''مول شنکر اور بھیم سین اکٹھے آ رہے ہیں اور انہوں نے سفید رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے ہیں' یہی بھیم سین اور مول شنکر ہیں۔''

اس کے ساتھ ہی رستم خاں اور اس کے ساتھی اپنے گھوڑوں پر سوار تھے آندھی طوفان کی طرح وہ حویلی میں داخل ہوئے۔ ان سب کو گھیر لیا۔ ان میں سے ایک نے اپنی تلوار بے نیام کرنا چاہی اس موقع پر ڈانٹتی ہوئی آواز میں رستم خاں انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''اگر تم میں سے کسی ایک نے بھی اپنی تلوار بے نیام کرتے ہوئے حرکت میں آنا چاہا تو اس کے جسم کو بے حس کر دیا جائے گا۔ کوئی بھی تم میں سے بچنے نہیں پائے گا۔ جو کچھ میں کہتا ہوں اس کے مطابق کرو ورنہ میرے ساتھی تمہاری لاشوں سے اس حویلی کے صحن کو رنگین کر دیں گے۔ جہاں تک میں سمجھ پایا ہوں تم میں سے کسی کا تعلق بھی ہندو کی مذہبی تحریک ست نامی سے نہیں ہے۔ تم نے صرف اس تحریک کا نقاب اوڑھ رکھا ہے تاکہ وہ نقاب اوڑھ کر تم جو گندے کام کرتے رہے ہو انہیں چھپا سکو اور جن کے خلاف تم یہ حرکتیں کرتے رہے ہو ان کے انتقام سے بچ سکو' لیکن تم ایسا کرنے میں ناکام ہوئے ہو' اب میرے ساتھیوں کے ساتھ حویلی کے سامنے والے کمرے میں چلو' تم میں سے جس کسی نے بھی مداخلت کرنے کی کوشش کی یا کہنا نہ مانا تو اس کا فوراً سر اس کے دھڑ سے جدا کر دیا جائے گا۔''

چنانچہ وہ سب رستم خاں کے کہنے پر آگے آگے ہو لیئے۔ رستم خاں اور اس کے مسلح جوان انہیں سامنے والے بڑے کمرے میں لے گئے۔ اس کمرے کے سارے دروازے بند کر دیئے گئے۔ اس کے بعد رستم خاں نے پہلے قاسم خان سے یہ جانا کہ ان میں مول شنکر اور بھیم سین کون ہیں۔ یہ جاننے کے بعد اس نے ان دونوں کی طرف دیکھا' پھر انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''تم کیا سمجھتے تھے کہ اکبر کے سالار فرید خان کے اہلخانہ کا خاتمہ کرنے کے بعد تم محفوظ ہو جاؤ گے۔ ست نامی اس تحریک کا نقاب اوڑھ کر تم ہمارے انتقام سے بچ جاؤ گے' ہرگز نہیں۔

میری طرف دیکھو میں فرید خان کا بیٹا رستم خاں ہوں۔ مول شنکر اور بھیم سنگھ تم دونوں کا قصہ پاک کرنے سے پہلے میں تم پر یہ بھی واضح کردوں کہ تم چھ ساتھی تھے' جنہوں نے میرے خاندان کا قتل عام کیا' تم چھ میں سے تمہارے دو ساتھی درجاند اور لکھداری نے پٹنہ میں قیام کر رکھا تھا۔ میں اس وقت اپنے ان ساتھیوں کے ساتھ پٹنہ ہی سے آرہا ہوں۔ لکھداری اور درجاند کا وہاں میں نے خاتمہ کردیا ہے اور تم سے اور تمہارے ساتھیوں سے نمٹنے کے بعد یاد رکھنا اب میں بنارس کا رخ کروں گا' اس لئے وہاں تمہارے دو مزید ساتھی ساونتر اور رائے چند ہیں جنہوں نے میرے خاندان کے قتل عام میں حصہ لیا۔"

"مول شنکر اور بھیم سین اپنے ساتھیوں سے ذرا الگ ہوکر کھڑے ہوجاؤ۔"

رستم خاں کی اس گفتگو سے مول شنکر اور بھیم سین لرزنے اور کانپنے لگے تھے۔ اس لئے ایک جھٹکے کے ساتھ رستم نے اپنی تلوار سے نیام کی تھی' پھر اس نے آگے بڑھ کر باری باری مول شنکر اور بھیم سین کی گردن کاٹ دی۔ یہ حالت دیکھتے ہوئے باقی ساتھیوں کے رنگ پیلے ہوگئے تھے' پھر اپنے ساتھیوں کی طرف رستم خاں نے مخصوص اشارہ کیا' جس پر اس کے ساتھی آگے بڑھے۔ مول شنکر اور بھیم سین اور ان کے سارے ساتھیوں کا صفایا کردیا گیا' پھر اس کمرے کو باہر سے بند کردیا گیا۔ اس کے بعد رستم خاں نظام الدین اپنے ساتھیوں کے ساتھ حرکت میں آئے' حویلی سے نکلے' اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور پھر وہ بھٹنڈا سے بنارس کی طرف کوچ کرگئے تھے۔

اپنے ساتھیوں کے ساتھ رستم خاں ایک روز بنارس شہر میں داخل ہوا۔ بنارس قدیم ترین ہندو شہر ہے۔ یہ راجہ کی سلطنت کا دارالحکومت تھا۔ یہ گنگا کے بائیں کنارے کلکتہ سے 941 میل شمال مغرب میں اور دہلی سے 508 جنوب مشرق میں واقع ہے۔

یہ شہر کوئی 4 ہزار سال پرانی تاریخ کا حامل ہے۔ 2000 قبل مسیح آریہ یہاں آئے اور یہ ان کا مذہبی اور سیاسی مرکز بنا۔ بدھ مت کے ظہور سے پہلے یہ شہر ململ ریشمی کپڑے' عطریات اور ہاتھی دانت کے کام کی وجہ سے مشہور تھا۔

296 قبل مسیح چندر گپت کے عہد میں یہ شہر مگدھ ریاست کے تحت آیا اور 232 قبل مسیح میں راجہ اشوک کے عہد میں یہ بدھ مت کا مرکزی شہر بن گیا۔ پہلی صدی عیسوی میں قابل کے حکمران راجہ کشک نے اسے اپنی سلطنت میں شامل کرلیا۔ ایک ہزار برس تک یہ بدھ مت اور

ہندو تہذیب کا اہم مرکز رہا۔

1033ء میں بنارس پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا اور 1193ء میں اسے سلطان محمود غزنوی نے دوبارہ فتح کیا۔ اکبر کے عہد میں یہاں دوبارہ ہندو تحریک کا آغاز ہوا' لیکن مغلیہ سلطنت کے زوال کے ساتھ یہ شہر اپنی اہمیت کھو بیٹھا۔ اس دور میں یہاں مشہور فلسفی اور شاعر' دمانند' بھگت کبیر اور تلسی داس وغیرہ نے جنم لیا۔ اس دور میں مسلمانوں نے یہاں نفیس ترین ململ بنانے کے فن کو عروج بخشا۔

مغلیہ دور کے زوال کے ساتھ ہی بنارس میں ہندو راج کا آغاز ہوگیا۔ ہنس رام پہلا حکمران تھا جس نے نیم خودمختار حکومت قائم کی۔ 1725ء تک اسے مستحکم کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس کے بیٹے بلونت سنگھ نے بنارس کو ایک آزاد ریاست کی حیثیت دے ڈالی۔ اس عہد سے مرہٹوں' بدھوؤں' نیپالیوں اور ہندو نے بنارس میں اپنی تحریک کا آغاز بڑے شور کے ساتھ کیا۔

بہرحال بنارس کے شہر میں داخل ہونے کے بعد رستم خاں نظام الدین اور قاسم خان نے اپنے مسلح ساتھیوں کے ساتھ جس طرح مول شنکر اور بھیم سین کا بھٹنڈا میں خاتمہ کیا تھا بالکل اسی طرح انہوں نے بنارس میں ساونتر اور رائے چند کا بھی خاتمہ کردیا اور اس کام سے فارغ ہونے کے بعد وہ ایک طرح سے بڑی کامیابی کے ساتھ اپنی مہم کو سر کرکے بنارس سے آگرہ کی طرف کوچ کرگئے تھے۔

راجہ جگن ناتھ ایک روز فرید خان کی حویلی میں داخل ہوا۔ فرید خان نے شاندار انداز سے اس کا استقبال کیا۔ دونوں دیوان خانہ میں ہو بیٹھے۔ آخر فرید خان نے راجہ جگن ناتھ کو مخاطب کیا اور کہنے لگا۔

"جگن میرے بھائی آج تم اکیلے آئے ہو' دونوں بیٹیاں نہیں آئیں اور بیٹا بھی نہیں آیا۔ اپنی پتنی کو بھی ساتھ نہیں لے کر آئے' کیا معاملہ ہے؟ کیا کسی اہم موضوع پر گفتگو کرنے آئے ہو۔" اس پر راجہ جگن ناتھ غور سے فرید خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"فرید خان میرے بھائی تمہارا کہنا درست ہے۔ دراصل لاہور کا سعادت خان اپنے بیٹے کی شادی کیلئے تاریخ مانگ رہا ہے' میں نے اس سے کہا ہے کہ فرید خان کے ساتھ تعلقات میرے بھائیوں جیسے ہیں' اس کا بیٹا رستم خان ان دنوں آگرہ نہیں ہے وہ یہاں آئے گا تو میں پھر مالتی کی شادی کیلئے دن مقرر کرسکوں گا۔ تاہم مالتی' سمترا دونوں بہنیں اور ان کی ماں سروجنی بھائی شنکر ناتھ چاروں بازار گئے ہوئے ہیں۔ وہ مالتی کی شادی کیلئے خریداری کرنے گئے ہیں' میں نے سوچا میں تمہارے پاس چلا آتا ہوں وقت اچھا گزر جائے گا۔"

راجہ جگن ناتھ جب خاموش ہوا تو تب اس کی طرف دیکھتے ہوئے فرید خان کہنے لگا۔

"اگر سعادت خان یہاں آیا تھا تو میرے بھائی تم اسے میرے پاس بھی لے کر آتے۔"

اس پر جگن ناتھ کہنے لگا۔

"بھائی میرے وہ خود نہیں آیا تھا اپنے کسی عزیز کو بھیجا تھا۔ بہرحال جب تک رستم خاں نہیں آتا اس وقت تک میں مالتی کی شادی کی تاریخ مقرر نہیں کرسکتا۔ جگن ناتھ میرے بھائی آج تم پر ایک انکشاف بھی کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیسا انکشاف......؟" غور سے جگن ناتھ کی طرف دیکھتے ہوئے فرید خان نے پوچھ لیا۔

جگن ناتھ نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری' پھر کہنے لگا۔

"پہلے مجھے میری پتنی اور بڑی بیٹی کو شک تھا شاید سمترا یعنی کہ میری چھوٹی بیٹی رستم خاں کی طرف مائل ہے' اس لئے ہم خاموش تھے کہ دیکھیں سمترا اور رستم خاں کی طرف سے شاید کسی ردعمل کا اظہار کیا جائے کہ ان دونوں کی محبت ہم پر فاش ہوجائے اور ہم اگلا قدم اٹھا سکیں۔"

"چند روز پہلے میری بڑی بیٹی مالتی اور پتنی سروجنی دونوں نے سمترا کو کریدا' باتوں باتوں میں اس سے جاننا چاہا' جس پر سمترا نے یہ تسلیم کیا ہے کہ وہ رستم خاں کو پسند کرتی ہے۔ میرے بھائی میری اور تمہاری ذمہ داریوں کا آدھا مسئلہ حل ہوا' وہ یہ کہ سمترا رستم خاں کو پسند کرتی ہے۔ اب ہم نے کسی طریقہ سے براہ راست نہیں بلکہ کسی طرح باتوں باتوں میں رستم خاں سے یہ جاننے کی کوشش کرنی ہے کہ آیا سمترا کے متعلق اس کے دل میں محبت کے خیالات ہیں۔ اگر وہ بھی سمترا کی طرف مائل ہے پھر تو بات ختم ہوجائے گی۔ پہلے دونوں کی منگنی کا اہتمام کردیں گے اس کے بعد کوئی اچھا وقت دیکھ کر شادی ہوجائے گی۔"

"اور اگر رستم خاں فی الوقت ہاں میں جواب نہیں دیتا تو پھر میرا یہ ارادہ ہے کہ اسے اور سمترا کو آپس میں ملنے دیا جائے۔ اگر رستم خاں کی طبیعت سمترا سے مل جاتی ہے اور وہ اس کی طرف مائل ہوجاتا ہے تب بھی ہمارا مسئلہ حل ہوجائے گا۔ فرید خان میرا یہ ذاتی خیال ہے۔ اگر تم مجھ سے اختلاف کرو گے تم جو چاہو گے وہی ہوگا۔"

جگن ناتھ جب خاموش ہوا تب اس کی طرف مسکرا کر دیکھتے ہوئے فرید خان کہنے لگا۔

"جگن ناتھ تم نے میری بھی الجھن حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ میرے بھائی میں خود چاہتا ہوں کہ میرے بیٹے رستم خاں کی کسی اچھی جگہ ہوجائے۔ اگر سمترا رستم خاں کو پسند کرتی ہے تو پھر سمترا جیسی خوبصورت دراز قد اور پرکشش لڑکی ہمیں کہیں مل ہی نہیں سکتی۔ اگر رستم خاں فی الحال سمترا سے اپنی محبت کا اظہار نہیں کرتا تب بھی میں خود چاہوں گا کہ دونوں کو باہم بیٹھنے ملنے جلنے کا موقع دیا جائے۔ مجھے امید ہے کہ اس طرح دونوں ایک دوسرے کو سمجھ کر جانچ کر مزید ایک دوسرے کے قریب ہوں گے۔ جب ایسا ہوگا تو دونوں کو ایک رشتہ میں باندھ

دیں گے۔"

فرید خان کا یہ جواب سن کر راجہ جگن ناتھ خوش ہو گیا تھا۔ جواب میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا حویلی کا صدر دروازہ جس کو زنجیر نہیں لگی ہوئی تھی وہ کھلا اور ایک شخص بھاگتا ہوا آیا اور دیوان خانہ کے سامنے آ کے رکا اور بڑی بدحواسی میں راجہ جگن ناتھ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"جس قدر جلد ممکن ہو اپنی حویلی میں چلیں آپ کی بڑی بیٹی مالتی کو کسی نے موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔" یہ خبر سن کر جگن ناتھ اور فرید خان دونوں چونک پڑے تھے اور آنے والے کو مخاطب کر کے جگن ناتھ نے پوچھ لیا۔

"کیا ہوا میرے بیٹی کیسے ہلاک ہوئی؟" وہ اس پر آنے والا اپنی سانس درست کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"آپ کی پتنی، دونوں بیٹیاں اور بیٹا شنکر ناتھ بازار سے خریداری کر کے واپس آ رہے تھے ایک تنگ گلی کے اندر سے ایک شخص جو اپنا چہرہ ڈھانپے ہوئے تھا، آپ کے اہلخانہ پر حملہ آور ہوا، سب سے پہلے اس نے مالتی پر تلوار چلائی، اس کا کام تمام کیا، پھر آپ کی چھوٹی بیٹی سمترا پر بھی حملہ آور ہونا چاہتا تھا، جب آپ کی پتنی بیٹے اور سمترا نے شور کرنا شروع کیا تو وہ ایک دم وہاں سے ہٹا، پہلے وہ پشت والی تنگ گلی سے نکلا تھا، پھر بھاگ کر بائیں جانب کی تنگ گلی میں ہوتا ہوا نہ جانے کہاں چلا گیا، کچھ لوگوں نے اسے تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن اسے پکڑنے میں ناکامی ہوئی ہے۔"

یہ خبر سن کر فرید خان اور جگن ناتھ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے تھے، پھر آنے والے کے ساتھ تقریباً بھاگتے ہوئے جگن ناتھ کی حویلی کا رخ کر رہے تھے۔

جگن ناتھ فرید خان کے ساتھ جب اپنی حویلی میں داخل ہوا تو تب حویلی کے اندر ایک کہرام مچا ہوا تھا۔ عورتیں بین کرتی رو رہی تھیں۔ جگن ناتھ اور فرید خان جب آگے بڑھے تو سب سے پہلے سمترا اور شنکر ناتھ دونوں بھاگ کر باری باری اپنے باپ جگن ناتھ اور فرید خان سے مل کر دھاڑیں مار کر روئے۔ اس کے بعد فرید خان اور جگن ناتھ نے مالتی کی لاش کا جائزہ لیا۔ حملہ آور نے تلوار کا ایسا وار کیا تھا کہ مالتی لمحوں میں ہی ڈھیر ہو گئی تھی۔ چونکہ لاش کے اردگرد بہت سی عورتیں جمع ہو گئی تھیں لہٰذا فرید خان اور جگن ناتھ شنکر ناتھ کے ساتھ مل کر افسوس کیلئے آنے والے مردوں کے بیٹھنے کا اہتمام کرنے لگے تھے۔

✧ ✧ ✧

رستم خاں ایک روز نظام الدین اور قاسم خان کے ساتھ اپنی حویلی میں داخل ہوا۔ انہوں نے دیکھا حویلی میں چپ اور خاموشی تھی۔ دیوان خانہ بھی خالی پڑا ہوا تھا۔ تینوں نے اپنے گھوڑے اصطبل میں باندھے، اتنے میں حویلی کے اندر سے جہاں آراء اور تسیمہ خاتون باہر نکل آئیں۔ رستم خان کی آمد پر دونوں ماں بیٹی نے خوشی کا اظہار کیا، اس پر رستم خاں جہاں آراء کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"اماں بابا کہاں گئے ہوئے ہیں؟"

اس پر دکھ بھرے انداز میں جہاں آراء کہنے لگی۔

"بیٹے عزیز خاں صبح سے جگن ناتھ کی حویلی گئے ہوئے ہیں، اس لئے کہ آج مالتی کا تیسرا ہے۔"

جہاں آراء کے ان الفاظ پر رستم خاں چونکا تھا۔ کچھ دیر سوالیہ سے انداز میں اس کی طرف دیکھتا رہا، پھر بھرائے ہوئے لہجہ میں پوچھا۔

"اماں یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟"

اس پر بکھری بکھری سی آواز میں جہاں آراء اسے مخاطب کر کے پھر کہنے لگی۔

"بیٹے تین دن پہلے مالتی کو کسی نے قتل کر دیا تھا۔ ہوا یوں کہ مالتی کے سسرال والوں نے مالتی کی شادی کی تاریخ مانگی تھی جبکہ جگن ناتھ نے کہا تھا کہ جب رستم خاں اپنی مہم سے لوٹے گا تب وہ یہ تاریخ دے گا۔ اسی دوران مالتی، سمترا، سروجنی اور شنکر ناتھ تینوں شادی کی خریداری کیلئے بازار گئے۔ اس روز جگن ناتھ یہاں محترم فرید خان کے ہاں پاس آ کے بیٹھ گیا تھا، جب وہ چاروں خریداری کر کے واپس آ رہے تھے تو ایک تنگ گلی سے منہ ڈھانپے ہوئے ایک شخص نکلا، ان پر حملہ آور ہوا مالتی کا کام تو اس نے پہلے روز میں تمام کر دیا تھا۔ سمترا پر بھی حملہ آور ہونا چاہتا تھا اور جب شنکر ناتھ سروجنی اور سمترا سب نے مل کر شور مچایا تو تب وہ بائیں جانب جانے والی گلی میں بھاگ گیا، لوگوں نے اسے تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن وہ نہیں ملا۔"

اس موقع پر قاسم اور نظام الدین کی طرف دیکھتے ہوئے رستم خاں کہنے لگا۔

"میرے خیال میں پہلے گھوڑوں کو پانی پلاتے ہیں، ان کے آگے چارہ ڈالنے کے بعد جگن ناتھ کی حویلی کا رخ کرتے ہیں۔"

اس موقع پر تسیمہ خاتون بول اٹھی اور رستم خاں کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

"میرے بھائی تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ گھوڑوں کے ساتھ جو تم لوگوں کا ضروری سامان باندھا ہوا ہے وہ اتار کر رکھ لو' گھوڑوں کی زین بھی اتار دو۔ گھوڑوں کو میں تمہاری غیر موجودگی میں پانی پلا دوں گی' ان کے چارے کا بھی اہتمام کر دوں گی۔"

تسیمہ خاتون کے ان الفاظ پر رستم خاں خوش ہو گیا تھا۔ تینوں نے اپنے گھوڑوں سے اپنا ضروری سامان اتارا زین اور دانے اتار کر بھی ایک طرف رکھ دیئے' پھر وہ جگن ناتھ کی حویلی کا رخ کرنے کیلئے باہر نکل گئے تھے۔

✧ ✧ ✧

تھوڑا سا آگے جا کر رستم خاں رکا' کچھ سوچا' اس کے اس طرح رکنے اور پھر سوچنے پر نظام الدین نے اسے مخاطب کیا اور کہنے لگا۔

کیا ہوا میرے بھائی۔

رستم خاں نے کچھ سوچا' اس کے بعد قاسم خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"قاسم خان میرے بھائی ایک کام کرو مجھے شک پڑتا ہے کہ مالتی کے قتل میں بھی مالدیو اور اس کے کارندوں کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔ لہٰذا مالدیو کی طرف جاؤ' سارے مسلح جوان جو ہمارے ساتھ کام کرتے رہتے ہیں انہیں ساتھ لے کر مالدیو کی حویلی کا رخ کرو۔ مالدیو کی حویلی تم جانتے ہو بلکہ مالدیو سے بھی خوب واقف ہو۔ لہٰذا مالدیو کی حویلی کا ایک طرح سے محاصرہ کر لو' تھوڑی دیر تک میں اور نظام الدین بھی وہاں پہنچ جائیں گے۔"

رستم خاں کے ان الفاظ پر جہاں نظام الدین نے اثبات میں گردن ہلائی تھی وہاں قاسم خان بھی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"رستم خاں میرے عزیز بھائی یہ بہت اچھا فیصلہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ مالتی کے قتل میں بھی یہی لوگ شامل ہوں' جو آپ کے اہلخانہ کا قتل کرتے رہے ہیں اور پھر مالدیو سے ویسے بھی ہم نے بہت پوچھ گچھ کرنی ہے۔ اس سے بہت کچھ جاننا ہے۔ لہٰذا میں مالدیو کی طرف جاتا ہوں اپنے مسلح ساتھیوں کے ساتھ' مالدیو کی حویلی کا محاصرہ کر لیتا ہوں' آپ کو اس سلسلے میں کسی پریشانی اور فکر مندی کی ضرورت نہیں ہے۔" اس کے ساتھ قاسم خان دونوں سے علیحدہ ہو کر مالدیو کی طرف چلا گیا تھا جبکہ رستم خاں اور نظام الدین دونوں جگن ناتھ کی حویلی کی طرف

بڑھے تھے۔

رستم خاں اور نظام الدین دونوں جگن ناتھ کی حویلی میں داخل ہوئے۔ اس وقت سروجنی اور سمترا دونوں اپنی حویلی کے برآمدے میں تھی' دونوں نے رستم خاں کو ساتھ نظام الدین کے ساتھ حویلی میں داخل ہوتے دیکھ لیا تھا۔ سروجنی اور سمترا دونوں ایک ساتھ آگے بڑھیں' رستم خاں کی آمد پر انہوں نے خوشی کا اظہار کیا۔ رستم خاں جب دیوان خانہ میں داخل ہوا تب دیوان خانہ میں پہلے سے جگن ناتھ اور فرید خان بیٹھے ہوئے تھے۔ شنکر ناتھ بھی ان کے ساتھ تھا' رستم خاں اور نظام الدین دونوں سب سے پہلے گلے ملے۔ سمترا اور سروجنی بھی دیوان خانہ میں ایک طرف ہو کر بیٹھ گئی تھیں۔ رستم خاں نے پہلے نظام الدین کا تعارف کروایا' اس کے بعد سب کے ساتھ دونوں نے مالتی کے مارے جانے کا دکھ اور افسوس کیا' کچھ دیر گہری خاموشی دیوان خانہ میں چھائی رہی' سب اداس تھے۔ سمترا اور اس کی ماں سروجنی دونوں دیوان خانے کے ایک کونے میں بیٹھی رو رہی تھیں اور ان کی سسکیاں سنائی دینے لگی تھیں' کچھ دیر غمناک سا سناٹا رہا' پھر جگن ناتھ رستم خاں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"بیٹے تم اپنی مہم کے متعلق کچھ کہو کیا ہوا۔"

اس پر رستم خاں نے تفصیل کے ساتھ بہار' بھٹنڈا اور بنارس میں قاتلوں سے نمٹنے اور ان کا کام تمام کرنے کی تفصیل کہہ دی تھی۔

رستم خاں جب خاموش ہوا تب بڑے تعجب اور حیرت کا اظہار کرتے ہوئے جگن ناتھ فرید خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"فرید خان میرے بھائی مقام حیرت اور تعجب ہے کہ مالدیو جیسا ساہوکار بھی ان قاتلوں کے مددگاروں میں شامل ہے۔ وہ تو اپنی خوبصورت اور حسین بیٹی رتن کماری کا رشتہ بھی رستم خاں کو دے رہا تھا اور اس رشتے کی پیشکش بھی انہی کی طرف سے آئی تھی۔"

جواب میں فرید خان نے کچھ سوچا اور پھر کہنے لگا۔

"جگن ناتھ ہو سکتا ہے اپنی بیٹی رتن کماری کا رشتہ دے کر مالدیو ہم سے دو طرح کے فوائد حاصل کرنے کا خواہشمند ہو۔

اولین ہم سے رشتہ طے کرنے کے بعد وہ اس بات سے بچنا چاہتا ہو کہ کسی تنظیم کے ساتھ مل کر وہ قاتلوں کی مدد کرتا رہا ہے۔

اور دوئم یہ کہ ہمارے ساتھ رشتہ قائم کر کے شاید وہ یہ بھی چاہتا ہوگا کہ اب اس تنظیم یا ان قاتلوں سے تعلق کر لے جو کسی بھی وقت آنے والے دور میں اس کیلئے مصیبت کا باعث بن سکتے ہیں اور اس سلسلے میں ہمارے ساتھ اس کا یہ رشتہ اس کیلئے سودمند ہو سکتا تھا۔''

فرید خان جب خاموش ہوا' تب رستم خاں اپنے باپ اور راجہ جگن ناتھ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

آپ لوگ یہیں بیٹھیں' میں اور نظام الدین مالدیو کی حویلی کا رخ کرتے ہیں۔ پورے حالات کی تحقیق کرتا ہوں' اس کے بعد مالدیو کو اس کے کئے کی سزا ہر صورت مل کر رہے گی۔

اس کے ساتھ ہی وہاں سے جانے کیلئے رستم خاں اپنی جگہ سے اٹھا تب سب سے پہلے سمترا رستم خاں کی طرف دیکھتے ہوئے بے حد پریشانی اور فکرمندی کا اظہار کر رہی تھی۔ اس موقع پر سمترا کی ماں اور راجہ جگن ناتھ کی پتنی سروجنی بول اٹھی اور رستم خاں کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔ ''رستم خاں میرے بیٹے ہم پہلے ہی نہ جانے کسی سزا کے طور پر مالتی سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں اب ہم تمہیں اکیلا نہیں جانے دیں گے۔ مالدیو اگر قاتلوں کے گروہ کی مالی مدد کر رہا ہے اور اس کے تعلقات اگر کسی تنظیم سے بھی ہیں تو پھر بیٹے تمہارا اپنے اس ساتھی کے ساتھ اکیلے جانا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ لہٰذا ہم تمہیں کسی صورت بھی وہاں نہیں جانے دیں گے' جہاں تمہارے لئے خطرات ہیں۔''

یہاں تک کہتے ہوئے دم لینے کیلئے جب سروجنی رکی تب راجہ جگن ناتھ بولا اور رستم خاں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''رستم خاں ہم نے جانا وہاں ضرور ہے لیکن میں اور فرید خان بھی تمہارے ساتھ جائیں گے اور ہم خود بھی مالدیو سے اس موضوع پر بات کریں گے۔''

جگن ناتھ تھوڑی دیر کیلئے رکا' پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔''یہ بھی ممکن ہے کہ مالدیو کے ہاں مسلح جوان بھی رہتے ہوں' اس صورت میں سروجنی کا کہنا درست ہے ہمارے لئے خطرات اور خدشے ہیں۔''

جگن ناتھ کے خاموش ہونے پر ہلکی مسکراہٹ میں رستم خاں کہنے لگا۔

''اس ساہوکار مالدیو کی ایسی تیسی اب تک اس کی حویلی کا محاصرہ ہو چکا ہوگا' میں جب حویلی کی طرف گیا تو ہم تین ساتھی ایک میں ایک نظام الدین تیسرا قاسم خان جو چھ قاتلوں کو

ان کی شکل سے جانتا اور پہچانتا ہے اور اسی کے پہچاننے پر ہم نے ان چھ قاتلوں کا خاتمہ کیا' میرے ساتھ مسلح جوان کئی جگہوں پر گئے تھے وہ یہاں آنے کے بعد مستقر میں ٹھہرے تھے۔ لہٰذا قاسم خان کو میں نے ان کی طرف بھیجا کہ وہ انہیں اپنے ساتھ لے کر ساہوکار مالدیو کی حویلی کا محاصرہ کرے اب تک تو مالدیو کی حویلی کا محاصرہ ہو چکا ہوگا' اس نے بھاگ کر کہاں جانا ہے اور اگر حویلی کے اندر مسلح جوان بھی رکھے ہوئے ہیں تب بھی ان کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔''

رستم خاں کے اس انکشاف پر سمترا اور سروجنی دونوں ماں بیٹی کسی حد تک مطمئن اور پرسکون دکھائی دینے لگی تھیں' پھر فیصلہ کن انداز سے جگن ناتھ کہنے لگا۔

بیٹے میں خوش ہوں کہ تم نے پیش بندی کے طور پر مالدیو کی حویلی کا محاصرہ کرا دیا ہے۔ بہرحال میں اور فرید خان تمہارے ساتھ چلیں گے' اس پر رستم خاں راضی ہو گیا چنانچہ رستم خاں' نظام الدین' فرید خان اور جگن ناتھ چاروں حویلی سے نکل گئے تھے۔

✧ ✧ ✧

دوسری طرف ساہوکار مالدیو کا ایک ملازم جو گھر کے کام کاج پر مقرر تھا گھر کی دیکھ بھال بھی کرتا تھا۔ بھاگا بھاگا دیوان خانہ میں داخل ہوا' اس وقت دیوان خانے میں مالدیو کچھ لوگوں کے ساتھ محو گفتگو تھا۔ مالدیو کے علاوہ کمرے میں چار اور اشخاص بھی تھے وہ سب جواں اور توانا تھے۔ شاید مالدیو کے کارندے ہوں گے۔

چنانچہ حویلی کی دیکھ بھال کرنے والا وہ کارندہ جب بھاگا بھاگا دیوان خانے کے دروازے پر گیا اور مالدیو نے دیکھا اس کی سانس پھول رہی ہے تب مالدیو نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ لیا۔

''کیا معاملہ ہوا تم بھاگتے ہوئے کیوں آ رہے ہو' کیا وجہ ہے؟'' اس پر وہ شخص اونچے اونچے سانس لیتے ہوئے کہنے لگا۔

ہماری حویلی کا کچھ مسلح جوانوں نے محاصرہ کر لیا ہے' نہ جانے کیا معاملہ ہے۔

ان الفاظ پر مالدیو ہی نہیں اس کے ساتھ جو چار افراد بیٹھے ہوئے گفتگو کر رہے تھے وہ بھی گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ شاید وہ بھی مالدیو کے جرائم اور گناہوں میں برابر کے شریک تھے' پھر ان چاروں میں سے ایک مالدیو کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔'' فکرمند اور پریشان

ہونے کی ضرورت نہیں۔ پہلے ہمیں باہر نکل کر یہ تو دیکھنا چاہئے کہ محاصرہ کرنے والے کون ہیں۔ انہوں نے کیوں اور کس بنا پر حویلی کا محاصرہ کیا ہے؟''

اس کی اس گفتگو سے مالدیو کو بھی حوصلہ ہوا' چنانچہ مالدیو ان چاروں کے ساتھ دیوان خانے سے نکلا' حویلی کا صدر دروازہ کھول کر باہر آیا تو اس نے دیکھا مسلح جوان اس کی حویلی کے اطراف میں پھیلے ہوئے تھے' جو مسلح جوان صدر دروازے کے قریب تھے ان میں سے ایک کو مخاطب کر کے مالدیو کہنے لگا۔

''میں نہیں جانتا کہ تم لوگ کون ہو' کیوں تم لوگوں نے میری حویلی کا محاصرہ کیا ہوا ہے۔ کیا میں جان سکتا ہوں ایسا کیوں ہے اور ایسا تم نے کس کے کہنے پر کیا ہے۔ اس سلسلے میں ہمارا کیا دوش اور کیا گناہ ہے' جو ہمارے ساتھ یہ معاملہ کیا جا رہا ہے۔''

اس پر ایک لشکری نے غور سے مالدیو کو مخاطب کیا۔ ''تمہارے ان سوالوں کا جواب ہم نہیں دیں گے جو سوالات تم نے کئے ہیں۔ ان سوالات کا جواب دینے والے تمہارے پاس پہنچ جائیں گے اور تمہارے ہر سوال کا جواب دیں گے۔ لہٰذا میں تم سے کہتا ہوں اپنے ان گماشتوں اور ساتھیوں کے ساتھ حویلی کے اندر چلے جاؤ' اگر تم لوگوں نے ہم سے بحث کرنے یا تکرار کی کوشش کی تو میں پہلے تمہیں بتا دیتا ہوں تم لوگ نقصان اٹھاؤ گے' تھوڑی دیر صبر کرو' پھر تمہیں خود ہی پتہ چل جائے گا معاملہ کیا ہے؟''

یہاں تک کہتے کہتے وہ مسلح جوان رک گیا۔ اس لئے کہ اس نے دیکھا ایک طرف سے قاسم خان جو پوری حویلی کا چکر لگا رہا تھا وہاں پہنچ گیا' پھر قاسم خان مالدیو کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''مالدیو کیا معاملہ ہوا جو کچھ پوچھنا ہے مجھ سے پوچھو' میں تمہارے سوالوں کا جواب دوں گا۔''

جواب میں بڑے غور سے مالدیو نے قاسم خان کی طرف دیکھا' پھر کہنے لگا۔

''میں صرف یہ پوچھتا ہوں ہماری حویلی کا محاصرہ کیوں کیا گیا ہے۔ ہمارا کیا گناہ ہے اور ہمیں نہ بتایا گیا تو اس کی شکایت میں شہنشاہ سے بھی کر سکتا ہوں۔''

مالدیو کے ان الفاظ پر قاسم کے چہرے پر بڑی طنزیہ مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی' کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اچانک ایک طرف سے اسے رستم خاں' نظام الدین' فرید خان اور راجہ جگن ناتھ

آتے ہوئے دکھائی دیئے' پھر قاسم خان اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''مالدیو تمہارے سارے سوالوں کا جواب دینے والے آ گئے۔ وہ سامنے دیکھو فرید خان آ رہا ہے۔ اس کے ساتھ اس کا بیٹا رستم خاں ہے' ساتھ میں راجہ جگن ناتھ ہے اور راجہ جگن ناتھ کے ساتھ جو سالار ہیں ان کا نام نظام الدین ہے۔ یوں جانو وہ اسی شہنشاہ کا ہی بھیجا ہوا ہے جس شہنشاہ کے پاس تم نالش پیش کرنا چاہتے ہو۔ لہٰذا اندر چلے جاؤ تم سے بات کرنے والے آ گئے ہیں۔''

حیرت زیادہ انداز میں مالدیو فرید خان' رستم خاں' نظام الدین' جگن ناتھ کی طرف دیکھنے لگا تھا کہ یہاں تک وہ چاروں وہاں پہنچے' پھر جگن ناتھ مالدیو کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''مالدیو اندر چلو' پھر تمہارے ساتھ تفصیل کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں۔''

مالدیو اپنے چاروں ساتھیوں کے ساتھ اندر چلا گیا' قاسم خان بھی ان کے ساتھ ہو لیا۔ قاسم خان کا اشارہ پا کر دروازے کے قریب ہی جو مسلح جوان کھڑے تھے وہ بھی قاسم خان کے پیچھے پیچھے حویلی میں داخل ہوئے اور قاسم خان کے اشارہ پر ہی وہ دیوان خانے کے دروازے کے قریب جا کر کھڑے ہو گئے تھے۔

اس موقع پر مالدیو کی بیوی درگا دیوی اور حسین اور خوبصورت بیٹی رتن کماری نے بھی رستم خاں' فرید خان اور جگن ناتھ اور نظام الدین کے علاوہ دوسروں کو حویلی میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ لہٰذا رتن کماری بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اپنی ماں درگا دیوی کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

ماتا تم دیکھ رہی ہو ہماری حویلی میں رستم خاں اور اس کا باپ اور ان کے کچھ ساتھی داخل ہو رہے ہیں۔ ان لوگوں نے تو میرا رشتہ لینے سے انکار کر دیا تھا اب کیا معاملہ ہوا' کیا یہی لوگ اپنے ارادے پر نظر ثانی کرنے آئے ہیں اور میرے باپ سے میرا رشتہ مانگنا چاہتے ہیں۔ ماتا اگر یہ بات ہے تو میں سمجھتی ہوں یہ میری خوش قسمتی ہے کہ میں رستم خاں کی بیوی بنوں گی۔

یہاں تک کہنے کے بعد رتن کماری رکی' پھر اپنی ماتا کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

ماتا کیا ایسا ممکن نہیں کہ ہم بھی ہونے والی گفتگو سنیں' دیوان خانے کے سامنے والے دروازے پر تو مسلح جوان کھڑے ہیں' شاید یہ مسلح جوان رستم خاں کے ہیں۔ ہم دیوان خانہ

کے دوسری طرف جو دروازہ ہے اس کے قریب پردے کے پیچھے ہو کر ساری گفتگو سن سکتی ہیں۔

درگا دیوی نے جب اس سے اتفاق کیا تب رتن کماری اور درگا دیوی دونوں ماں بیٹی حرکت میں آئیں اور دیوان خانہ کے دوسری طرف جا کر دروازے پر لگے پردے کے پیچھے ہو کر گفتگو سننے کی کوشش کرنے لگی تھیں۔

کمرے میں تھوڑی دیر سکوت رہا' یہاں تک کہ فرید خان نے مالدیو کو مخاطب کیا اور کہنے لگا۔

''مالدیو برا مت ماننا' ہم آج ایک انتہائی اہم کام کے سلسلے میں تمہارے پاس آئے ہیں۔''

فرید کے ان الفاظ کا مطلب مالدیو کچھ اور ہی سمجھا تھا' کہنے لگا۔

''میرے خیال میں آپ لوگ کچھ دیر سے آئے ہیں جس موضوع پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں اس کیلئے تو آپ کو بہت پہلے آنا چاہئے تھا' اس لئے میں نے تو کئی ہفتے پہلے خود آپ کی طرف پیغام پہنچوایا تھا۔''

مالدیو کے خاموش ہونے پر فرید خان دوبارہ سنجیدہ انداز میں بولا۔

''مالدیو ہم اس موضوع پر گفتگو کرنے نہیں آئے' جو موضوع تم اپنے دل میں ٹھہرائے ہوئے ہو' یہ بات رشتے کی نہیں یہ بات قتل و غارت گری کی ہے۔''

فرید خان کے ان الفاظ پر مالدیو چونکا تھا۔ دروازے سے باہر مخالف سمت پردے کے پیچھے کھڑی درگا دیوی رتن کماری ایک دوسرے کی طرف تعجب اور حیرت سے دیکھنے لگی تھیں۔

یہاں تک کہ بات کو آگے بڑھاتے ہوئے فرید خان نے کہنا شروع کیا۔

''مالدیو میرا تم سے پہلا سوال یہ ہے کہ تم اپنے مال و دولت سے قاتلوں کی پشت پناہی کیوں کرتے رہے ہو؟''

مالدیو نے چونکنے کے انداز میں فرید خان کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

''فرید خان یہ تم کیا کہہ رہے ہو' میں تمہاری یہ پہیلیاں سمجھ ہی نہیں رہا۔''

اس پر فرید خان پہلے کی نسبت اپنی بات پر زیادہ زور دیتے ہوئے کہنے لگا۔

''کیا تم ساونتر' رائے چند' مول شنکر' بھیم سین' درجاند اور لکھداری کو بھی نہیں جانتے ہو' تمہاری اطلاع کیلئے میں عرض کر دوں کہ یہی چھ افراد میرے ایلخانہ کے قاتل تھے۔ ان چھ نے

میرے ایلخانہ کو اس وقت قتل کیا جب میں اور میرا بیٹا رستم خاں دین الٰہی کو تسلیم نہ کرنے کی وجہ سے اکبر کے حکم سے زندان میں ڈال دیئے گئے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کام ابوالفیض کے کہنے پر کیا گیا تھا لیکن یہ ایک باقاعدہ تنظیم تھی اور اس تنظیم کا مرکز بھی تھا اور اس تنظیم کی پشت پناہی کرنے والے لوگ بھی ہیں اور پشت پناہی کرنے والوں میں مالدیو سرفہرست تم ہو۔ مالدیو جھوٹ مت بولنا' اس لئے کہ اپنے گناہ چھپانے کیلئے تمہیں مزید جھوٹ بولنا پڑے گا' اس طرح تمہارے جرائم میں اضافہ ہوتا جائے گا اور تم دوسرے لوگوں کیلئے عبرت خیزی کا سامان بن جاؤ گے۔''

''مالدیو ابھی تک شاید تمہیں علم نہ ہو کہ میرا بیٹا شہزادہ خرم کے ساتھ دکن کی طرف گیا ہوا تھا' لیکن دکن کی مہم کی تکمیل کے بعد وہ قاتلوں کا صفایا کر چکا ہے۔ یاد رکھنا ہمیں قاتلوں کی نشاندہی کی گئی تھی' ان میں سے ساونتر اور رائے چند نے بٹھنڈا میں' مول شنکر اور بھیم سین نے بنارس میں اور درجاند اور لکھداری نے پٹنہ میں قیام کیا ہوا تھا۔ ان تینوں مقام پر میرا بیٹا رستم خاں ان چھ قاتلوں کا خاتمہ کر چکا ہے۔ ان قاتلوں ہی نے انکشاف کیا ہے کہ یہ ایک باقاعدہ تنظیم ہے جس نے ہندوؤں کی ست نامی تحریک کا روپ دھارا ہوا ہے کہ ست نامی بڑے پرامن لوگ ہیں۔ خدا واحد کو ماننے والے ہیں لیکن اندر سے یہ تنظیم سیاہ گھناؤنے کام کرنے والی ہے اور اس تنظیم کی ایک اکائی تم ہو' جو اپنے مال و دولت سے انہیں تقویت پہنچاتے رہے ہو اور ان کی اعانت کرتے رہو۔ اب بولو تم کیا کہتے ہو۔''

یہاں تک کہنے کے بعد فرید خان رکا اور اس بار کس قدر غصیلے انداز میں مالدیو کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''مالدیو اگر تم نے جھوٹ بولا اور انکار کرنے کی کوشش کی تو ہم اسے لوگوں کو تمہارے سامنے لے آئیں گے جو ثابت کر دیں گے کہ تم اعانت کرتے رہے ہو اور ان کے سامنے تم جھوٹ بول سکو گے اور نہ اپنے جھوٹ پر پردہ ڈال سکو گے۔''

فرید خان رکا' پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتا ہوا کہتا ہوا چلا گیا تھا۔

''مالدیو تم نے اپنی خوبصورت بیٹی رتن کماری کا رشتہ میرے بیٹے کو دینے کی پیشکش اس بنا پر کی تھی کہ رتن کماری میرے بیٹے رستم خاں کو پسند کرتی تھی بلکہ یہ رشتہ کر کے تم ایک طرح سے اپنے ان افعال سے بچنے کیلئے تقویت حاصل کرنا چاہتے تھے۔ مالدیو اب بولو تم کیا کہتے

ہو، میں پھر تم سے کہتا ہوں جھوٹ مت بولنا۔"

اس پر مالدیو کچھ دیر گردن جھکائے اپنی جگہ پر بیٹھا رہا، پھر اسے نہ جانے کیا سوجھی ایک دم اپنی جگہ سے اٹھا اور اپنے آپ کو اس نے فرید خان کے قدموں میں گرا دیا۔ دونوں پاؤں پکڑ لئے تھے اور منت کرنے کے انداز میں کہنے لگا۔

"فرید خان یہ کام میں نے دانستہ نہیں کیا، میں ایک ساہوکار ہوں اور میری دولت اور ثروت کے چرچے تو تھے ہی، ان لوگوں نے مجھے دھمکیاں دے کر اور مجھے بار بار قتل کر دینے کا کہہ کر مجھ سے یہ کام کرایا، میں جانتا تھا کہ یہ لوگ اوباش اور قاتل ہیں لیکن میں خوشی سے انہیں نہیں نوازتا رہا وہ زبردستی مجھ سے مال بٹورتے رہے۔ اگر میں ایسا نہ کرتا تو یقیناً وہ مجھے قتل کر دیتے۔ بس یوں جانو اپنی اور اپنے اہلخانہ کی جانیں بچانے کیلئے میں ان کی مالی مدد کرتا رہا، میں اپنے اس گناہ اور اس جرم کو تسلیم کرتا ہوں۔"

مالدیو کے ان الفاظ پر باہر کھڑی اس کی پتنی درگا دیوی اور بیٹی رتن کماری اداس اور فرسودہ ہو گئی تھیں۔ دونوں استفہامیہ انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھے جا رہی تھیں، پھر فرید خان کے کہنے پر مالدیو اپنی جگہ سے اٹھ کر فرید خان سے قریب نشست پر بیٹھ گیا، کچھ سوچا اور کہنے لگا۔

"ہاں اس سلسلے کو آگے بڑھانے کیلئے اب میں آپ لوگوں سے یہ کہتا ہوں کہ یہ جو قاتل تھے یہ ایک باقاعدہ تنظیم ہے، شروع میں یہ ابوالفیض کے تحت کام کرتے تھے وہ انہیں نوازتا تھا اور جو لوگ اکبر کے بنائے ہوئے دین الٰہی کو تسلیم نہیں کرتے تھے انہی کے ذریعے ان میں سے اکثر کا وہ کام تمام کرا دیا کرتا تھا۔ ابوالفیض کے بعد ان کی نگاہ میری دولت پر پڑی اور انہوں نے مجھے دھمکیاں دینا شروع کر دیں، میں جانتا ہوں جب چھ اوباشوں کا تم نے ذکر کیا ہے جن میں سے دو پٹنہ، دو بنارس اور دو بھٹنڈا میں قیام کئے ہوئے تھے وہ تمہارے اہلخانہ کے قاتل تھے لیکن میں زبان نہیں کھول سکتا تھا، زبان کھولتا تو اپنی جان سے محروم ہو جاتا۔"

ہاں اب جب کہ معاملہ خود ہی کھل گیا ہے میں تم پر ایک اور راز فاش کرتا ہوں۔

"کیسا راز......؟" غور سے مالدیو کی طرف دیکھتے ہوئے فرید خان نے پوچھ لیا تھا۔

مالدیو بولا اور کہنے لگا۔

"فرید خان تمہارا کہنا درست ہے کہ انہوں نے ست ناموں کا روپ دھارا ہوا تھا وہ اس لئے کہ ست نامی تحریک بڑی پرامن ہے۔ وہ واقعی خدا کی وحدانیت کے قائل ہیں لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ یہ لوگ انتہا پسند ہیں اور نہیں چاہتے کہ ہندو اور مسلمان آپس میں اتفاق، پیار اور یکجہتی کے ساتھ رہیں۔ اس تحریک کی وجہ سے بڑا دکھ اور صدمہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے مذہب سے متاثر ہو کر بہت سی تحریکیں ہندوستان میں چل پڑی ہیں جو قدیم ہندو دھرم کو فراموش کر کے مسلمانوں کے دھرم کی اچھی اچھی باتیں اپنا کر اپنے دھرم کو خراب کرنے لگے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی زندگی کا مقصد یہ بنا لیا ہے کہ جہاں کہیں بھی مسلمان اور ہندو آپس میں یکجا ہونے کی کوشش کریں یا رشتے طے کریں ان کا صفایا کر دیا جائے۔ میں نے جو اپنی بیٹی رتن کماری کا رشتہ آپ لوگوں کو پیش کیا تھا تو اس کی دو وجہ تھیں پہلی یہ کہ رتن کماری رستم خاں کو پسند کرنے لگی تھی، دوسری وجہ یہ تھی کہ جب رتن کماری کا رشتہ رستم خاں کے ساتھ طے ہو جاتا تو پھر میں یہ راز تم پر فاش کر دیتا۔ ایسا ہو جاتا تو کم از کم تم لوگوں کی وجہ سے میں بھی محفوظ ہو جاتا، لیکن میرے بخت میں ایسا نہیں تھا اور اب جو کچھ مجھ پر بیتی ہے یہ میرے لئے انتہائی بدنامی کا باعث ہے۔"

مالدیو یہاں تک کہنے کے بعد رکا، مزید کہنا چاہتا تھا کہ فرید خان بیچ میں بولا پڑا۔

"مالدیو تم نے کہا تم ایک اور راز فاش کرنا چاہتے ہو، اس کے متعلق تو تم نے کچھ کہا ہی نہیں۔"

اس پر مالدیو کہنے لگا۔

"راز یہ ہے کہ جگن ناتھ کی بیٹی مالتی کو بھی انہی لوگوں نے قتل کیا ہے۔ ان لوگوں کا مرکز طاقت وقوت کا منبع بھاٹیہ شہر اور اس کا قلعہ ہے اور جس نے مالتی کو قتل کیا اس کا نام پریش چندر ہے۔" یہاں تک کہنے کے بعد مالدیو رکا، باری باری اس نے جگن ناتھ اور فرید خان کی طرف دیکھا، پھر منت کرنے کے انداز میں کہنے لگا۔

"میں اپنے اس کام سے تائب ہوتا ہوں۔ وہ زیادہ سے زیادہ یہی کریں گے کہ مجھے موت کے گھاٹ اتار دیں گے لیکن اب مجھے اس کی پروا نہیں ہے۔ میں یہ بھی چاہتا تھا کہ ان کے ہاتھوں مر جانے سے پہلے میں اپنی بیٹی کا ہاتھ کسی ایسے سورما کے ہاتھ دے جاؤں جو بہتر انداز میں ان سے نمٹ سکے اور میرے بعد میری پتنی اور میری بیٹی دونوں کی حفاظت کا سامان

کر سکے۔ اسی نظریہ کو سامنے رکھتے ہوئے میں نے تمہارے بیٹے کیلئے اپنی بیٹی رتن کماری کا رشتہ پیش کیا تھا۔''

اس موقع پر فرید خان نے باری باری ایک گہری نگاہ اپنے بیٹے رستم خاں جگن ناتھ' نظام الدین اور قاسم خان پر ڈالی۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں مخصوص اشارہ کیا اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا' کہنے لگا۔

''مالدیو تم ایک بیٹی کے باپ ہو' جو بات تم نے کہی ہے وہ میرے دل کو لگی ہے ساتھ ہی تم نے ایک راز بھی فاش کیا ہے۔ مالتی کو قتل کرنے والے بھی اس تحریک کے لوگ ہیں اور قتل کرنے والا پریش چندر ہے اور تم چونکہ اپنے اس کام سے ثابت بھی ہو چکے ہو لہٰذا اب تمہیں کچھ نہیں کہتا' ہاں اتنا ضرور کہوں گا کہ آئندہ ان کی مالی مدد کرنے کی کوشش نہ کرنا اگر کرو گے تو پھر تم ہمارے ہی ہاتھوں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔'' اس کے ساتھ ہی فرید خان دیوان خان سے نکلا' اس کے پیچھے پیچھے جگن ناتھ' رستم خاں' نظام الدین' قاسم خان بھی نکلے اور حویلی سے نکلنے کے بعد رستم خاں کے جن لشکریوں نے حویلی کا محاصرہ کر رکھا تھا ان کو مستقر کی طرف جانے کیلئے کہا' چنانچہ نظام الدین اور قاسم خان انہیں لے کر مستقر کی طرف چلے گئے تھے جب فرید خان جگن ناتھ اور رستم خاں واپس ہو لئے تھے۔

✧ ✧ ✧

راستے میں پہلے چونکہ جگن ناتھ کی حویلی پڑتی تھی لہٰذا سب اسی میں داخل ہوئے سمترا اور سروجنی اور شنکر ناتھ نے بھی ان تینوں کو حویلی میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیا تھا' جب وہ دیوان خانے میں داخل ہوئے تب سمترا' سروجنی اور شنکر ناتھ بھی ان کے پیچھے پیچھے دیوان خانے میں داخل ہوئے' ان کے سامنے بیٹھ گئے۔

اس موقع پر گفتگو کا آغاز راجہ جگن ناتھ کی پتنی سروجنی نے کیا اور کہنے لگی۔

''آپ لوگ جس کام کے سلسلے میں ساہوکار مالدیو کے پاس گئے تھے اس کا کیا نتیجہ نکلا؟''

جواب میں جگن ناتھ نے ساری گفتگو تفصیل کے ساتھ سب کہہ دی تھی۔

اس پر انتہائی غصے اور غضبناکی کا اظہار کرتے ہوئے سمترا کہنے لگی۔

''تو اس کا مطلب ہے میری بہن مالتی کے قاتل بھی یہی لوگ ہیں۔ پتا جی آپ نے یہ نہیں پوچھا کہ پریش چندر نام کا وہ قاتل جس نے میری بہن مالتی کا خاتمہ کیا ہے وہ کہاں ہے' کدھر کو بھاگا ہے؟''

سمترا کے ان الفاظ کا جواب جگن ناتھ دینا ہی چاہتا تھا کہ سمترا کی طرف دیکھتے ہوئے رستم خاں بول اٹھا۔

''مالتی کا قاتل پریش چندر کہیں بھی گیا ہو جہاں بھی چھپا ہو چھپ لے ہم نے اسے ڈھونڈ نکالنا ہے اور اس کی گردن تو ہر حالت میں ہم نے کاٹنی ہے۔ وہ کیا سمجھے گا کہ مالتی کو قتل کرنے کے بعد وہ بے نتھے بیل کی طرح جو چاہے کرتا پھرے گا۔ کوئی باز پرس کرنے والا نہیں ہوگا۔ میرے خداوند نے چاہا تو اب پریش چندر کی زندگی کے بھی دن گنے چنے رہ گئے ہیں' بہت جلد اس پر بھی ہم وارد ہوں گے اور پھر اس کا قصہ پاک کر کے رہیں گے۔''

رستم خان کے ان الفاظ پر سمترا ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں اور آنکھوں میں پیار بھرا پیغام لئے اس کی طرف دیکھے جا رہی تھی' اس موقع پر سروجنی بولی اور کہنے لگی۔

''رستم خاں میرے بیٹے صرف پریش چندر ہی قابل گرفت نہیں ہے انہوں نے بھاٹیہ میں جو اپنا مرکز بنا رکھا ہے اور وہاں جو طرح طرح کے قاتل ست نامی تحریک کا جامہ اوڑھے پڑے ہوئے ہیں ان کا کیا ہوگا۔''

جواب میں رستم خاں نے کچھ سوچا' پھر سروجنی کی طرف دیکھتے کہنے لگا۔

''ان کے متعلق بھی آپ لوگوں کو پریشان اور فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے' میں بہت جلد بھاٹیہ کا بھی رخ کروں گا' میں چاہتا ہوں میرے جو ساتھی میرے ساتھ ان مہموں میں رہے ہیں وہ چند روز یہاں قیام کر کے آرام کرلیں۔ سستالیں اس کے بعد میں نئی مہم کی طرف نکلوں گا۔ جانے سے چند روز پہلے میں شہنشاہ کی خدمت میں حاضر ہوں گا اور انہیں پورے حالات تفصیل کے ساتھ سناؤں گا' اس لئے کہ میرے بہار' بنارس اور بھٹنڈا کی طرف جانے کے حالات خرم نے شہنشاہ کو بتا دیئے ہوں گے' اب میں ان قاتلوں کا مرکز بھاٹیہ کا ذکر کروں گا۔ ان سے یہ التماس کروں گا کہ میری روانگی سے چند روز پہلے وہ بھاٹیہ کے عامل کی طرف یہ پیغام پہنچا دیں کہ جب میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہاں پہنچوں تو بھاٹیہ شہر کا عامل ست نامی تحریک کا لبادہ اوڑھ کر قتل و غارت گری کا بازار گرم کرنے والوں کے خلاف حرکت میں آنے کیلئے میری مدد کرے اور جب ایسا ہوگا تو میں ان لوگوں سے بڑی آسانی کے ساتھ نمٹنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔''

رستم خاں کے اس جواب پر سروجنی اور سمترا شنکر ناتھ جگن ناتھ اور فرید خان سارے ہی مطمئن ہو گئے تھے۔ اس کے ان الفاظ کے جواب میں اس موقع پر سمترا کچھ کہنا چاہتی تھی کہ عین اسی لمحہ حویلی میں ساہوکار مالدیو اس کی حسین خوبصورت بیٹی رتن کماری اور پتنی درگا دیوی تینوں داخل ہوئے تھے۔

انہیں دیوان خانے کی طرف آتے دیکھ کر سمترا خاموش ہو گئی تھی۔ تینوں دیوان خانے میں داخل ہوئے' ہاتھ کے اشارہ سے جگن ناتھ نے انہیں بیٹھنے کیلئے کہا۔ تب مالدیو فرید خان اور جگن ناتھ کے قریب ہو بیٹھا' سمترا کے قریب رتن کماری بیٹھ گئی اور سروجنی کے پاس درگا دیوی ہو بیٹھی تھی۔ اس موقع پر بڑی عاجزی و انکساری میں رتن کماری فرید خان کی طرف

دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''محترم فرید خان آپ کی حیثیت میرے باپ اور میری ماں درگا دیوی سے بھائی کی سی ہے' آپ مجھ سے اور میری ماں دونوں جب اور جس وقت چاہیں سوگند لے لیں ہم دونوں ماں بیٹی سے حلف لے لیں ہمارا باپ اب تک جو کرتا رہا ہے قسم ایشور کی' ہم دونوں ماں بیٹی ان سارے حالات سے باخبر اور واقف نہ تھیں' جس وقت آپ میرے باپ کے ساتھ دیوان خانے میں گفتگو کر رہے تھے اس وقت میں اور میری ماں دیوان خانے کے الٹی طرف جو دروازہ ہے اس کے پردے کے پیچھے کھڑے ہو کر ساری گفتگو سن چکی تھیں۔ یہ گفتگو سن کر ہمارے تعجب' ہماری حیرت کی کوئی انتہا نہیں تھی کہ ہمارا باپ ایسے کاموں میں بھی ملوث رہا ہے۔ سب سے پہلے تو میں آپ اور راجہ جگن ناتھ کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ آپ دونوں نے میرے باپ کی اتنی بڑی غلطیوں اور کوتاہیوں کو نظرانداز کرتے ہوئے اسے معاف کر دیا ہے۔ لیکن اصل خطرات اور اندیشے اب ہمارے لئے اٹھیں گے۔ میرے باپ نے آپ لوگوں پر جو انکشاف کر دیا ہے کہ مالتی کو پریش چندر نام کے شخص نے قتل کیا تھا۔ مالتی کا قتل ایک بہت بڑا المیہ اور حادثہ ہے۔ چونکہ میرے باپ نے آپ لوگوں پر یہ بھی انکشاف کر دیا ہے کہ قاتلوں کے ڈر اور دھمکیوں کی بنا پر ان کی مالی مدد کرتا رہا ہے۔ لہٰذا اس گروہ کے لوگ آج نہیں تو کل جان جائیں گے کہ میرے باپ نے سارے راز سب کے سامنے اگل دیئے ہیں اور پریش چندر کے متعلق بھی بتا دیا ہے کہ اس نے مالتی کو قتل کیا تھا۔ لہٰذا یہ سب کچھ جاننے کے بعد وہ گروہ اور اس تحریک کے قاتل کارکن حرکت میں آئیں گے اور مجھے میری ماں اور میرے باپ کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔'' اس موقع پر رستم خاں نے پہلی بار رتن کماری کی طرف دیکھا اور اسے براہ راست مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''رتن کماری یہ تمہارے خدشات ہیں' کچھ بھی نہیں ہوگا وہ تم لوگوں کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔''

اس پر رتن کماری رو دینے والی آواز میں کہنے لگی۔

''یہ سب کہنے کی باتیں ہیں لیکن عملی طور پر ایسا نہیں ہوگا۔ یاد رکھئے گا جوں ہی انہیں خبر ہوگی کہ میرے باپ نے آپ کو بھاٹیہ میں ان کے مرکز کے متعلق بتا دیا ہے اور مالتی کے قاتل کی حیثیت سے پریش چندر کا نام بھی بتا دیا ہے تو پھر اس کے بعد میری ماں اور میرے پتا کی

زندگی کے چند دن ہی باقی رہ جائیں گے۔''

اس موقع پر تھوڑی دیر تک رستم خاں نے اپنے باپ فرید خان اور جگن ناتھ دونوں سے کھسر پھسر اور رازدارانہ گفتگو کی۔ اس موقع پر جگن ناتھ کے چہرے پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا' پھر وہ مالدیو کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''مالدیو تم نے جو غلطیاں' کوتاہیاں کیں وہ تو ہم معاف کر چکے ہیں اور تم ثابت بھی ہو چکے ہو یہ بھی وعدہ کر چکے ہو کہ آئندہ ان کاموں میں ملوث نہیں ہو گے' تمہاری یہ بھی بڑی مہربانی کہ تم نے میری بیٹی کے قاتلوں کا پتہ بھی بتا دیا ہے۔ دیکھو بیٹیاں مائیں سانجھی ہوتی ہیں۔ یہ رشتے بڑے عظیم ہیں اور ان کی عزت ان کی قدر جو نہیں کرتا وہ بدقسمت ہے' جس طرح میری بیٹی سمترا ہے' ایسے میرے لئے رتن کماری بھی ہے۔ تم تینوں کی حفاظت کیلئے میں یہ کر سکتا ہوں کہ تم تینوں آج کی رات میری حویلی میں بسر کرو' رستم خاں نے میرے ساتھ گفتگو کی ہے کل دن کے وقت رستم خاں مستقر سے چند مخصوص جنگجوؤں کو تمہاری حویلی کی حفاظت پر مقرر کر دے گا۔ ست نامی تحریک کی طرف سے اگر کوئی اوباش بھاٹیہ سے آیا یا پرلیش چندر یا اس کے کسی ساتھی نے اب تک اگر آگرہ میں قیام کیا ہو اور اس نے تمہاری حویلی کا رخ کر کے تم تینوں میں سے کسی کو نقصان پہنچانا چاہا تو وہ زندہ بچے گا نہ تمہیں نقصان پہنچا سکے گا' نہ بھاگ سکے گا' اب بولو تم کیا کہتے ہو۔''

اس موقع پر مالدیو نے بڑی ممنونیت اور شکرگزاری سے رستم خاں کی طرف دیکھا' پھر کہنے لگا۔

''رستم خاں جو اہتمام کر رہے ہو اس کی میں امید اور توقع نہیں رکھ سکتا تھا۔ میں نے تم لوگوں پر کوئی احسان نہیں کیا بلکہ تم لوگوں کیلئے نقصان کا باعث ہی بنا ہوں' لیکن یہ تم لوگوں کا اتنا بڑا احسان ہے کہ زندگی بھر اسے یاد رکھوں گا۔'' مالدیو جب خاموش ہوا تب جگن ناتھ رتن کماری کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''رتن کماری میری بیٹی تم اگر یہیں قیام کرنا چاہو تو اس میں میری بیوی' میری بیٹی کی بھی خوشی شامل ہو گی۔ میری دو بیٹیاں تھیں سمترا اور مالتی' مالتی کو ان ظالموں نے قتل کر کے ہم سے جدا کر دیا اگر تم ہمارے ہاں رہو گی تو میں جانوں گا کہ میری پھر دو بیٹیاں ہیں' جو مجھے جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔ یہاں میری حویلی میں ایسا کوئی خطرہ نہیں ہے کہ دن اور رات کے وقت

بھی اس حویلی کے چوکیدار بالکل چوکس اور مستعد رہتے ہیں اور کوئی بھی دشمن یا قاتل قسم کا آدمی حویلی کا رخ نہیں کر سکتا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد جگن ناتھ جب خاموش ہوا تب سمترا پیار بھرے انداز میں رستم خاں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''آج آپ نے آگرہ سے کہیں باہر تو نہیں جانا۔'' اس پر رستم خاں نے نفی میں گردن ہلائی اور کہنے لگا۔

''چند روز تک میں کہیں نہیں جاؤں گا۔ اپنے ساتھیوں کے علاوہ خود بھی آرام کروں گا۔ اس کے بعد نئی مہم کی طرف نکلوں گا۔''

رستم خاں کے ان الفاظ پر سمترا خوش ہو گئی تھی' کہنے لگی۔

''اگر یہ بات ہے تو پھر آج آپ اور بابا دونوں واپس اپنی حویلی میں نہیں جائیں گے یہیں ہمارے پاس رہیں گے۔ شب بسری بھی یہیں ہو گی بلکہ میں تو آپ دونوں باپ بیٹے سے یہ التماس کروں گی کہ جتنے دن آپ نے آگرہ میں آرام کرنا ہے ہماری حویلی میں ہی قیام کریں اور پھر رتن کماری کی صورت میں میری ایک اور بہن آ گئی ہے اسے بھی میں یہی رکھوں گی جانے نہیں دوں گی' میں ابھی شنکر کو بھیجتی ہوں اماں جہاں آراء تسیمہ خاتون کو پیغام دے آئے گا کہ آپ رات کے وقت حویلی میں نہیں آئیں گے۔''

سمترا کے ان الفاظ کا جواب دینے سے پہلے جواب طلب سے انداز میں رستم خاں نے اپنے باپ فرید ان کی طرف دیکھا' فرید خان مسکرایا اور رستم خاں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''رستم خاں میرے بیٹے سمترا کی بات کم از کم میں تو نہیں ٹال سکتا' یہ ایک ایسی بیٹی ہے جس کا ہر کہا ماننے کا کم از کم میں تو پابند ہوں بیٹے۔''

یہاں تک کہتے کہتے فرید خان کو رک جانا پڑا' اس لئے رستم خان سمترا کو دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''میرے باپ نے اپنا فیصلہ دے دیا ہے' اب میرے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

رستم خاں کے ان الفاظ پر سمترا کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی' پھر سمترا اٹھ کھڑی ہوئی اور کہنے لگی۔

''اب آپ سب لوگ بیٹھ کر باتیں کریں ہم کھانا تیار کرتے ہیں۔ سب مل کر کھانا

کھائیں گے، رات کو کافی دیر تک جاگتے ہوئے خوب باتیں ہوں گی اور اس کے بعد شب بسری کریں گے۔''

اس کے ساتھ ہی جب سمترا اٹھی تو اٹھتے ہوئے اس نے رتن کماری کا ہاتھ پکڑا' اسے بھی اپنے ساتھ اٹھا لیا اور پھر درگا دیوی سروجنی بھی دونوں اٹھ کر ان کے ساتھ دیوان خانے سے نکل گئی تھیں جبکہ فرید خان' رستم خاں' جگن ناتھ اور مالدیو وہیں بیٹھ کر مختلف موضوعات پر گفتگو کرنے لگے تھے' شنکر ناتھ جہاں آرام کو پیغام پہنچانے کیلئے حویلی سے نکل گیا تھا۔

✧ ✧ ✧

شہنشاہ جہانگیر گرمی کی وجہ سے مانڈو سے کشمیر ضرور چلا گیا تھا' لیکن مؤرخین لکھتے ہیں کہ جہانگیر کے کشمیر کے قیام کے دوران مملکت کے جنوبی علاقوں میں حالات دوبارہ مخدوش ہوگئے' اس لئے کہ کشمیر پہنچنے کے بعد جہانگیر نے تیز رفتار قاصد دکن کی طرف روانہ کئے تھے اور اپنے بیٹے خرم یعنی شاہ جہان کو یہ پیغام دیا تھا کہ وہ اس کی غیر موجودگی میں آگرہ میں آ کے قیام کرے۔ چنانچہ شہنشاہ کا یہ حکم پا کر شاہ جہان دکن سے آگرہ کی طرف روانہ ہوگیا تھا۔ شاہ جہان کے آگرہ سے نکلنے کے باعث دکن کے حالات بری طرح سے خراب ہونا شروع ہوگئے۔ ملک عنبر جو بڑا تیز وطرار اور جنگ کا وسیع تجربہ رکھتا تھا اس نے ایک بار پھر بیجاپور اور گولکنڈہ کے حکمرانوں سے گٹھ جوڑ کرلیا۔ احمد نگر میں مغلوں کا جو عامل تھا اس کا محاصرہ کرلیا' جب اس محاصرے نے تیزی اور شدت اختیار کی تب مغل سالار ایک دوسرے سے لڑنے جھگڑنے میں مصروف ہوگئے۔

اس طرح دکن کا وسیع علاقہ مغلوں کے ہاتھ سے نکلتا دکھائی دے رہا تھا۔

دوسرا نقصان کانگڑہ کو مغل سلطنت میں شامل کرلیا گیا تھا لیکن وہاں بھی بغاوت اٹھ کھڑی ہوئی اور اس طرح کانگڑہ بھی ہاتھ سے نکل گیا۔ یہ صورتحال بھی یقیناً مغل سلطنت کیلئے تشویشناک تھی۔ ان حالات میں جہانگیر اور نور جہاں نے کشمیر سے آگرہ کا رخ کیا تھا۔

شاہ جہان کیونکہ دکن سے آگرہ جہانگیر اور نور جہاں سے پہلے پہنچ گیا تھا لہٰذا آگرہ پہنچتے ہی شاہ جہاں نے رستم خاں کو طلب کرلیا۔ چنانچہ رستم خاں شاہ جہاں کے بلانے پر پہنچا۔ شاہ جہاں بڑی گرم جوشی کے ساتھ اس سے ملا' اپنے سامنے بٹھایا' پھر بڑی شفقت اور بڑی محبت سے مخاطب کر کے پوچھا۔

''پہلے مجھے اپنی مہم سے متعلق بتاؤ' اس کے بعد مزید گفتگو ہوگی۔''

جواب میں رستم خاں نے سارے حالات تفصیل کے ساتھ کہہ دیئے تھے۔ سب کچھ جاننے کے بعد رستم خاں' شاہ جہاں کی طرف دیکھنے لگا تھا' کچھ دیر تک شاہ جہاں گہری سوچوں میں ڈوبا رہا' پھر کہنے لگا۔

''رستم خاں تم ایسا کرو اب مزید وقت ضائع نہ کرو میں آج ہی بھاٹیہ کے عامل کی طرف قاصد بھجوا دیتا ہوں وہ اس سلسلہ میں وہ تمہارے ساتھ تعاون کرے گا' جہاں تک ساہوکار مالدیو تم نے اور تمہارے باپ نے اسے معاف کردیا کہ تم دونوں باپ بیٹے کی فراخ دلی ہے اور میں اس پر بھی خوش ہوں کہ تم نے چھ قاتلوں کا قصہ تمام کردیا ہے۔ مجھے اس بات کا بھی افسوس ہے کہ ان لوگوں کے ایک فرد نے جگن ناتھ کی بیٹی مالتی کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ یہ بھی بہت بڑا حادثہ و المیہ ہے۔ رستم خاں میرے بھائی میں نے سنا ہے کانگڑہ کے حالات خراب ہوگئے ہیں اور وہاں ایک طرح کی سرکشی اور بغاوت اٹھ کھڑی ہوئی ہے۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے شہنشاہ کشمیر سے واپس آگرہ کی طرف روانہ ہو چکے ہیں۔ میں چاہتا ہوں تم جس قدر جلد ممکن ہو بھاٹیہ کی اپنی مہم سے فارغ ہو جاؤ' اس کے بعد اگر شہنشاہ مجھے کسی مہم پر روانہ کریں تو اس مہم پر تم میرے ساتھ کوچ کرو گے۔''

شاہ جہاں کی اس گفتگو سے رستم نے اتفاق کیا گیا اور اس روز شاہ جہاں نے تیز رفتار قاصد بھاٹیہ کی طرف روانہ کردیئے تھے جبکہ اس کے پاس سے اٹھ کر رستم خاں پہلے جگن ناتھ کی حویلی میں داخل ہوا' اس لئے کہ اس کا باپ فرید خان جگن ناتھ کے ہاں ہی گیا ہوا تھا۔ رستم خاں جب وہاں داخل ہوا جگن ناتھ اور فرید خان دونوں ساہوکار مالدیو کے ساتھ کسی موضوع پر دیوان خانہ میں بیٹھے ہوئے گفتگو کر رہے تھے۔ سمترا اور رتن کماری نے بھی رستم خاں کو حویلی میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ رستم خاں سیدھا دیوان خانے میں داخل ہوا' جب وہ آگے بڑھ کر اپنے باپ کے پاس بیٹھ گیا تب اس وقت سمترا' رتن کماری' درگا دیوی اور سروجنی بھی دیوان خانہ میں آ کر بیٹھ گئی تھیں' پھر گفتگو کا آغاز فرید خان نے کیا۔ رستم خاں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''بیٹے تمہیں شاہ جہاں نے طلب کیا تھا' کیا کوئی خاص بات ہے؟''

اس پر اپنے باپ کی طرف دیکھتے ہوئے رستم خاں کہنے لگا۔

"بابا میں نے آپ کے ساتھ یہ فیصلہ کر رکھا تھا کہ شہنشاہ جب آگرہ آئیں گے میں ان سے اپنی اگلی مہم بھاٹیہ کے متعلق گفتگو کروں گا' میری خوش قسمتی شہنشاہ سے پہلے شاہ جہاں پہلے یہاں پہنچ گئے ہیں۔ انہوں نے خود مجھ سے سارے حالات پوچھے' جب میں نے تفصیل سنائی تو آج ہی وہ قاصد بھاٹیہ کے عامل کی طرف روانہ کر دیں گے۔ اس کو یہ حکم جاری ہو جائے گا کہ وہ ست نامی تحریک سے نمٹنے کیلئے میری اور میرے ساتھیوں کے ساتھ پورا تعاون کرے۔" اتنا کہنے کے بعد رستم خاں جب دم لینے کیلئے رکا تب مالدیو بولا اور رستم خاں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"رستم خاں کیا شاہ جہاں کے سامنے میرا بھی ذکر آیا۔"

اس پر رستم خاں مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

"یقیناً آپ کا ذکر آیا اور شاہ جہاں نے اس بات کی تعریف کی کہ ہم نے فراخ دلی سے کام لیتے ہوئے آپ کی کوتاہیوں اور غلطیوں کو معاف کر دیا ہے۔"

رستم خاں کے ان الفاظ پر جہاں مالدیو خوش دکھائی دے رہا تھا وہ اس کی بیٹی رتن کماری اور بیوی درگا دیوی ہی خوشی محسوس کر رہی تھیں' جہاں تک کہ فرید خان کی طرف دیکھتے ہوئے رستم خاں کہنے لگا۔

"بابا آج شاہ جہاں کے قاصد بھاٹیہ کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔ کل کا وقفہ ڈال کر میں بھی نظام الدین اور قاسم خان اپنے دیگر ساتھیوں کے ساتھ بھاٹیہ کا رخ کروں گا اور مجھے امید ہے کہ ست نامیوں کا بھیس اوڑھ کر بھیڑیئے غارت گری کا بازار گرم کرتے ہیں اور بھاٹیہ میں انہوں نے قیام کر رکھا ہے۔ ان کا خاتمہ کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ اگر وہاں مجھے پریش چندر بھی مل گیا تو اسے قتل نہیں کروں گا' زندہ پکڑ کر یہاں لے کر آؤں گا تاکہ محترم جگن ناتھ خود اپنے ہاتھوں سے اسے سزا دیں اور اگر مجھے وہ وہاں نہ ملا تب بھی ان لوگوں سے میں اس کا پتہ بھی جان کر آؤں گا اور اس کا پیچھا ضرور کروں گا۔ اسے زیادہ دن ایک گھناؤنے مجرم کی حیثیت سے کھلا نہیں گھومنے دوں گا۔"

اس کے ساتھ ہی رستم خاں رکا اور دم لیا' دوبارہ اپنے باپ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"بابا اب اٹھیں اور گھر چلیں۔" اس موقع پر جگن ناتھ بول اٹھا اور فرید خان کی طرف

دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"فرید خان کھانے کا وقت ہو رہا ہے دونوں باپ بیٹا ہی رکو' کھانا کھا کر چلے جانا۔"

فرید خان اور رستم خاں میں سے کوئی کچھ کہنا ہی چاہتا تھا سروجنی رستم خاں کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

"رستم خاں میرے بیٹے تھوڑی دیر رکو کھانا تیار ہو رہا ہے' کھانا کھاؤ' پھر حویلی چلے جانا۔"

رستم خاں اور فرید خان مان گئے۔ دونوں نے کھانا وہی کھایا' پھر وہ اپنی حویلی کی طرف چلے گئے تھے۔ دو دن بعد نظام الدین' قاسم خان کے علاوہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ رستم خاں نے بھاٹیہ کا رخ کیا گیا۔

✧ ✧ ✧

بھاٹیہ کبھی ایک بڑا شہر اور بڑا مضبوط اور مستحکم قلعہ تھا۔ اب بھی یہ موجود ہے لیکن اس کی پہلی جیسی اہمیت نہیں رہی۔ یہ قلعہ اور شہر پاکستان کے موجودہ شہر صادق آباد سے نو میل شمال کی جانب ہے۔ اس کا ذکر پہلی مرتبہ چچ نامہ میں چچ کے برہمن راجہ کی معرکہ آرائیوں کے سلسلے میں آتا ہے۔

اس کا محل وقوع عام طور پر الور اور ملتان کے درمیان بتایا گیا ہے۔ بھٹیوں کی قبائلی تاریخ میں اس شہر کی بنیاد راجہ بھٹی کی طرف منسوب کی گئی ہے۔ اس شہر کی تاریخ بنیاد تقریباً دوسری صدی بتائی گئی ہے۔

ہجری 95ء اور 713ء میں جب محمد بن قاسم سندھ سے فتح کے قدم بڑھایا ہوا ملتان کی طرف جا رہا تھا تو اس نے الور کو چھوڑ دیا۔ بھاٹیہ پر حملہ کیا۔ اس قلعے کے محافظ لشکر نے معاہدہ اطاعت اور کچھ شرائط پر ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ مسلمانوں کی اس شاندار فتح کے بعد بھاٹیہ میں امن اور سلامتی اور خوشحالی کا دور آیا۔ بھاٹیہ کا شہر اور قلعہ دونوں ابرونی کے عہد تک پر رونق تھے۔ اس کا ذکر ملتان الور اور اس وقت کے دریائے سندھ کی دو شاخوں کے وسط میں ایک اہم منظر کے طور پر آتا تھا۔

کچھ مؤرخ بھاٹیہ کا مقام دریائے سندھ کے مشرق میں ملتان کے نزدیک بتاتے ہیں اور سلطان محمود غزنوی کی مہم کا ذکر ہجری 395ء میں 1015ء کے سلسلے میں کرتے ہیں کہ

سلطان نے اس قلعہ پر حملہ کر کے قبضہ کر لیا۔ راجہ چپکے سے بھاگ نکلا اور جب اسے گرفتار کیا جانے لگا تو اس نے خودکشی کر لی۔

یہی مؤرخ مزید لکھتے ہیں کہ سلطان محمود غزنوی جب سیستان کے معاملات کا تصفیہ کر چکا تو اس نے بھاٹیہ فتح کرنے کے منصوبے کی تکمیل کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ وہ دریائے سندھ اور صوبہ ملتان کو وہ عبور کر کے بھاٹیہ کے سامنے لشکر لے آیا۔ شہر کی فصیل بہت اونچی تھی' اس کے گرد خندق تھی اور گہری اور چوڑی تھی اور اس کے چاروں طرف ایک وسیع حصار بنا ہوا تھا' جس میں علاقے کے دفاع کیلئے بڑے طاقتور لشکری اور جنگجو اور ہاتھی متعین تھے۔

اس کا راجہ جیسے اپنے لشکر کی بہادری پر بڑا اعتماد تھا اور مقابلے کیلئے قلعے سے باہر نکل آیا۔ تین روز کی جنگ کے بعد مسلمانوں کو فتح ہوئی۔

محمود غزنوی کے بعد ہجری 571 اور 1175ء میں سلطان شہاب الدین غوری نے اچ اور بھاٹیہ پر حملہ کیا تا کہ شورش پسند بھاٹیہ قبیلے کو سزا دے۔ اس مہم میں وہ کامیاب رہا اور اپنے سپہ سالار علی کرماؤ کو اچ اور ملتان کا حکم مقرر کیا۔

1490ء میں تیمور لنگ کے پوتے مرزا پیر محمد نے بھی بھاٹیہ پر' جو اس زمانے میں بھائی دہن کے نام سے مشہور تھا حملہ کیا اور پورے شہر کو تباہ اور برباد کر دیا۔ اس کے بعد بھاٹیہ شہر بھٹہ قبیلے کے عروج سے ترقی کر گیا اور اس کا نام بھٹہ دہن پڑھ گیا اور اس زمانے سے آج تک اس کا یہی نام ہے۔ 1700ء میں جب دریائے سندھ نے اپنا راستہ تبدیل کر لیا تو یہ شہر اپنی مرکزی اور عسکری نوعیت کھو بیٹھا۔ یاد رہے کہ اکبر کے دین الٰہی کی ابتداء کرنے والے دونوں بھائی ابوالفیض اور فیضی کی جائے پیدائش بھی یہی شہر تھا۔

رستم خاں' نظام الدین اور قاسم خان اپنے ساتھیوں کے ساتھ جب بھاٹیہ میں داخل ہوئے تو بھاٹیہ شہر کے نواح میں ہی سامنے کی طرف سے دو گھڑ سوار آتے ہوئے دکھائی دیئے' قریب آ کر انہوں نے جب تعارف کرایا تو پتہ چلا وہ دونوں شاہ جہاں کے بھیجے ہوئے قاصد تھے۔ چنانچہ ان میں سے ایک رستم خاں کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔

''رستم خاں ہمارے عزیز! ہم سمجھتے ہیں کہ آپ کا کام بالکل آسان ہو چکا ہے۔ ہم نے کل بھاٹیہ کے حاکم سے ملاقات کی تھی اور ساری صورتحال سے اسے آگاہ کیا تھا۔ آپ نے یہ عمدہ کام کیا کہ پہلے اس عمارت کا اس نے گھیراؤ کر دیا' جس کے اندر یہ سارے بدمعاش رہتے

تھے' اس کے بعد انہیں کچھ نہیں بتایا گیا کہ ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے اور انہیں ان کی رہائش گاہوں سے نکال کر ایک دوسری عمارت میں نظر بند کر دیا گیا ہے اور اس عمارت پر بھی پہرہ لگا دیا گیا ہے۔ ہم دونوں اس عمارت ہی کی طرف سے آئے ہیں اور آخر میں دوسری خوشخبری یہ ہے پریش چندر جس نے راجہ جگن ناتھ کی بڑی بیٹی مالتی کو موت کے گھاٹ اتارا تھا اس نے بھی یہی قیام کیا ہوا تھا اور جن آدمیوں کو نظر بند کیا گیا ہے ان میں پریش چندر بھی ہے۔ میرے خیال میں آپ ہمارے ساتھ چلیں بھاٹیہ کے حاکم کی طرف سے جو لوگ ان کی نگرانی پر مقرر ہیں وہ بھی بے چینی سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔''

یہ خبر سن کر رستم خاں اور نظام الدین کے علاوہ قاسم خان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ چنانچہ وہ ان دونوں قاصدوں کے ساتھ ہو لئے تھے۔

دونوں قاصد شہر کے حویلی میں ایک عمارت کے سامنے رک گئے' پھر ایک رستم خاں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''یہی وہ عمارت ہے جس کے اندر انہیں نظر بند رکھا گیا ہے۔'' چنانچہ ایک قاصد نے آگے بڑھ کر دروازے پر دستک کی' دروازہ کھل گیا' دروازہ کھولنے والا پیچھے ہٹ گیا۔ دونوں قاصدوں کے ساتھ رستم خاں اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس عمارت میں داخل ہوا۔ عمارت کیا تھی ایک چھوٹا سا زندان تھا' سامنے بڑے بڑے کمرے بنے ہوئے تھے' جن پر لوہے کے موٹے سریوں کے دروازے لگے ہوئے تھے اور ان سریوں کے پیچھے بند کچھ لوگ دکھائی بھی دے رہے تھے۔

بھاٹیہ کے حاکم کی طرف سے جو مسلح جوان وہاں مقرر تھے ان کا سربراہ رستم سے بڑے پرجوش انداز میں ملا' سارے گھوڑوں کو ایک طرف کھڑا کر دیا گیا۔ رستم خاں نے نظر بند کئے جانے والے سب کو باہر نکالنے کیلئے کہا۔

جب رستم خاں کے کہنے پر انہیں باہر نکالا گیا تو جو مسلح جوان پہلے سے وہاں موجود تھے ان کے علاوہ رستم خاں کے ساتھیوں نے ان کا گھیراؤ کر لیا' پھر رستم خاں آگے بڑھا اور انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''تم لوگوں میں سے جو پریش چندر ہے وہ ایک قدم آگے بڑھے۔'' کچھ دیر تک کوئی آگے نہ بڑھا۔ جب نظر بند کئے جانے والے سارے ایک نوجوان کی طرف دیکھنے لگے' تب

وہ شرم سار ہوکر آگے بڑھ گیا' وہی پریش چندر تھا۔

رستم خاں اس کے قریب گیا' کچھ دیر تک بغور اس کا جائزہ لیا' پھر کہنے لگا۔

''تم اس قدر سوچ بچار کے بعد کیوں آگے بڑھے ہو' کیا تم کو شک ہوگیا تھا کہ تمہارا نام پریش چندر ہے۔ شاید کیا بتا سکتے ہو کہ کس بنا پر کس وجہ سے تو نے راجہ جگن ناتھ کی بیٹی مالتی کو موت کے گھاٹ اتارا۔''

رستم خاں کے ان الفاظ پر پریش چندر کا رنگ پیلا ہوگیا تھا' ٹانگیں کانپنے لگی تھیں' آنکھیں پتھرانا شروع ہوگئی تھیں' منہ سے کچھ نہ بولا۔ اس موقع پر رستم خاں کا بھاری بھرکم ہاتھ اٹھا اور زوردار اس نے ایک طمانچہ جب اس کے منہ پر مارا تب پریش چندر اکھڑ کر زمین پر گر گیا۔ اس کے بعد رستم خاں نے اس پر پاؤں کی ٹھوکروں کی بارش کر دی تھی۔ یہاں تک پریش چندر بلبلا اٹھا' پھر گردن سے پکڑ کر رستم خاں نے پریش چندر کو اٹھایا اور انتہائی غضبناک آواز میں اسے مخاطب کر کے اس سے پوچھا۔

''میں نے تم سے ایک سوال کیا تھا اور تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا' تیرے جیسے بدترین دشمن کے جسم سے تو میں ایک ایک بال کھینچ لیا کرتا ہوں' بول نہیں بولے گا تو پھر چیخے چلائے گا اور ایسا واویلا کرے گا کہ بار بار میرے سوال کا جواب دے گا' پھر میں تیرا جواب سنوگا نہیں۔''

پریش چندر کی بری حالت ہو رہی تھی' رستم کا پھر بولا۔ ''بولو مالتی کو تم نے قتل کیا تھا؟''

پریش چندر منہ سے کچھ نہ بولا' اثبات میں گردن ہلا دی تھی۔

اس موقع پر رستم خاں نے کچھ سوچا' پھر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''پریش چندر اور اس کے جس قدر ساتھی ہیں سب کے ہاتھ پشت پر باندھ دو اور انہیں اپنے گھوڑوں پر آگے سوار کر کے شہر سے باہر لے چلو۔''

اس پر رستم کے ساتھی حرکت میں آئے' ان کے ہاتھ کس کر پشت پر باندھنے لگے تھے۔

اس موقع پر رستم خاں نے بھاٹیہ کے حاکم کی طرف سے مقرر کئے جانے والے مسلح جوانوں اور اس کے سالار کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا اور اسے یہ بھی پیغام دیا کہ چونکہ اسے پھر فی الفور واپس جانا ہے۔ لہٰذا وہ بھاٹیہ کے حاکم کا شکریہ ادا کر دے' پھر اپنے ساتھیوں کے ساتھ ان سب کو لے کر رستم خاں' نظام الدین اور قاسم خان باہر نکلے۔ بھاٹیہ شہر سے دو میل باہر جا کر

جبکہ سورج غروب ہونے کیلئے جھکا رہا تھا۔ قاسم خان نے اپنے ساتھیوں کو روک دیا۔ پریش چندر اور اس کے سارے ساتھیوں کو گھوڑوں سے نیچے گرا دیا گیا' پھر رستم خاں کا اشارہ پا کر اس کے ساتھیوں نے ان سب کا خاتمہ کر دیا۔ اس کے بعد رستم خاں کے ساتھی اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے وہ آگرہ کا رخ کر رہے تھے۔ رستم خاں شاید کسی مصلحت کے تحت پریش چندر کو زندہ اپنے ساتھ نہ لے جانا چاہتا تھا۔

سمترا اور سروجنی دونوں ماں بیٹی ایک روز گھر کے کام کاج میں مصروف تھیں کہ مالدیو کی بیوی درگا دیوی اور رتن کماری بھی ان کے ہاں ہی تھیں کہ حویلی میں راجہ جگن ناتھ اداس اداس اور افسردہ سا داخل ہوا' اس کے پیچھے پیچھے رتن کماری کا باپ اور درگا دیوی کا شوہر مالدیو تھا۔ وہ بھی کسی قدر پریشان تھا۔ سمترا اور سروجنی کی طرف جانے کے بجائے جگن ناتھ اور مالدیو دونوں دیوان خانہ میں داخل ہوئے۔ یہ صورتحال سمترا کیلئے زیادہ اور سروجنی کیلئے کسی قدر کم پریشانی کا باعث تھی۔ تاہم دونوں ماں بیٹی تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی دیوان خانے میں گئیں اور ان کے پیچھے پیچھے رتن کماری اور درگا دیوی بھی دیوان خانے کی طرف ہولی تھیں۔ چنانچہ چاروں آگے پیچھے دیوان خانے میں داخل ہوئیں اور جن نشستوں پر جگن ناتھ اور مالدیو بیٹھ چکے تھے ان کے سامنے جو نشستیں خالی تھیں وہاں پر بیٹھ گئی تھیں' کچھ دیر کاٹ کھانے والی خاموشی دیوان خانے میں طاری رہی۔ یہاں تک سمترا نے اپنے باپ راجہ جگن ناتھ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھ لیا۔

'' پتا جی میں دیکھتی ہوں آپ آج کچھ زیادہ پریشان اور فکرمند ہیں' کیا کوئی بری خبر آئی ہے؟''

اس پر جگن ناتھ کچھ دیر الجھا الجھا سا بیٹھا رہا' پھر اپنی بیٹی سمترا کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

'' بیٹی پہلے تو ایک اچھی خبر ہی آئی تھی لیکن اس کے بعد حالات کچھ ایسے ہوئے کہ میں پریشان اور فکرمند ہو گیا ہوں۔''

'' کیسے حالات......؟''

اس موقع پر راجہ جگن ناتھ نے ایک لمبا سانس لیا' پھر کہنے لگا۔

'' بیٹے میں اپنی حویلی سے نکل کر مالدیو کی طرف جا رہا تھا کہ راستے میں مجھے لاہور کے سعادت خاں کے عزیز و اقارب' جو یہاں آگرہ میں رہتے ہیں مل گئے' وہی سعادت خاں جن کے ہاں میری بیٹی مالتی کا رشتہ طے ہوا تھا۔ سعادت خان کے اس آدمی نے خبر سنائی کہ اس نے اپنے بیٹے کیلئے رتن کماری کا رشتہ مانگا ہے' اس لئے میں سیدھا مالدیو کی طرف گیا۔ اس سلسلے میں بات کی اور مالدیو تو اس رشتے کی حامی بھر چکا ہے باقی درگا دیوی رتن کماری کی رضامندی رہ گئی ہے۔ اگر یہ دونوں ماں بیٹی رضامند ہو گئیں تو کام سیدھا ہو جائے گا۔ سعادت خان جیسا گھرانہ ملے گا نہیں' لڑکا بھی بڑا کاروبار والا سمجھدار ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد جگن ناتھ رکا' پھر براہ راست درگا دیوی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

'' درگا دیوی میری بہن اب بول تیرا کیا ارادہ ہے۔''

اس موقع پر درگا دیوی کے چہرے پر ہلکا سا تبسم تھا' کچھ دیر وہ اپنے پہلو میں بیٹھی رتن کماری سے راز دارانہ گفتگو کرتی رہی' پھر جگن ناتھ کی طرف دیکھ کر کہنے لگی۔

'' میں اور رتن کماری دونوں اس رشتے کیلئے تیار ہیں۔'' یہ سن کر جگن ناتھ از حد مطمئن اور خوش ہو گیا تھا۔ اس کے بعد سمترا ایک بار پھر بولی پھر جگن ناتھ کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

'' پتا جی رتن کماری کا معاملہ تو حل ہوا لیکن یہ معاملہ فکرمند اور پریشان کرنے والا تو نہیں تھا' پھر آپ کی پریشانی کی وجہ کیا ہے۔''

جگن ناتھ نے پھر ایک لمبا سانس لیا' دوبارہ وہ کہہ رہا تھا۔

'' بیٹی اس موضوع پر مالدیو سے بات کرنے کے بعد میں مالدیو کے ساتھ فرید خان کی طرف گیا' فرید خان گھر پر نہ تھا میں نے جب جہاں آراء تسیمہ خاتون سے اس کے بارے میں پوچھا تب جہاں آراء نے مجھ پر انکشاف کیا کہ تھوڑی دیر پہلے شاہ جہاں کا ایک ہرکارہ آیا تھا اور وہ فرید خان کو بلا کر لے گیا ہے۔ بیٹی اب اس بات نے مجھے پریشان اور فکرمند کر دیا ہے اس لئے کہ رستم خاں بھاٹیہ کی طرف گیا ہوا ہے۔ وہاں سے شاہ جہاں کے پاس کوئی بری خبر نہ آ گئی ہو' جس کی وجہ سے شاہ جہاں نے فرید خان کو اپنے پاس بلایا ہو۔''

راجہ جگن ناتھ کے ان الفاظ پر سمترا کا چہرہ پیلا ہو گیا تھا۔ سروجنی بھی اداس اور افسردہ دکھائی دینے لگی تھی جبکہ رتن کماری اور درگا دیوی بھی پریشانی کا شکار ہوئی تھیں۔ کچھ دیر خاموش

رہی۔ سمترا الجھی الجھی سی بیٹھی رہی' کبھی اپنی ماتا اور کبھی اپنے پتا کی طرف دیکھنے لگتی تھی۔ یہاں تک کہ وہ بولی جگن ناتھ کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

"پتا جی یہ ضروری نہیں ہے کہ شاہ جہاں نے فرید خان کو رستم خان سے متعلق گفتگو کرنے کیلئے بلایا ہو' کوئی اور معاملہ بھی ہوسکتا ہے' اس لئے ہمیں یوں ہی پریشان نہیں ہونا چاہئے۔"

سمترا کے ان الفاظ پر جگن ناتھ نے اپنے آپ کو سنبھالا' پھر کہنے لگا۔ "بیٹی تو کہتی تو ٹھیک ہے پر میرے دل میں ایک وسوسہ جو بھرا گیا ہے وہ مٹنے کا نام ہی نہیں لیتا اور میرا دل یہ بھی کہتا ہے ایسی کوئی خبر ہوتی تو پھر فرید خان پہلے میرے پاس آتا اور مجھے ساتھ لے کر شاہ جہاں کی طرف جاتا۔"

یہاں تک کہتے کہتے جگن ناتھ خاموش ہوگیا' اس لئے حویلی کا بیرونی دروازہ کھلنے کی آواز آئی تھی۔ اس پر سمترا فوراً اٹھی' صدر دروازے کی طرف دیکھا۔ فرید خان حویلی میں داخل ہورہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی سمترا پلٹی اور جگن ناتھ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"پتا جی فرید خان آگئے ہیں' اب پتہ چل جاتا ہے شاہ جہاں نے کس مقصد کیلئے بلایا تھا۔" اتنی دیر تک فرید خان بھی دیوان خانے میں داخل ہوا۔ جگن ناتھ اور مالدیو نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اس سے ہاتھ ملایا' اس کا استقبال کیا۔ آگے بڑھ کر فرید خان جگن ناتھ کے پہلو میں بیٹھ گیا تھا' پھر جگن ناتھ نے بڑی بے چینی' بڑی بے تابی میں فرید خان کو مخاطب کر کے پوچھا۔

"فرید خان میں تمہارے ہاں گیا تھا' تم گھر پر نہیں تھے۔ جہاں آراء نے مجھ پر انکشاف کیا کہ تجھے شاہ جہاں نے بلایا ہے۔ لہٰذا میں لوٹ آیا لیکن اس بلاوے نے مجھے فکرمند اور پریشان کردیا۔ شاہ جہاں نے آخر تمہیں کیوں اور کس مقصد کے تحت بلایا ہے۔"

جگن ناتھ جب خاموش ہوا تب فرید خاں بڑی سنجیدگی میں کہنے لگا۔

"جگن ناتھ معاملات فکرمندی کے تو نہیں لیکن کچھ سنجیدہ اور الجھے الجھے سے ہیں' ساتھ ہی ایک اچھی خبر بھی ہے اور اچھی خبر یہ ہے میرے بیٹے رستم خاں نے بھائیہ شہر میں ست نامی گروہ کا کردار ادا کرنے والے سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے اور ان کے اندر ہماری بیٹی مالتی کا قاتل پریش چندر بھی تھا۔ رستم خاں نے اسے بھی موت کے گھاٹ اتار دیا ہے اور اب رستم خاں بھائیہ سے نکل کر سلامتی کے ساتھ آگرہ کا رخ کئے ہوئے ہے۔ یہ پہلی اور اچھی خبر ہے۔"

یہ الفاظ سن کر سمترا کی خوشی اور مسرت کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ اس کے چہرے پر تبسم اور خوشیاں رقص کرنے لگی تھیں۔ اس موقع پر وہ فرید خان کو مخاطب کر کے کچھ کہنا چاہتی تھی کہ فرید خان پھر بول اٹھا۔

"دوسری خبر بڑی سنجیدہ اور فکرمندی کی بھی ہے۔ شاہ جہاں نے مجھ پر انکشاف کیا کہ جہانگیر اور نور جہاں دونوں اپنے حفاظتی لشکر کے ساتھ کشمیر سے لاہور پہنچ گئے ہیں۔ آج ہی ایک قاصد لاہور سے آگرہ پہنچا ہے اور اس نے شاہ جہاں کو یہ پیغام دیا ہے کہ شاہ جہاں فی الفور لاہور پہنچے' اس لئے کہ دکن کے حالات ابتر سے بدترین ہوگئے ہیں اور جہانگیر شاہ جہاں کو ایک بار پھر ان علاقوں کا نظم و نسق درست کرنے کیلئے بھیجنا چاہتا ہے۔ اس کے علاوہ دکن کی باغی قوتوں نے مغل سلطنت کے کچھ علاقوں پر قبضہ بھی کرلیا ہے اور وہ علاقے واپس لینا بھی مقصد ہیں۔"

یہاں تک کہنے کے بعد فرید خان نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری' پہلے کی نسبت زیادہ سنجیدگی میں وہ کہہ رہا تھا۔

جگن ناتھ میرے بھائی تم جانتے ہو ان دنوں شاہ جہاں اور نور جہاں کے درمیان بڑی چپقلش چل رہی ہے۔ نور جہاں اپنی بیٹی لاڈلی بیگم کی شادی جہانگیر کے بیٹے شہریار سے کرچکی ہے۔ اب نور جہاں اپنی طرف سے سرتوڑ کوشش کر رہی ہے کہ جہانگیر کے بعد ہندوستان کے شہنشاہ کا داماد شہریار بنے۔ دراصل نور جہاں کی یہ سب سے بڑی خواہش ہے کہ جس طرح جہانگیر کے دور میں وہ مملکت کے سارے سیاہ و سفید پر چھائی ہے اسی طرح اس کا مقام شہریار کے دور میں بھی رہے اور ایسا مقام صرف شہریار کے دور ہی میں رہ سکتا ہے۔ شاہ جہاں کے دور میں نہیں۔ شاہ جہاں نے اپنی طرف سے بھی اپنے کارندے مقرر کر رکھے ہیں جو نور جہاں پر نگاہ رکھتے ہیں اور انہوں نے شاہ جہاں پر بھی یہ انکشاف کیا ہے کہ شاہ جہاں کو دکن کی مہم کیلئے جہانگیر نے نور جہاں کے کہنے پر ہی مقرر کیا ہے۔

دراصل جہانگیر اب بیمار رہنے لگا ہے۔ لہٰذا نور جہاں چاہتی ہے کہ شاہ جہاں زیادہ سے زیادہ آگرہ سے دور رہے تاکہ اگر جہانگیر کو کچھ ہوتا ہے تو شاہ جہاں دور ہوگا' اس کا داماد شہریار قریب ہوگا۔ لہٰذا شہریار کی ہی تخت نشینی کا اہتمام کردیا جائے گا۔ شاہ جہاں کے مخبروں نے شاہ جہاں کو یہ بھی اطلاع کردی ہے کہ جہانگیر نے کچھ قاصد دکن کی طرف روانہ کردیئے ہیں اور

دکن میں اس وقت جو مغل قوتیں ہیں ان کو حکم نامہ جاری کیا ہے کہ سارے بکھرے ہوئے عساکر ایک جگہ جمع ہو جائیں۔ وہ اپنے بیٹے شاہ جہاں کو دکن کی طرف بھیج رہا ہے وہ یقیناً دکن کے حالات درست کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اب جہانگیر اور نور جہاں شاید چند ماہ لاہور ہی میں قیام کئے رہیں۔ اس بنا پر شاہ جہاں کو لاہور بلایا گیا ہے۔ وہیں اس کو نئے احکامات ملیں گے اور شاید لشکر کا ایک حصہ بھی وہاں سے اس کے ساتھ کیا جائے' جس کے ساتھ وہ دکن کا رخ کرے گا۔ شاہ جہاں کے مخبر شاہ جہاں کو یہ بھی بتا چکے ہیں کہ شاید اس کی اور اس کے باپ جہانگیر کی یہ آخری ملاقات ہو اور اس کے بعد دونوں باپ بیٹے کو آپس میں ملنے کا موقع نہ ملے۔ اس لئے فی الحال نور جہاں ایسا ہی چاہتی ہے۔

اب شاہ جہاں بڑی بے چینی اور بڑی بے تابی میں رستم خاں کا انتظار کر رہا ہے۔ شاہ جہاں چاہتا ہے کہ اس مہم میں رستم خاں کو اپنے ساتھ رکھے۔ اس لئے شاہ جہاں اب آنکھیں بند کر کے رستم خاں پر اعتماد اور بھروسہ کرنے لگا ہے۔ ساتھ ہی آج شاہ جہاں نے مجھ سے ایک اور بڑی اہم بات کی ہے اور وہ یہ کہ اس نے مجھ سے کہا کہ رستم خاں میرے ساتھ جائے گا۔ لہٰذا ہوسکتا ہے رستم خاں لگاتار کئی سال تک آگرہ کی طرف نہ آسکے۔ اس بنا پر شاہ جہاں نے اس بات کی خواہش بھی کی ہے کہ رستم خاں کی شادی کا اہتمام کر دیا جائے اور رستم خاں یہاں سے میرے ساتھ لاہور جائے اور لاہور سے نکل کر جب ہم دکن کی طرف روانہ ہوں گے تو جہاں شاہ جہاں کے اہلخانہ ان کے ساتھ ہوں گے وہاں شاہ جہاں یہ بھی چاہتا ہے کہ رستم خاں کی بیوی بھی اس کے ساتھ دکن کی طرف روانہ ہو جائے۔

فرید خان جب خاموش ہوا تب کچھ دیر خاموشی طاری رہی۔ اس موقع پر سمترا بڑی سنجیدگی میں کبھی اپنی ماتا' کبھی پتا جگن ناتھ' کبھی فرید خان کی طرف دیکھتی تھی۔ اس کی حالت سے لگتا تھا کہ وہ کسی الجھن کا شکار ہوگئی ہو۔ یہاں تک کہ دیوان خانے میں جگن ناتھ کی آواز بلند ہوئی۔ وہ فرید خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"فرید خان اس وقت سب اپنے بیٹھے ہوئے ہیں۔ لہٰذا میں آج کھل کے بات کروں گا اور جو کچھ میں کہنے لگا ہوں وہ سروجنی بھی جانتی ہے۔ مالدیو رتن کماری اور درگا دیوی کو بھی اس کی خبر ہے۔ فرید خان یہ بات ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ میری بیٹی سمترا رستم خاں کو پسند کرتی ہے۔ یہ صرف سمترا کی نہیں میری اور میری بیوی سروجنی کی بھی یہی خواہش ہے کہ سمترا کا بیاہ رستم

خاں کے ساتھ کر دیا جائے بلکہ مالتی جس وقت زندہ تھی اس نے ایک بار ارادہ کیا تھا کہ سمترا کی اس محبت کے بارے میں رستم خاں سے بات کی جائے۔ س وقت ویسے بھی سمترا نابالغ تھی۔ اس بنا پر میں نے مالتی کو منع کر دیا تھا لیکن فرید خان اب سمترا بالغ ہو چکی ہے وہ اپنا فیصلہ کرنے کی بھی مجاز ہے۔ وہ اپنا فیصلہ دے بھی چکی ہے کہ وہ رستم خاں کو پسند کرتی ہے۔ اب بات ساری رستم خاں تک آ کر ٹھہرتی ہے۔ فرید خان ایک موقع پر تم خود بھی مجھ پر یہ اظہار کر چکے ہو کہ اگر رستم خاں کی شادی سمترا سے ہو جاتی ہے تو یہ تمہاری خوش نصیبی ہوگی۔ اس لئے کہ سمترا جیسی بیٹی تمہیں مل جائے گی لیکن جب تک رستم خاں کا اس معاملہ میں عندیہ نہ لیا جائے اس کی رائے نہ جانی جائے اس وقت تک آخری فیصلہ نہیں ہوسکتا۔"

جگن ناتھ کے خاموش ہونے پر فرید خان بولا اور کہنے لگا۔

"جگن ناتھ معاملات اب بڑے سنجیدہ ہوگئے۔ دراصل مجھے کچھ بڑے خدشات دکھائی دے رہے ہیں۔ آنے والے دور میں حکومت کے اندر دو بڑے گروہ بن سکتے ہیں۔ ایک گروہ نور جہاں کا اور دوسرا شاہ جہاں کا' یہ دونوں گروہ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش کریں گے۔ اس میں شک نہیں جہانگیر شاہ جہاں کو پسند کرتا ہے' لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ شاہ جہاں اس سے بھی زیادہ نور جہاں سے نفرت کرتا ہے اور یہ بات بھی طے شدہ ہے کہ جہانگیر کے اکثر فیصلے نور جہاں ہی کرتی ہے اور اگر آنے والے دور میں نور جہاں نے جہانگیر کو اپنی مٹھی میں لیتے ہوئے شاہ جہاں کے خلاف فیصلے کرنے شروع کئے تو شاہ جہاں زیر عتاب آئے گا۔ ساتھ ہی میرا بیٹا رستم خاں بھی اس کا شکار ہوسکتا ہے۔ اس بنا پر جگن ناتھ میں کچھ فکرمند ہوں۔ جگن ناتھ تم میرے پرانے ساتھی اور دوست ہی نہیں بھائی ہو' اس طرح سمترا میری اپنی ہی بیٹی ہے' میں نہیں چاہتا جب رستم خاں برے حالات کا شکار ہو تو آپ کو یہ احساس ہو کہ سمترا کی شادی رستم خاں سے کیوں کی یا سمترا ہی یہ اعتراض کرے کہ۔"

فرید خان کے خاموش ہو جانے پر اس کی بات کا سمترا کی ماں سروجنی نے جواب دیتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

"بھائی آپ کس قسم کی گفتگو کر رہے ہیں۔ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ رستم خاں پر کوئی مصیبت آتی ہے تو کیا سمترا پیچھے رہے گی۔ سمترا نے رستم خاں کو پسند کیا ہے اور رستم خاں کیلئے یہ ہر طرح کی ہر قسم کی قربانی دے سکتی ہے۔ یہ الفاظ میرے نہیں ہیں' میرے بھائی سمترا اس

وقت آپ کے سامنے بیٹھی ہوئی ہے اب چونکہ بات کھل چکی ہے۔ سمترا رستم خاں کو پسند کرتی ہے۔ سمترا کو بھی کھل کر اپنے جذبات کا اظہار کرنے کا موقع ملنا چاہئے۔''

اس کے ساتھ ہی سروجنی نے ہلکی سی کہنی سمترا کو ماری اور کہنے لگی۔

''بیٹی خاموش نہ رہ بول' تمہاری خاموشی شبہات پیدا کر سکتی ہے۔''

سمترا نے اس موقع پر اپنے خوبصورت گلابی ہونٹوں پر زبان پھیری' پھر سعادت خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''بابا آپ بے فکر رہیں حالات کیسے ہی برے' کیسے ہی ناموافق' کیسے برے اور جان لیوا ہوں میں کبھی کسی وقت کوئی شکایت اپنی زبان پر نہیں لاؤں گی۔ رستم خاں میری منزل ہیں اور مسافر جب اپنی منزل پر پہنچتا ہے تو پھر ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کرنے کیلئے تیار ہو جاتا ہے۔''

سمترا کے ان الفاظ پر گہرا تبسم فرید خان کے چہرے پر نمودار ہوا اور پھر کہنے لگا۔

''میں جانتا ہوں میری بیٹی بڑی بہادر ہے۔ بہرحال بیٹی جو الفاظ تم نے ادا کئے ان سے مجھے بڑا حوصلہ' مجھے بڑی تقویت ہوئی ہے۔ اب رستم خاں آئے تو پھر اس سے اس کی رائے جانتے ہیں۔ اس کی رائے جاننے کے بعد تم دونوں کی شادی کا اہتمام کیا جائے گا۔''

فرید خان ان الفاظ پر سمترا بے پناہ خوشی کا اظہار کر رہی تھی' پھر سروجنی بولی اور سعادت خان کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''بھائی کیا شاہ جہاں نے آپ کو یہ نہیں بتایا کہ بھٹنڈا کی اپنی مہم سے نکل کر رستم خاں اپنے ساتھیوں کے ساتھ کہاں پہنچا ہے۔'' اس پر فرید خان کہنے لگا۔

''جو کچھ شاہ جہاں نے مجھ سے کہا ہے اس کے مطابق رستم خاں آج شام سے پہلے پہلے ہی آگرہ پہنچ جائے گا۔''

ان الفاظ سے سمترا کو اور خوش کر دیا تھا۔ اس موقع پر سروجنی بول اٹھی۔

''میرے بھائی اگر یہ بات ہے تو پھر آپ مالدیو رتن کماری' درگا دیوی سب یہی قیام کریں گے۔ آپ کی شب بسری بھی یہی ہوگی۔ شنکر ناتھ باہر گیا ہوا ہے ابھی آتا ہے تو میں اسے جہاں آراء اور تسیمہ خاتون کی طرف بھجواتی ہوں اور انہیں پیغام دیتی ہوں' جوں ہی رستم خاں حویلی میں آئے اسے فوراً ہمارے ہاں بھیج دیا جائے۔''

سروجنی نے یہ الفاظ ادا کئے ہوئے تھے کہ وہ مسکرانے لگی' اس لئے کہ شنکر ناتھ جو کہیں باہر گیا ہوا تھا دیوان خانے میں داخل ہوا۔ سروجنی نے اسے اپنے قریب بلایا' پھر کہنے لگی۔

''شنکر میرے بیٹے جہاں آراء اور تسیمہ خاں کی طرف جاؤ یہ خبر آئی ہے کہ شام سے پہلے پہلے رستم خاں آگرہ پہنچ جائے گا۔ لہٰذا دونوں ماں بیٹی کو پیغام دینا کہ جوں ہی رستم خاں حویلی میں پہنچے اسے فوراً یہاں بھیج دیں۔ بیٹے پہلے یہ پیغام دے آ' پھر آ کر بیٹھنا۔'' شنکر ناتھ بیٹھا نہیں بلکہ پلٹا اور حویلی سے نکل گیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد جگن ناتھ نے کچھ سوچا' پھر اپنی بیوی سروجنی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''سروجنی میرا دل کہتا ہے کہ رستم خاں اس پر رضامند ہو جائے گا۔ لہٰذا میں چاہتا ہوں اس رضامندی کے بعد حویلی میں ایک حصے میں دعوت کا اہتمام کیا جائے اور اس کی تیاری تم سمترا' رتن کماری' درگا دیوی ابھی سے کر لو تا کہ رستم خاں جب ہماری حویلی میں آئے تب شادی کی خوشیوں سے بھی لطف اندوز ہو اور فرید خان اور رستم خاں کی شب بسری بھی یہیں ہو۔''

سروجنی رتن کماری اور درگا دیوی نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ یہاں تک کہ جگن ناتھ کہنے لگا۔

''تم چاروں مل کر تیاری کرو' بازار سے جو چیز چاہئے شنکر ناتھ آتا ہے تو اسے بتا دو وہ ہر چیز تمہیں مہیا کر دے گا۔ اب اٹھو اور تیاری کرو۔'' اس کے ساتھ ہی درگا دیوی اور رتن کماری وہاں سے اٹھ کر حویلی کے اندرونی حصے کی طرف چلی گئی تھیں' جب جگن ناتھ فرید خان اور مالدیو وہیں بیٹھ کر اسی موضوع پر گفتگو کرنے لگے تھے۔

✧ ✧ ✧

دعوت کا اہتمام کافی حد تک مکمل ہو گیا تھا اور سروجنی اور سمترا اداس اور افسردہ ہوتی جا رہی تھی۔ سمترا کی اس حالت کا اندازہ رتن کماری نے بھی لگا لیا تھا۔ لہٰذا جس وقت مطبخ سے نکل کر منہ پر پانی کے چھینٹے دینے کیلئے سمترا باہر نکلی تب رتن کماری اس کے پیچھے پیچھے ہو لی۔ حویلی کے لمبے برآمدہ میں اس کا ہاتھ پکڑ کر روکا' اس کے چہرے کا جائزہ لیا' پھر کہنے لگی۔

''سمترا اب تم میری بہن ہو' میں تم سے عمر میں بڑی ہوں' میں تمہاری حالت کا اندازہ لگا چکی ہوں' دیکھو پریشان اور فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ رستم خاں کو کسی وجہ سے دیر اور تاخیر ہو سکتی ہے وہ سفر کی حالت میں ہے اس کی آمد کا کوئی خاص وقت تو مقرر نہیں کیا جا سکتا۔

ٹھیک ہے اسے شام سے پہلے پہنچنا چاہئے تھا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حویلی جانے کے بجائے وہ سیدھا شاہ جہاں کی طرف چلا گیا ہو۔"

رتن کماری کے ان الفاظ پر سمترا کو کچھ حوصلہ ہوا تھا۔ اپنے آپ کو سنبھالا' جواب میں کچھ کہنا چاہتی تھی کہ اس موقع پر حویلی کے بیرونی دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ اس پر سمترا چونک اٹھی تھی۔ رتن کماری بھی بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی۔

"سمترا میری بہن میرا دل کہتا ہے رستم خاں آ گیا ہے۔"

رتن کماری کے ان الفاظ پر سمترا کے خوبصورت ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ دونوں حویلی کے صدر دروازے کی طرف دیکھنے لگی تھیں۔ اتنی دیر تک دیوان خانے سے سمترا کا بھائی شنکر ناتھ بھاگتا ہوا نکلا۔ دروازہ جب اس نے کھولا تو دروازے پر رستم خاں کھڑا تھا۔ اسے دیکھتے ہی شنکر آگے بڑھ کر اسے گلے ملا' پھر کہنے لگا۔

"بھائی آپ کا گھوڑا کہاں ہے؟" اس پر غور سے شنکر ناتھ کی طرف دیکھتے ہوئے رستم خاں کہنے لگا۔

"میں تھوڑی دیر پہلے آیا ہوں' گھوڑے کو اپنی حویلی میں باندھ کر آیا ہوں' میں بیٹھوں گا نہیں۔ بابا کو باہر بھیجو' میرے ساتھ حویلی چلیں۔ میں ایک انتہائی اہم موضوع پر ان سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

رستم خاں چونکہ اندر نہیں آیا تھا۔ شنکر ناتھ کے ساتھ باہر ہی کھڑا ہوکر گفتگو کرنے لگا تھا۔ لہٰذا سمترا اور رتن کماری کی بے چینی میں اضافہ ہوگیا تھا۔ اتنے میں شنکر ناتھ رستم خاں کا بازو پکڑ کر اندر لایا' پھر کہنے لگا۔

"بھائی! اس طرح باہر ہی کھڑے کھڑے کیسے لوٹ جائیں گے۔ آپ کے بابا اندر ہی ہیں' آپ خود ان سے آ کر بات کریں۔" اس کے ساتھ ہی رستم خاں حویلی میں داخل ہوا' اسے دیکھتے ہوئے سمترا اور رتن کماری کی حالت بدل گئی تھی۔ سمترا بے پناہ خوشی کا اظہار کر رہی تھی۔ یہاں تک کہ رستم خاں کو لے کر شنکر ناتھ دیوان خانے میں داخل ہوا۔

رستم خاں باری باری اپنے باپ کے علاوہ جگن ناتھ مالدیو سے گلے ملا' پھر فرید خان کے پہلو میں بیٹھ گیا اور کہنے لگا۔

"بابا میں واپسی پر سیدھا شاہ جہاں کی طرف گیا تھا۔ وہاں سے میں حویلی گیا' اپنے

گھوڑے کو وہاں باندھا' وہاں سے پتہ چلا کہ آپ یہاں ہیں۔ لہٰذا گھر چلیں میں ایک انتہائی اہم موضوع پر آپ سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

رستم خاں کے ان الفاظ پر فرید خان بڑے غور سے اس کی طرف دیکھنے لگا تھا جبکہ اس موقع پر جگن ناتھ بولا اور کہنے لگا۔

"بیٹے جس موضوع پر تم گفتگو کرنا چاہتے ہو میں خیال کرتا ہوں اس موضوع پر فرید خان پہلے ہی ہم سے گفتگو کر چکا ہے۔"

"کیسی گفتگو......؟" غور سے راجہ جگن ناتھ کی طرف دیکھتے ہوئے رستم خاں نے پوچھ لیا تھا۔ اس پر جگن ناتھ مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

"بیٹے تم یہی کہو گے کہ شاہ جہاں نے تم سے کہا ہے کہ شہنشاہ اور نور جہاں نے کشمیر سے واپسی پر لاہور میں قیام کرلیا ہے۔ شاہ جہاں کو انہوں نے وہاں بلایا ہے شاہ جہاں تمہیں اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہے۔ دکن کے حالات بے حد ابتر اور خراب ہیں۔ لہٰذا شاہ جہاں کو جہانگیر دکن کے حالات استوار کرنے کیلئے بھیجنا چاہتا ہے اور شاہ جہاں تمہیں بھی اپنے ساتھ لے جانے کا خواہشمند ہے۔ شاہ جہاں نے تم سے یہ بھی کہا ہوگا کہ ہوسکتا ہے دکن میں قیام کئی سالوں پر مشتمل ہوجائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہاں سے پھر آگرہ آنا دشوار ہوجائے۔ اگر ہو بھی تو کئی سالوں بعد لہٰذا شاہ جہاں یہ بھی چاہتا ہوگا کہ تمہاری شادی کا اہتمام کردیا جائے تاکہ تم اپنی بیوی کو اپنے ساتھ دکن لے جاسکو۔"

یہاں تک کہنے کے بعد راجہ جگن ناتھ جب خاموش ہوا تب غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے رستم خاں کہنے لگا۔

"جس قدر آپ نے کہا ہے یہ درست ہے' اس لئے کہ شاہ جہاں نے مجھ پر انکشاف کیا تھا کہ اس نے اس سے پہلے بابا کو بلایا تھا۔ اس موضوع پر تفصیل سے گفتگو کی تھی' اب میں یہ چاہتا ہوں کہ جب میں شاہ جہاں کے ساتھ دکن کا رخ کروں تو بابا کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤں' جہاں تک حویلی کا تعلق ہے جہاں آراء اور تسیمہ خاتون وہاں ہیں۔ آپ گاہے گاہے ان کی طرف چکر لگاتے رہئے گا' دیکھ بھال کیجئے گا میں چاہتا ہوں بابا میرے ساتھ رہیں۔"

اس موقع پر فرید خان نے ایک گہری نگاہ رستم خاں پر ڈالی' پھر کہنے لگے۔

"بیٹے یہ تم کس قسم کی گفتگو کر رہے ہو۔ میں اب بوڑھا ہوچکا ہوں۔ میں کہاں تمہارے

ساتھ ایک مہم سے دوسری مہم ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف دھکے کھاتا پھروں گا۔ مجھے تم اپنی حویلی ہی میں رہنے دو۔ بچے میں اب لشکر میں شامل نہیں ہوں گا۔ میری فکر نہ کرو، تمہارے بعد میرا خیال رکھنے والے بہت سے لوگ ہیں اور تم میرے متعلق پریشان بھی مت ہونا۔ میں چاہتا ہوں آج ہی تمہاری شادی کا اہتمام کیا جائے اور اس کے بعد تم جیسا شاہ جہاں کہے اس پر عمل کرو۔

اپنے باپ فرید خان کے ان الفاظ پر رستم خاں چونکا تھا، کہنے لگا۔

''شادی اور آج ہی کیا اس کیلئے آپ نے کسی لڑکی کا انتخاب کر رکھا ہے۔''

اس پر فرید خان کہنے لگا۔'' بیٹے میں نے تو انتخاب کر رکھا ہے۔ یہ انتخاب میں نے یوں جانو کئی ماہ پہلے سے کیا ہوا ہے۔ لیکن میں تمہاری زبان سے بھی سننے کا خواہشمند ہوں۔ بیٹے ایک لڑکی ہے جو تم سے بے پناہ محبت کرتی ہے۔''

فرید خان کی بات کاٹتے ہوئے رستم خاں بول پڑا، کہنے لگا۔

'' جو لڑکی مجھے پسند کرتی تھی بابا اس کے ساتھ شادی کرنے سے تو میں انکار کر چکا ہوں، آپ بھی جانتے ہیں۔''

اس پر فرید خان مسکرایا، کہنے لگا۔

''اگر تمہارا اشارہ مالدیو کی بیٹی رتن کماری کی طرف ہے تو پھر رتن کماری کا رشتہ لاہور کے سعادت خان کے ہاں طے ہو چکا ہے۔ بیٹے اپنے باپ کے سامنے جھوٹ مت بولنا میں تمہاری زبان سے سننا چاہوں گا کیا تم کسی لڑکی کو پسند کرتے ہو۔''

اپنے باپ فرید خان کے ان الفاظ پر رستم خاں گہری سوچوں میں کھو گیا تھا تاہم اس موقع پر اس نے باری باری ایک گہری نگاہ قریب بیٹھے راجہ جگن ناتھ اور اس کے بیٹے شنکر ناتھ پر ڈالی تھی، اس کے بعد اس نے اپنے باپ فرید خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

''بابا میرے ذہن میں ایک لڑکی ضرور ہے، میں اسے پسند بھی کرتا ہوں اور میرا دل کہتا ہے کہ وہ بھی میری طرف مائل ہے۔ اگر اس سے میری شادی ہو جائے تو میں سمجھوں گا میں نے سب کچھ حاصل کر لیا ہے۔''

رستم خاں کے ان الفاظ پر جگن ناتھ اور شنکر ناتھ دونوں ایک جستجو میں پڑ گئے تھے۔ یہاں تک کہ فرید خان نے پھر پوچھا۔

'' کیا تم اس لڑکی کا نام بتاؤ گے۔'' اس پر ہچکچاہٹ سی محسوس کرتے ہوئے رستم کہنے لگا۔

بابا پہلے گھر چلیں، پھر میں تفصیل کے ساتھ آپ سے بات کروں گا۔ لڑکی کا نام بھی بتاؤں گا، ساتھ ہی اپنی تیاری بھی مکمل کر لوں گا۔

اس بار فرید خان کے بجائے جگن ناتھ بول اٹھا۔

'' بیٹے تمہیں جانے کی اتنی جلدی کیوں ہو رہی ہے۔ آج تم سب کی یہاں دعوت ہے۔ تمہارے آنے کی خوشی میں یوں جانو ایک شاندار دعوت کا اہتمام کیا گیا ہے اور کافی دیر پہلے سے سمترا، سروجنی، رتن کماری اور درگا دیوی تمہاری پسند کے کھانے تیار کرنے میں مصروف ہیں اور تم ہو کہ اپنی حویلی کی طرف بھاگنے کیلئے بے چین ہو رہے ہو۔ اگر تم اس موقع پر جانا بھی چاہو تو تمہیں جانے نہیں دیں گے۔ بیٹے بات یہ ہے کہ جہاں تک تمہاری شادی کا تعلق ہے وہ آج ہی ہوگی، صرف تم لڑکی کا نام بتا دو۔''

چلو اگر تم اس کا نام بتاتے ہوئے شرماتے ہو تو اس کے نام کا پہلا حرف بتا دو۔

رستم خاں کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی، پھر کہنے لگا۔

'' جس لڑکی کو میں پسند کرتا ہوں اس کے نام کا پہلا حرف س ہے۔''

اس پر جگن ناتھ نے ایک قہقہہ لگایا۔ فرید خان شنکر ناتھ مالدیو بھی ہنس رہے تھے، پھر فرید خان بولا، کہنے لگا۔ '' بیٹا یوں بات نہیں بنتی۔'' ساتھ ہی فرید خان نے ہاتھ آگے بڑھا کر اس کا منہ اپنے کان کے قریب کیا، پھر کہنے لگے۔

اب اس لڑکی کا پورا نام میرے کان میں کہو۔

رستم خاں مسکرایا، پھر سرگوشی کے انداز میں کہنے لگا۔

'' بابا وہ سمترا ہے۔ اگر اس سے میری شادی ہو جائے تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

رستم خاں کی سرگوشی پر فرید خان نے ایک قہقہہ لگایا اور کہنے لگا۔

'' واہ بیٹے سمترا کا نام لیتے ہوئے اتنی دیر لگا رہے ہو۔ بیٹے یہ تو ہم پہلے ہی جانتے تھے کہ تم ایک دوسرے کی طرف مائل ہو۔ سمترا اپنی زبان سے تم سے محبت کرنے کا اقرار کر چکی ہے۔ آج تم نے بھی اقرار کر لیا ہے اور پھر یہ بھی سوچو جو آج دعوت کا اہتمام کیا جا رہا ہے اسی دعوت کے دوران ہی تمہاری اور سمترا کی شادی کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔''

اپنے باپ کے یہ الفاظ سن کر رستم خاں خوش ہو گیا تھا۔ راجہ جگن ناتھ اور شنکر ناتھ بھی

بے پناہ خوشی کا اظہار کر رہے تھے، پھر جگن ناتھ اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا۔ دیوان خانے سے نکلنا چاہتا تھا کہ کچھ سوچ کر رک گیا، دوبارہ اپنی نشست پر بیٹھ گیا اور بیٹے شنکر ناتھ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"سب کو یہاں دیوان خانے میں بلا کر لاؤ۔"

شنکر ناتھ باہر نکل گیا، تھوڑی دیر بعد شنکر ناتھ کے ساتھ سمترا، سروجنی، رتن کماری، درگا دیوی دیوان خانے میں داخل ہوئیں، سب خالی نشستوں پر بیٹھ گئیں، پھر جگن ناتھ سب کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"جس طرح تھوڑی دیر پہلے سمترا نے رستم خاں سے اپنی چاہت کا اظہار کیا تھا اسی طرح رستم خاں بھی ہماری موجودگی میں سمترا سے اپنی محبت کا اظہار کر چکا ہے۔ لہٰذا رستم خاں اور سمترا کی شادی آج ہی بلکہ ابھی تھوڑی دیر تک ہوگی۔"

جگن ناتھ مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اپنی بات مکمل کر نہ سکا۔ کیونکہ دھیمے سے لہجہ میں رستم خاں جگن ناتھ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"میری آپ سے گزارش ہے کہ اس شادی پر زیادہ شور شرابہ نہ ہو، بس سادگی سے ہماری شادی کا اہتمام کر دیا جائے۔ شادی کے بعد میں شاہ جہاں کے ساتھ لاہور چلا جاؤں گا۔ سمترا یہی رہے گی۔ شاہ جہاں کے اہلخانہ بھی یہیں قیام رکھیں گے۔ لاہور سے جب ہم دکن جائیں گے تو آگرہ سے ہو کر جائیں گے، پھر میں سمترا کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ اس لئے کہ شاہ جہاں بھی واپسی پر اپنے اہلخانہ کو اپنے ساتھ لے کے جائے گا۔"

رستم خاں کے ان الفاظ پر سمترا بے پناہ خوشی کا اظہار کر رہی تھی، تاہم اس کی گردن جھکی ہوئی تھی۔ اپنی خوشی کو چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس موقع پر مالدیو پہلی بار بولا اور کہنے لگا۔

"آپ سب لوگ بیٹھیں میں قاضی کو بلا کر لاتا ہوں۔ پہلے رستم خاں اور سمترا کے نکاح کا اہتمام کیا جائے گا، اس کے بعد سب مل کر اس دعوت سے لطف اندوز ہوں گے۔"

مالدیو کی اس تجویز سے سب نے اتفاق کیا تھا۔ لہٰذا مالدیو اٹھ کر باہر نکل گیا، اس کے جانے کے بعد فرید خان نے شنکر ناتھ کی طرف دیکھا، پھر کہنے لگے۔

"بیٹے بھاگ کر جاؤ جہاں آراء اور تسیمہ خاتون کو بلا کر یہاں لاؤ۔" شنکر ناتھ اٹھ کر باہر بھاگ گیا تھا۔ مالدیو سے پہلے شنکر ناتھ جہاں آراء اور تسیمہ خاتون کو لے کر آ گیا تھا۔ ان

دونوں ماں بیٹی سے تفصیل کہہ دی گئی تھی۔ لہٰذا وہ بھی بے پناہ خوشی کا اظہار کر رہی تھیں۔ جہاں آراء اور تسیمہ خاتون باری باری سمترا کو چوم رہی تھیں۔ تھوڑی دیر کے بعد مالدیو بھی قاضی کو لے کے آ گیا اور سب کی موجودگی میں رستم خاں اور سمترا کے نکاح کا اہتمام کر دیا گیا تھا۔

اس کے بعد جب سب کھانا کھانے کیلئے اٹھے تو تب تسیمہ خاتون اور جہاں آراء نے اپنے ہاتھ سمترا کی کمر میں ڈال رکھے تھے۔ اس موقع پر تسیمہ خاتون سمترا کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

"سمترا میری بیٹی تو خوش قسمت ہے کہ رستم خاں کی زندگی کی ساتھی بنی ہے۔ میری بیٹی وہ بہت اچھا انسان ہے۔ تیرا بہت خیال رکھے گا۔ اس کے علاوہ وہ تمہیں بے پناہ چاہتا بھی ہے اور تو اس حویلی میں اتنی خوش رہے گی، جس کا تو اندازہ بھی نہیں کر سکتی۔"

اس پر سمترا بھی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی۔

"اس حویلی میں آپ کی حیثیت میری ماں اور محترم جہاں آراء کی حیثیت میری دادی کی ہوگی اور آپ دونوں کی خدمت کرتے ہوئے میں فخر محسوس کروں گی۔"

کھانے کے دوران رستم خاں اور سمترا کو ایک ساتھ بٹھایا گیا۔ کھانے کے دوران بھی سب بے پناہ خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ جب سب کھانا کھا چکے اور سمترا نے اپنی ماں سروجنی اور رتن کماری اور درگا دیوی کے ساتھ مل کر برتن سمیٹنا چاہے تب تسیمہ خاتون نے اس کا ہاتھ پکڑ کر رستم خاں کے پہلو میں ہی بٹھا دیا تھا اور کہنے لگی۔

"اب تو تمہارا نکاح ہوا ہے، اس وقت تو ہم تمہیں کوئی کام نہیں کرنے دیں گے۔" اور تسیمہ خاتون خود اٹھ کر رتن کماری اور درگا دیوی کے ساتھ کام کرنے لگی تھی۔

کھانے کے بعد سب مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے رہے۔ اصل موضوع شاہ جہاں اور رستم خاں کی روانگی کا تھا۔ رستم خاں کے پہلو میں سمٹی سمٹائی بیٹھی سمترا خاموشی سے سب کچھ سن رہی تھی۔ لیکن گفتگو میں اس نے حصہ نہیں لیا تھا۔ یہاں تک کہ سمترا کی ماں سروجنی بولی اور رستم خاں کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

"رستم خاں میرے بیٹے آج تم دونوں میاں بیوی شب بسری یہیں کرو گے۔ حویلی میں نہیں جاؤ گے۔ بیٹے کل آرام سے دونوں اپنی حویلی جانا، پھر جب شاہ جہاں روانگی کیلئے کہے سمترا تمہاری تیاری خود کرائے گی۔ تم شاہ جہاں کے ساتھ لاہور جانا اور واپسی پر سمترا کو اپنے

ساتھ لیتے جانا۔'' اس موقع پر سمترا نے سر گھما کر ایک گہری نگاہ اپنے پہلو میں بیٹھے رستم خاں پر ڈالی تھی' اس کے اس طرح دیکھنے پر رستم خاں مسکرا دیا' پھر کہنے لگا۔

''ٹھیک ہے جیسا آپ کہہ رہی ہیں ایسا ہی ہوگا۔''

رستم خاں کے ان الفاظ پر ہلکا سا تبسم سمترا کے چہرے پر پھیل گیا تھا' پھر سروجنی اپنی جگہ پر سے اٹھی' ایک ہاتھ سے سمترا کا بازو پکڑا' دوسرے سے رستم خاں کا' پھر کہنے لگی تم دونوں میرے ساتھ آؤ۔

سروجنی دونوں کو حویلی کے ایک کمرے کے سامنے لے گئی' رکی' پھر رستم خاں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''بیٹے یہ کمرہ سمترا کی خواب گاہ ہے۔ یہی تم دونوں میاں بیوی شب بسری کرو گے۔''

اس کے ساتھ ہی سروجنی نے دونوں کے ہاتھ چھوڑ دیئے' پھر مسکراتے ہوئے اور بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ ان دونوں کی پیٹھوں پر رکھے اور انہیں مسکراتے ہوئے کمرے کے اندر دھکیل دیا تھا۔

✧ ✧ ✧

تین دن کے بعد شاہ جہاں اور رستم خاں نے لشکر کے ایک حصے کے ساتھ آگرہ سے لاہور کا رخ کیا تھا۔ وہاں ان کی ملاقات جہانگیر اور نور جہاں سے ہوئی اور لاہور ہی سے جہانگیر نے اپنے بیٹے شاہ جہاں کیلئے حکم جاری کیا کہ وہ دکن کا رخ کرے اور وقت ضائع کئے بغیر دکن کے حالات درست کرے اور دکن کی قوتوں نے مغلوں کے جن علاقوں پر قبضہ کر لیا ہے وہ علاقے فوراً ان سے خالی کرائے جائیں۔ چنانچہ لاہور سے واپسی پر دکن کی طرف جاتے ہوئے وہ آگرہ سے گزرے۔ رستم خاں نے اپنی بیوی سمترا کو اور شاہ جہاں نے اپنے اہلخانہ کو ساتھ لیا اور لشکر کے ساتھ وہ دکن کا رخ کر گئے تھے۔

✧ ✧ ✧

دکن کے حالات نہایت ابتر ہو چکے تھے۔ باغیوں کے دو بڑے مراکز تھے۔ مانڈو اور دوسرا برہانپور اور ان کا سب سے بڑا سرغنہ ملک عنبر تھا۔ ان نے نہ صرف یہ کہ مرہٹوں کا ایک بہت بڑا لشکر بھی اپنے ساتھ ملا لیا تھا بلکہ اس لشکر کا سپہ سالار بھی ایک مرہٹہ جنگجو ہی تھا۔ چنانچہ ان باغیوں نے مغلوں کے کئی علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ احمد نگر جیسا شہر بھی باغیوں کے قبضہ میں جا چکا تھا اور ان علاقوں میں مغلوں کا لشکر تھا۔ اس کی ایک طرح سے ملک عنبر اور باغی ساتھیوں نے بری حالت بنا رکھی تھی۔ ان کا محاصرہ جاری تھا اور ان پر فاقہ کشی کا وقت آتا جا رہا تھا۔ باغیوں کا تیسرا گروہ خرقی کا مقام تھا۔ ان علاقوں میں نظام شاہی حکمران موجود تھے۔ چنانچہ جس وقت شاہ جہاں اور رستم خاں یا رستم بیگ اس لئے کہ تاریخ کے اوراق میں اسے رستم بیگ بھی لکھا گیا ہے۔ یہ دونوں جب دکن پہنچے تو ایک مناسب جگہ لشکر نے پڑاؤ کیا۔ دکن کے اندر جو لشکری ادھر ادھر پھیلے اور بکھرے ہوئے تھے اور ابتر حالات کی وجہ سے سرگرداں تھے وہ بھی گروہ در گروہ شاہ جہاں کے پاس آ کر جمع ہونے لگے تھے اور وہ باغیوں کے خلاف سخت

کارروائی کرنے کی التجا کر رہے تھے۔ اس طرح اس قیام کے دوران شاہ جہاں اور رستم خاں کے لشکر میں خوب اضافہ ہوتا چلا گیا تھا۔

شاہ جہاں نے جب دیکھا کہ اس کے لشکر کی تعداد اب ایسی ہوگئی ہے کہ وہ اپنے لشکر کو تقسیم کر کے بھی دشمن کا مقابلہ کر سکتا ہے تب اس نے اپنے دشمنوں کے خلاف حرکت میں آنے کا فیصلہ کیا اور اپنے خیمہ میں اپنے سالاروں کو طلب کر لیا۔

سب سالار جب اس کے خیمہ میں جمع ہو گئے تب کچھ دیر تک شاہ جہاں سب کا جائزہ لیتا رہا' پھر کہنے لگا۔

یہ ہم سب کی خوش قسمتی ہے کہ میرے باپ اور شہنشاہ جہانگیر نے دکن کے حالات درست کرنے کیلئے ہمارا انتخاب کیا ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ دکن کے حالات اور یہاں کی بغاوتیں اور شورشیں لاعلاج ہو چکی ہیں۔ ہم نے یہ ثابت کرنا ہے کہ ہم میں دکن کے حالات درست کرنے اور باغیوں کو سیدھا کرنے کی استطاعت اور قوت ہے۔

اس وقت میں نے دو فیصلے کیے ہیں۔ لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ ایک حصہ میری کمان داری میں رہے گا اور دوسرا حصہ رستم خاں کے پاس ہوگا۔ چھوٹے سالار بھی آپس میں تقسیم کر لئے جائیں گے۔ رستم خاں اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ مانڈو کا رخ کرے گا۔ وہاں باغیوں کا ایک خاصا بڑا لشکر ہے اور مانڈو ہی کے مقام پر اور مرہٹے بھی ہیں جو اپنے آپ کو اب ناقابل شکست تسلیم کرنے لگے ہیں۔

میں اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ برہان پور کا رخ کروں گا۔ وہاں باغیوں کا بہت بڑا لشکر ہے اس سے ٹکراؤں گا۔ میں آپ لوگوں کو یقین دلا دوں کہ اگر مانڈو اور برہان پور دونوں مقامات پر ہم اپنے دشمنوں اور باغیوں کو شکست دینے میں کامیاب ہو گئے تو اس کے دو فائدے ہوں گے۔ ہماری فتح ہماری کامیابیوں سے ہمارے لشکریوں کے حوصلے بلند اور کے خوب جوان ہو جائیں گے اور وہ دشمنوں اور باغیوں کے خلاف مزید کامیابیاں حاصل کرنے کی تگ و دو کریں گے اور انہیں اپنے سامنے زیر کرنے کیلئے بے چین رہیں گے۔

دوسرا فائدہ یہ ہوگا ہم مانڈو برہان پور کے مقام پر دشمنوں کو شکست دیں گے تو باغی قوتوں کی حوصلہ شکنی ہوگی۔ ان کے سالار ان کے کمان دار بغاوت پر ان کو اکسانے والے عناصر شکست خوردہ ہوں گے اور وہ جان جائیں گے کہ اب ان کے برے دنوں کی ابتدا ہو گئی

ہے اور میں آپ لوگوں کو یہ بھی یقین دلاتا ہوں کہ ان دو جگہ کی فتوحات کے بعد فتوحات اور کامیابیاں ہمارا دامن چومیں گی۔

اتنا کہنے کے بعد شاہ جہاں رکا' پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

لشکر کے اندر جس قدر عورتیں ہیں وہ سب میرے حصے کے لشکر میں ہوں گی۔ لشکر کے کچھ دستے مختص کر دیئے جائیں گے۔ جو عورتوں کے علاوہ بار برداری کے جانوروں اور خوراک اور ہتھیاروں کے ذخائر کی حفاظت بھی کریں گے۔ میں سارے لشکریوں کو مزید دو دن آرام کرنے کا موقع دیتا ہوں اور تیسرے دن اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ رستم خاں مانڈو کا رخ کرے گا اور میں برہان پور کی طرف کوچ کر جاؤں گا۔ لشکر کی تقسیم کا کام ابھی اسی وقت سرانجام دیا جائے گا۔

اس کے ساتھ ہی شاہ جہاں اٹھ کھڑا ہوا۔ سارے سالار بھی کھڑے ہو گئے اور لشکر کی تقسیم کو آخری شکل دی جانے لگی تھی۔

✧ ✧ ✧

لشکر کی اس تقسیم کے بعد رستم خاں جب اپنے خیمہ میں داخل ہوا تب سمترا بے چینی سے اس ہی کا انتظار کر رہی تھی۔ رستم خاں جب خیمہ میں داخل ہوا تو وہ اپنی جگہ سے اٹھی' رستم خاں آگے بڑھ کر اس نشست کے سامنے بیٹھ گیا' جس نشست سے سمترا اٹھی تھی اس کے بیٹھنے کے بعد سمترا بھی بیٹھ گئی' پھر غور سے رستم خاں کی طرف دیکھتے ہوئے سمترا کہنے لگی۔

آپ نے اتنی دیر لگا دی۔ جواب میں رستم خاں نے جب ساری تفصیل کہہ دی تب کچھ دیر تک تو سمترا خاموش اور چپ بیٹھی رہی' پھر کہنے لگی۔

"اس کا مطلب ہے کہ یہاں کے حالات بہت ابتر اور خراب ہو چکے ہیں اور جس مہم پر آپ نے روانہ ہونا ہے وہ۔" سمترا کو خاموش ہونا پڑا' پھر رستم خاں اس کی طرف دیکھتے ہوئے اور مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔ "آگے تم یہ کہو گی کہ یہ مہم بڑی خطرناک ہے۔ لہٰذا مجھے محتاط رہنا چاہئے۔ سمترا تمہیں خوفزدہ اور فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" جواب میں سمترا بھی رستم ہی کے انداز میں مسکرائی اور کہنے لگی۔

میں آپ سے متعلق فکرمند ضرور ہوں گی لیکن خوفزدہ نہیں' اس لئے کہ مجھ میں چار خوبیاں ہیں جن کی بناء پر میں خوفزدہ نہیں ہوں گی۔

جواب میں حیرت خیز سے نگاہ رستم خاں نے سمترا پر ڈالی' پھر کہنے لگا۔

''ہم میں تو ایک بھی صفت نہیں ہے' تم تو خوش قسمت ہو کہ تم میں چار صفتیں ہیں۔'' اس پر گھورنے کے انداز میں سمترا نے رستم خاں کی طرف دیکھا' پھر کہنے لگی۔

''آپ ہمہ صفت ہیں' اس لئے تو میں نے آپ کو چاہا اور آپ کو اپنی منزل جانا اور منزل جان کر ہی آپ کو حاصل کرنے کی کوشش کی۔''

سمترا کے ان الفاظ پر رستم نے خوشی کا اظہار کیا' پھر کہنے لگا۔

''ذرا اپنی چار صفات تو کہو' جن کا تم نے ذکر کیا ہے تاکہ ہم بھی جانیں کہ ہم میں کوئی ایسی صفت ہے۔''

اس پر سمترا مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔ ''مجھ میں پہلی صفت یہ ہے کہ میں اب اسلام قبول کر چکی ہوں اور ایک مسلمان لڑکی ہوں۔ مجھ میں دوسری صفت یہ ہے کہ میں ایک مجاہد اور لشکر کے ایک سالار کی بیوی ہوں۔ مجھ میں تیسری صفت یہ ہے کہ میں اپنی منزل حاصل کر چکی ہوں اور مجھ میں چوتھی صفت یہ ہے میں اپنی چاہت کی منزل حاصل کر چکی ہوں۔''

سمترا جب خاموش ہوئی تب کسی قدر سنجیدگی میں رستم کہنے لگا۔

''میں کھانے کیلئے کہہ کر آیا ہوں تھوڑی دیر تک کھانا آ جائے گا' اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھائیں گے۔ میری غیر موجودگی میں تمہیں کسی قسم کی پریشانی نہیں ہوگی۔ لشکر کی ساری عورتیں شاہ جہاں کے لشکر میں رہیں گی اور تمہاری ہر ضرورت کا خیال رکھا جائے گا۔ مجھے امید ہے کہ میں مانڈو کی اس مہم میں زیادہ دن نہیں لگاؤں گا بلکہ اس مہم سے نمٹ کر جلد ہی میں برہان پور کے مقام پر شاہ جہاں سے ملوں گا۔ میری روانگی کے بعد ہی شاہ جہاں اپنے لشکر کے ساتھ یہاں سے کوچ کرے گا۔ ممکن ہے کہ میں مانڈو کی مہم کو جلد سر کر کے برہان پور کی مہم میں بھی شاہ جہاں کے ساتھ شامل ہو جاؤں۔''

رستم خاں کے ان الفاظ کا جواب سمترا دینا ہی چاہتی ہے کہ اتنی دیر تک ان کا کھانا آ گیا اور دونوں میاں بیوی بیٹھ کر چپ چاپ کھانا کھانے لگے تھے۔ دو دن بعد رستم خاں اپنے حصے کے لشکر کو لے کر مانڈو کی طرف روانہ ہوا تھا۔

✧ ✧ ✧

رستم خاں اپنے لشکر کے ساتھ مانڈو سے کافی دور ہی تھا۔ اس کی روانگی سے پہلے مانڈو

کی طرف شاہ جہاں نے جو اپنے مخبر روانہ کئے تھے وہ سامنے کی طرف آئے' ان کی آمد پر رستم خاں نے اپنے لشکر کو روک دیا تھا۔ مخبر بھی قریب آ کر رکے' پھر ان میں سے ایک رستم خاں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''محترم رستم خاں مانڈو میں جو باغی قوتوں کا لشکر ہے اس کا ہم مکمل جائزہ لے کر آ رہے ہیں' جہاں تک اس لشکر کی تعداد کا تعلق ہے تو جس قدر لشکر آپ لے کر ان پر حملے آور ہونے کیلئے جا رہے ہیں آپ کی تعداد سے وہ چار گنا زیادہ ہوں گے اور پھر ان کے پاس خوراک کے ذخائر کے علاوہ دیگر ضروریات کی اشیاء کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔ یہ کہ انہوں نے بہت سے علاقوں میں مار دھاڑ اور ترکتاز کر کے اپنے لئے بہت سے اموال جمع کر رکھے ہیں اور اس وقت ان کے پڑاؤ میں لوٹے ہوئے مال کے ڈھیر کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں' جو لشکر رستم خاں آپ لے کر جا رہے ہیں اگر آپ دن کی روشنی میں ان کے سامنے صف آراء ہو کر ان کا مقابلہ کرتے ہیں تو یہ مقابلہ بڑا ہولناک اور جان لیوا ہوگا۔''

یہاں تک کہتے کہتے مخبر کو رک جانا پڑا' اس لئے کہ ہلکا سا تبسم اس موقع پر رستم خاں کے چہرے پر نمودار ہوا' پھر آنے والے اس مخبر کو مخاطب کر کے وہ کہنے لگا۔

''میرے عزیز تو فکرمند نہ ہو' میں ان سے خوب نمٹوں گا۔ یہ بتاؤ دشمن کا لشکر یہاں سے کتنی دور ہوگا اور اگر میں اپنے لشکر کے ساتھ درمیانی رفتار سے آگے بڑھوں تو کس وقت وہاں پہنچ جاؤں گا۔''

رستم خاں کے اس سوال پر اس مخبر نے کچھ سوچا' پھر کہنے لگا۔

''دشمن کا لشکر کچھ زیادہ دور تو نہیں ہے' اگر آپ درمیانی رفتار سے آگے بڑھے تو اس وقت دوپہر ہونے والی ہے درمیانی رفتار سے آپ مغرب کے بعد ان تک پہنچ سکتے ہیں۔''

اس جواب پر رستم خاں نے کچھ سوچا۔ اپنے ساتھی نظام الدین کی طرف دیکھا' جو لشکر میں نائب کی حیثیت سے اس کے ساتھ کام کر رہا تھا' پھر نظام الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''نظام الدین میرے عزیز بھائی لگتا ہے تیرے اور میرے امتحان کا وقت آ گیا ہے۔''

رستم خاں کے ان الفاظ پر نظام الدین کی چھاتی تن گئی تھی اور کہنے لگا۔

''رستم خاں میرے بھائی ایسے امتحانوں سے ہم پہلے بہت گزر چکے ہیں۔ خداوند قدوس نے چاہا تو اس میں بھی کامیابی اور فوزمندی کے ساتھ گزر جائیں گے۔ میرے بھائی تم مجھے

صرف یہ بتاؤ کہ مجھے کرنا کیا ہے۔''

ہلکا سا تبسم اس موقع پر رستم خاں کے چہرے پر نمودار ہوا' پھر کہنے لگا۔ ''ایسا کرو لشکر کو یہاں پڑاؤ کرنے کا حکم دو' لشکری ستالیں' یہیں کھانے کا بھی اہتمام کیا جائے گا۔ دوپہر کے کھانے کے علاوہ رات کا کھانا بھی یہیں کھایا جائے گا۔ عشاء کی نماز بھی یہیں ادا کی جائے گی۔ اس کے بعد میں اپنے کام کی ابتداء کروں گا' اس لئے کہ مخبروں سے اب مجھے یہ پتا چل گیا ہے کہ ہم نے کتنی مسافت طے کرنی ہے اور دشمن نے اس وقت کہاں پڑاؤ کیا ہوا ہے' اس لئے ہمارے مخبر ہماری رہنمائی کریں گے۔''

چھوٹے سالاروں نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ لہٰذا لشکر نے وہاں پڑاؤ کرلیا تھا۔ اس طرح لشکر نے نہ صرف دوپہر اور شام کا کھانا وہاں کھایا بلکہ عشاء کے بعد تک لشکریوں کو ستانے کا موقع بھی مل گیا اور اس کے بعد مخبروں کی رہنمائی میں ایک بار پھر رستم خاں نے اپنے لشکر کے ساتھ کوچ کیا اور پیش قدمی شروع کی تھی۔

کہر بھرے آسمان تلے رات کالے ہولناک سایوں کی سی تاریکیاں پھیلاتی بھاگتی چلی جارہی تھی۔ کہر کی وجہ سے چاندی ایسی مدھم ہوگئی تھی جیسے گہن لگا کرب کا چاند سسک رہا ہو۔ تاریکی کی اونچی دیواروں نے زمین کو بگاڑ کر ظالم سے ہر شے کو بھر دینے کا عزم کیا ہوا تھا۔ چاروں طرف ایک سناٹا تھا' درختوں کی بور لگی ٹہنیاں پھول بھری شاخیں چپ اور خاموش تھیں۔

مانڈو کے قریب جا کر اپنے مخبروں کا اشارہ پا کر رستم خاں اب اپنے لشکر کے ساتھ بڑی تیزی اور برق رفتاری کے ساتھ قضا کے سیل میں لپٹی باغی موجوں' غصے اور نفرت کی برق اور بساط وقت میں اڑتے بگولوں کی طرح آگے بڑھا تھا۔ اس کے بعد مانڈو کے نواح میں جو دشمن کا لشکر پڑاؤ کئے ہوئے تھا آدھی رات کے بعد اس لشکر پر رستم خاں نے شب خون مار دیا اور وہ باغی قوتوں کے لشکر پر مرگ کے کفن' غم کے پیراہن پہناتے تباہی کے کھولتے سمندر' زخمیوں کی جلن' روحوں کی گھٹن طاری کرتے بدترین تقدیر کے پرجوش بگولوں' قلب کو افسردہ اور روحوں کو مجروح کردینے والے لمحوں کے وحشیانہ رقص کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

رستم خاں کے ان تیز اور جاں لیوا حملوں کے باعث دشمن کے لشکر میں ایک کھلبلی سی مچ گئی تھی۔ یہ شب خوں کیونکہ اچانک مارا گیا تھا اس وقت باغیوں کا لشکر گہری نیند سویا ہوا تھا۔

لہٰذا اپنے شروع کے چند حملوں میں ہی رستم خاں نے ان کے لشکر کی ایک بڑی تعداد کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا اور پھر باغیوں کے لشکر کے اندر گھس کر ان کے اندر موت کا کھیل کھیلنے لگا تھا۔ اس طرح رات کی گہری تاریکی میں رزم گاہ کے اندر آ ب و خاک' جبر بھری خواہشوں کا عمل شروع ہوگیا تھا۔ خونی خواہشات کی آندھیاں زنگ آلود جنونی لمحات رقص کرنے لگے تھے۔ شور رچی فضاؤں میں ہولناک آہیں' کالے حروف کی طرح چاروں طرف پھیلنے لگی تھیں۔ موت نے تپتی' بنجر دھرتی پر بڑی تیزی کے ساتھ اپنے آسیب بھرے سائے پھیلانا شروع کردیئے تھے۔ باغی قوتوں کے لشکر نے یہ خیال کیا کہ کسی چھوٹے سے گروہ نے ان پر شب خوں مارا ہے اور جلدی ہی شب خوں مارنے والے اس گروہ کا زور اس طرح ٹوٹ جائے گا جس طرح برسات میں وہ نالے جلد خشک ہوجاتے ہیں جو صرف برسات کے ہی موسم میں پانی کا منہ دیکھتے ہیں۔ ان باغی قوتوں کا یہ بھی خیال تھا کہ ان کے لشکری جب تیار ہونے کے بعد چاروں طرف سے ان پر حملہ آور ہوں گے تو شب خون مارنے والوں کو بھاگنے کا راستہ بھی نہیں ملے گا اور ان کا کام تمام کردیا جائے گا۔

لیکن باغی قوتوں اور سربراہوں اور سالاروں کی بدقسمتی کہ جس وقت مشرق سے سورج نے دھرتی سے تاک جھانک کی تھی باغیوں نے اس رات کے گزر جانے کے بعد دیکھا کہ شب خون مارنے والے تو ان پر گرجتے کڑکتے رعد' وحشت برساتے خوف دائرے پھیلتے خواہشوں کے آبگینے توڑتے نادیدہ آسمانی عذابوں کی طرح حملہ آور ہو رہے تھے اور ان کے مقابلے میں ان کے لشکریوں کی حالت اب اعضاء جوارح کی برہم تنظیم' ذلت و ننگ نے نصاب بدگمانی کی وحشتوں اور بے ثمر موسموں کی کڑوی روداد جیسی ہو رہی تھی۔

انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ ان کے لشکر کی تعداد بہت کم ہوچکی تھی اور ان کے لشکری اب حملہ آوروں کا مقابلہ کرنے کے بجائے صرف اپنی جانوں کی فکر کررہے تھے۔

تھوڑی دیر تک جب مزید ایسا ہی سماں رہا اور باغیوں نے دیکھا کہ ان کے لشکر کی تعداد تو بہت کم ہوچکی ہے اور کچھ دیر ایسا ہی سلسلہ رہا تو حملہ آور ان کا خاتمہ کردیں گے۔ لہٰذا وہ شکست اٹھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

رستم خاں اور نظام الدین نے کچھ دور تک بھاگتے دشمن کا تعاقب کرکے انہیں مزید نقصان پہنچایا۔ اس کے بعد وہ میدان جنگ میں آئے' باغی قوتیں ضروریات زندگی کی اشیاء

کے ڈھیر کے ڈھیر چھوڑ کر بھاگ گی تھیں۔ لہٰذا ان سب چیزوں پر رستم خاں نے قبضہ کر کے سارے سامان کو اکٹھا کر کے چند دستوں کی تحویل میں دینا شروع کر دیا تھا' جس جگہ شاہ جہاں اور رستم خاں نے اپنے متحدہ لشکر کے ساتھ پڑاؤ کیا تھا وہ چونکہ مانڈو سے قریب تھی لہٰذا رستم خاں جلد اپنی مہم سے فارغ ہو گیا تھا اور پھر شاہ جہاں نے اس کی روانگی کے دو دن وہاں سے برہان پور کی طرف سے کوچ کیا تھا۔ چنانچہ شاہ جہاں نے جس وقت برہان پور کی طرف کوچ کرتے ہوئے راستے میں ایک جگہ پڑاؤ کیا تب رستم خاں کی طرف سے بھیجے گئے مخبر اس کے پڑاؤ میں داخل ہوئے' جونہی شاہ جہاں کو ان کی آمد کی اطلاع ہوئی اس نے انہیں فوراً طلب کر لیا اور جب شاہ جہاں کے پاس جا کر انہوں نے رستم خاں کی کارگزاری' اس کی کامیابی اور فتح مندی کی خبر دی تب شاہ جہاں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ شاہ جہاں ابھی اس کی خبر سے لطف اندوز ہی ہو رہا تھا کہ ایک قاصد بولا اور کہنے لگا۔

آپ کیلئے مزید خوشی کی خبر یہ ہے کہ جن باغیوں کو رستم خاں نے شکست دی ہے ان کی شکست کے بعد رستم خاں اور نظام الدین کے ہاتھ مال غنیمت کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں اور وہ اس سارے مال کو لے کر اسے سمیٹتے ہوئے آپ کی طرف کوچ کر رہے ہیں۔ رستم خاں چاہتا ہے کہ تیزی اور برق رفتاری سے آپ کی طرف سفر کرے تاکہ برہان پور کی مہم میں وہ آپ کے ساتھ شامل ہو جائے۔

'اس موقع پر ہلکا سا تبسم شاہ جہاں کے چہرے پر نمودار ہوا' پھر کہنے لگا۔

''رستم خاں جیسے مخلص ساتھی بہت کم ملتے ہیں۔ یہ ایسا مہرباں ساتھ ہے جس پر برے سے بدترین حالات میں بھی مکمل اعتبار اور بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد شاہ جہاں رکا' پھر مخبر کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''تم میرے لشکر کے پڑاؤ ہی میں قیام اور آرام کرو' میں یہیں رک کر رستم خاں کا انتظار کروں گا اور اسے اپنے ساتھ لے کر برہان پور کا رخ کروں گا۔'' اس پر وہ مخبر باہر نکل گیا تھا۔

دوسری طرف شاہ جہاں کے لشکر کے پڑاؤ میں سمترا اپنے خیمے میں عصر کی نماز ادا کرنے کے بعد کچھ دیر تک دعا مانگتی رہی' جب اپنی جگہ سے اٹھی مصلحہ لپیٹ کر اس نے ایک طرف رکھ دیا کہ خیمے میں ایک عورت داخل ہوئی' کچھ دیر تک مسکراتے ہوئے سمترا کی طرف دیکھتی رہی' پھر کہنے لگی۔

''بیٹی میں کچھ دیر سے تیرے خیمے سے باہر کھڑی تھی تو دعا مانگ رہی تھی۔ لہٰذا میں انتظار کرتی رہی۔ میں تم سے یہ کہنا چاہتی ہوں کہ تمہاری دعا قبول ہوئی۔''

سمترا کچھ پریشان سی ہو گئی' تجسس بھرے انداز میں اس خاتون کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

''میں سمجھی نہیں آپ کیا کہنا چاہتی ہیں؟''

اس پر عورت مسکرائی اور کہنے لگی......

''میرا شوہر اور میرا ایک بیٹا دونوں اس لشکر میں شامل ہیں۔ تھوڑی دیر پہلے میرے شوہر میرے خیمے میں آئے اور انہوں نے مجھے ایک اچھی خبر سنائی اور ایک ایسی خبر جو تمہاری ذات سے تعلق رکھتی ہے۔''

''کیسی اور کون سی خبر میری ذات سے تعلق رکھتی ہے۔'' اس کی طرف پھر غور سے دیکھتے ہوئے سمترا نے پوچھ لیا تھا۔

عورت پھر مسکرائی اور شفقت بھرے انداز میں سمترا کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''دیکھ بیٹی جس وقت تو عصر کی نماز ادا کرنے کے بعد دعا مانگ رہی تھی تو کیا تو نے اس دعا میں اپنے شوہر رستم خاں کی کامیابی کیلئے دعا نہیں مانگی۔''

جواب میں سمترا مسکرائی اور کہنے لگی۔

''ان کیلئے دعا تو میں ہر نماز کے بعد مانگتی ہوں' نماز کے علاوہ بھی جب مجھے فرصت ملتی ہے میں ان کی کامیابی اور فوز مندی کیلئے آرزو اور خواہش کرتی رہتی ہوں۔''

وہ خاتون پھر مسکرائی اور کہنے لگی۔

''اس بنا پر میں نے تم سے کہا ہے کہ تمہاری دعا قبول ہوئی' کیونکہ تھوڑی دیر پہلے کچھ قاصد شاہ جہاں کے پڑاؤ میں داخل ہوئے اور انہوں نے شاہ جہاں کو یہ اطلاع دی ہے کہ رستم خاں جو مانڈو کی مہم کی طرف گیا تھا اس نے وہاں باغیوں کو بدترین شکست دی ہے۔ باغی بھاگ گئے ہیں اور رستم خاں کے ہاتھ مال غنیمت کے ڈھیر لگے ہیں۔ آنے والوں نے یہ بھی انکشاف کیا گو باغی قوتوں کے لشکر کی تعداد رستم خاں کے لشکر سے چار گنا زیادہ تھی' پھر بھی رات کی تاریکی میں رستم خاں تیزی سے آگے بڑھا اور ان پر ایسا شب خوں مارا کہ صبح تک انہیں اس نے شکست سے دوچار کر کے رکھ دیا۔ اب رستم خاں اپنے لشکر کے ساتھ دشمن کے

پڑاؤ کی ہر شے سمیٹتا ہوا یہیں آ رہا ہے اور شاہ جہاں نے یہ بھی فیصلہ کیا ہے کہ رستم خاں کے پہنچنے تک ہمارا لشکر بھی یہی پڑاؤ کئے رہے گا۔''

ان الفاظ پر سمترا کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی تھی۔ لہٰذا اس خاتون کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''آپ نے مجھے ایک ایسی خوشی دی ہے جس کا میں اندازہ بھی نہیں کر سکتی تھی۔ مجھے یہ تو امید تھی کہ میرے شوہر رستم خاں دشمن سے خوب نمٹیں گے لیکن یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس قدر جلد اپنی مہم سے فارغ ہو کر واپس آنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔''

اس کے ساتھ ہی وہ عورت باہر نکل کر کہنے لگی۔ بیٹی دیکھ میں نے تجھے کیسی اچھی خبر دی ہے اب تو اس خبر سے لطف اندوز ہو اور میں جاتی ہوں' اس کے ساتھ ہی وہ خاتون خیمہ سے نکل گئی تھی۔

✧ ✧ ✧

اگلے روز شام سے تھوڑی دیر پہلے رستم خاں اپنے لشکر کے ساتھ شاہ جہاں کے پڑاؤ میں داخل ہوا۔ شاہ جہاں نے اپنے سالاروں اور جو امراء اس کے ساتھ تھے ان کے ساتھ بہترین انداز میں رستم خاں کا استقبال کیا' پھر رستم خاں اور نظام الدین دونوں کو شاہ جہاں اپنے خیمے میں لے گیا' اپنے سامنے بٹھایا' پھر بڑی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے رستم خاں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

میں نے تم دونوں کو جس مہم پر بھیجا تھا میری امیدوں سے کہیں زیادہ اس مہم پر تم دونوں پورے اترے ہو اور میں یہ اندازہ بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اس قدر جلدی تم اس مہم سے لوٹ آؤ گے۔ رستم خاں میرے بھائی تمہاری ذات پر میں جس قدر فخر کروں کم ہے۔ مجھے تمہارے بھیجے ہوئے قاصدوں نے بتایا تھا کہ باغیوں کا لشکر تمہارے لشکر سے چار گنا زیادہ تھا' پھر بھی تم نے انہیں زیر کر دیا۔ تم نے دشمن پر شب خون مارنے کا فیصلہ کر کے ایک عمدہ حربی منصوبہ بندی کا ثبوت دیا ہے۔ پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ جو سامان تم لے کر آئے ہو وہ ہمارے لشکر کی ضروریات کیلئے کئی ماہ کیلئے کافی ہے۔ مجھے امید ہے کہ جس طرح مانڈو کی اس مہم کو ہم نے سر کیا ہے اسی طرح برہان پور اور اس کے بعد دوسرے مقامات پر جہاں کہیں باغی جمع ہو رہے ہیں ہم ان کا صفایا کرتے چلے جائیں گے۔

رستم خاں نے شاہ جہاں کے ان الفاظ پر کچھ دیر خاموشی اختیار کی' پھر دھیمے لہجے میں کہنے لگا۔

آپ کی عزت ہماری عزت' آپ کا وقار ہمارا وقار ہے۔ ہم اپنی طرف سے پوری کوشش کریں گے کہ دکن میں آپ کامیاب اور کامران ہوں۔ وہ اس لئے کہ دکن میں آپ کو امتحان کے طور پر بھیجا گیا ہے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ دکن کی طرف آپ کو بھیجے جانے کیلئے اور بہت سی بھی وجوہات ہیں۔

یہاں تک کہتے کہتے رستم خاں کو رک جانا پڑا' بڑی سنجیدگی میں شاہ جہاں بول اٹھا۔

''رستم خاں تمہارا کہنا درست ہے دکن کی یہ مہم جہاں میرے لئے امتحان ہے۔ وہاں میرے لئے یہ کچھ دروازے کھول بھی سکتی ہے اور کچھ دروازے بند بھی کر سکتی ہے۔ دکن کی طرف مجھے دھکیلے جانے کیلئے نور جہاں نے میرے باپ کو رضامند کیا۔ نور جہاں کی یہ کوشش ہے کہ مجھے جس قدر ممکن ہو مرکز سے دور رکھے۔ اس لئے کہ میرے باپ کی موت کے بعد وہ نہیں چاہتی کہ میں ہندوستان کا شہنشاہ بنوں۔ میرے باپ کے بعد وہ میرے بھائی اور اپنے داماد شہریار کو تخت و تاج کا مالک دیکھنا چاہتی ہے لیکن خداوند قدوس کو منظور ہوا تو میں نور جہاں اور ان سب اہراتیوں کو جو اس کا ساتھ دے رہے ہیں اس گھناؤنی اور مکروہ سازش میں کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔''

شاہ جہاں کے خاموش ہو جانے پر چھاتی تانے ہوئے رستم خاں کہنے لگا۔

''زندگی اور موت کی ہر گھڑی میں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ آپ کی خاطر ہم سر کٹوا سکتے ہیں' پر آپ کی ذات پر حرف نہیں آنے دیں گے۔ اگر کسی نے آپ کو بزور قوت تخت و تاج سے محروم کرنے کی کوشش کی تو خداوند قدوس کو منظور ہوا تو اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔''

شاہ جہاں کچھ دیر تک خاموش رہ کر رستم خاں کے ان الفاظ سے لطف اندوز ہوتا رہا' کہنے لگا۔

''میرے بھائی اب تم خیمے میں جاؤ' تمہاری بیوی بڑی بے چینی سے تمہاری آمد کا انتظار کر رہی ہوگی۔''

اس کے ساتھ ہی رستم خاں اور نظام الدین دونوں شاہ جہاں کے خیمے سے نکلے۔

رستم خاں جب اپنے خیمہ میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا واقعی سمترا خیمے میں ایک کونے

سے دوسرے کونے تک بڑی بے چینی سے چہل قدمی کر رہی تھی' جونہی خیمے کے دروازے پر رستم خاں نمودار ہوا وہ رکی' چہرے پر خوشگوار تبسم نمودار ہوا پھر خیمے کے دروازے کی طرف بھاگی' رستم خاں کا ایک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا' پھر خیمہ کے وسط میں لے گئی۔ دونوں میاں بیوی نشستوں پر بیٹھ گئے' پھر غور سے رستم خاں کی طرف دیکھتے ہوئے سمترا کہنے لگی۔

''آپ کو لشکر گاہ میں داخل ہوئے کافی دیر ہو چکی ہے' آپ کہاں رہے؟'' سمترا کے اس استفسار پر رستم خاں مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

''شاہ جہاں مجھے اپنے خیمے میں لے گیا تھا۔'' سمترا خوش ہوگئی' پھر کہنے لگی۔

''سب سے پہلے میں آپ کو اس مہم کی کامیابی پر مبارکباد دیتی ہوں۔ سنا ہے اس مہم میں کافی مال ومتاع ہاتھ لگا ہے۔''

اس پر رستم خاں مسکرایا اور کہنے لگا۔

''سمترا تمہارا کہنا درست ہے۔ سارا سامان لشکر کے ایک حصے کی تحویل میں دے دیا گیا ہے۔ یہ سارا سامان کل لشکریوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ صرف اناج کے ذخائر اور بار برداری کیلئے استعمال ہونے والے جانور پورے لشکر کیلئے رکھ لئے جائیں گے۔''

سمترا نے کچھ سوچا' پھر کہنے لگی۔

''اب یہاں سے کب کوچ ہوگا؟''

رستم خاں نے کچھ سوچا' پھر کہنے لگا۔

''شاہ جہاں نے جب میرا اور میرے لشکر کا اپنے پڑاؤ میں استقبال کیا تو اس وقت اس نے کہا تھا کہ وہ میری آمد کا منتظر تھا' میرے خیال میں لشکر کل یہاں سے کوچ کرے گا۔''

اس کے ساتھ ہی سمترا اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی' ہاتھ بڑھا کر اس نے رستم خاں کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور اسے اٹھایا' پھر کہنے لگی۔ ''آپ میرے ساتھ آئیں میں آپ کا لباس تبدیل کرواتی ہوں۔'' اس کے ساتھ ہی رستم خاں چپ چاپ سمترا کے ساتھ ہولیا تھا۔ اگلے روز لشکر نے وہاں سے کوچ کیا تھا۔

شاہ جہاں اور رستم خان اپنے متحد لشکر کو لے کر برہان پور پہنچے۔ برہان پور میں باغیوں کا جو لشکر تھا اسے پہلے ہی شاہ جہاں رستم خاں کی آمد کی اطلاع ہو چکی تھی۔ انہیں یہ بھی خبر ہو چکی تھی کہ مانڈو میں جو لشکر تھا اسے شاہ جہاں کے سالار رستم خاں نے شکست دے دی ہے۔ اس

شکست کے بعد جو باغی عناصر وہاں سے بھاگے تھے وہ برہان پور میں آ کر جمع ہوگئے تھے۔ اس وجہ سے برہان پور میں باغیوں کی طاقت اور قوت میں اضافہ ہوا تھا۔

جس روز شاہ جہاں اور رستم خاں برہان پور پہنچے اس کے اگلے روز باغیوں کے لشکر نے جنگ کی ابتداء کرنے کیلئے اپنی صفوں کو درست کرنا شروع کیا تھا۔ یہ دیکھتے ہوئے شاہ جہاں اور رستم خاں بھی اپنے لشکر کی صفیں درست کرنے لگے تھے۔ لشکر کو انہوں نے دو حصوں میں ہی تقسیم رکھا' ایک حصہ شاہ جہاں کے پاس رہا اور دوسرا رستم خاں کے پاس' کچھ دیر دونوں لشکر اپنی صفیں درست کرتے رہے۔ اس کے بعد باغیوں کے سالاروں نے اپنے لشکر کو آدمیت کا ضمیر' انسانیت کا وقار مجروح کرتے قاتل یادوں کے قافلوں کی طرح آگے بڑھایا' پھر وہ شاہ جہاں کے لشکر پر شیرازہ جان منتشر کرتے چڑھتے' ساگر کی ابتلاؤں بکھری خاموشیوں میں سنگین کرب کے غلاف اتارتی تخریب کاری کی تند آندھیوں اور ناگ پھنی کے جنگل میں دھوپ سایوں کی ستہزہ کاری اور بھٹکتے فضا کے سایوں کی طرح حملہ آور ہوگئے تھے۔

ان کے لشکر کے ساتھ ہی ساتھ شاہ جہاں نے بھی اپنے لشکر کو سیٹیاں بجاتی ہواؤں کے تیز طوفانی انداز میں آگے بڑھا' پھر وہ بھی باغیوں کے لشکر پر صدیوں کی بوسیدہ اداسیوں میں ہر روگ سوگ کے تمام معرکوں کو منجمد کرتے موت کے سایوں کے ہجوم' چمکتی تیغوں کی روانی میں ہر شے لطافت و شادابی دھو ڈالنے والے برستے شرر کے ہیجان اور جھوم کر اٹھتے تند طوفانوں کی طرح دشمن کے لشکر پر حملہ آور ہوگیا تھا۔ شاہ جہاں کے بعد رستم خاں نے بھی اپنے حصے کے لشکر کو خون کی طغیانیوں کے بحر اور آتش و آہن کے سیل کی طرح آگے بڑھنے کا حکم دیا' پھر وہ باغیوں کے لشکر کے ایک حصے پر نبض نبض کو برہم کرتی خشمناک فطرت' امیدوں کو اجاڑ اجاڑ' ارادوں کو لہولہو' خواہشوں کو ویراں ویراں کرتی اندیشوں کی طغیانیوں اور قضا کے اڑتے ہیولوں کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔

یوں دونوں لشکر ایک دوسرے پر تخریب کی آتش کھڑی کرتے خوف کے ہیجان' تشنہ دہن بستیوں پر سلگتے پیاسے سراب طاری کرتی کوہساروں پر کڑکتی چمکتی برق کی طرح حملہ آور ہونے لگے تھے۔

باغی قوتیں شاہ جہاں اور رستم خاں کے سامنے زیادہ دیر نہ ٹھہر سکیں اور جلد ہی ان کی روح اور جسم کی دیواریں گرنے لگیں۔ ان کے ہرتن کے اندر لہو کے راستے ختم ہونے لگے۔

موت کی بپھری لہریں دکھ کے ساگر کی طرح ان کے لشکریوں کو ریزہ ریزہ کرنے لگی تھیں اور دھرتی جسموں کے انحطاط سے سرخ ہونے لگی تھی۔

آخرکار اس جنگ میں بھی شاہ جہاں اور رستم خاں کامیاب اور فتح مند رہے اور باغی قوتوں کو بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

اس کے بعد دوسرے علاقوں میں جہاں کہیں بھی بغاوت کے آثار تھے وہ شاہ جہاں اور رستم خاں دونوں نے مل کر ختم کر دیئے۔ اب دکن کی باغی قوتیں اپنے لئے خطرہ محسوس کر رہی تھیں۔ گو انہوں نے مغلوں کے شہر احمد نگر پر قبضہ کر رکھا تھا اور وہ اپنی طاقت اور قوت کا مرکز بن چکے تھے۔ مانڈو اور برہان پور کے مقام پر شاندار فتوحات حاصل کرنے کے بعد اب شاہ جہاں اور رستم خاں کے سامنے بھی یہی ہدف تھا کہ اب احمد نگر پر حملہ آور ہونا ہے۔ وہ ہر صورت احمد نگر کو دوبارہ اپنی سلطنت میں شامل کرنا چاہتے تھے۔ لہٰذا چند دن تک وہ اپنی تیاریوں میں مصروف رہے۔ اس دوران ملک عنبر جو دکن سب سے بڑی باغی تھا اور جو بیجاپور' احمد نگر اور گول کنڈہ کی ریاستوں کے حکمرانوں کے ساتھ مل کر مغلوں کے علاقوں پر ہاتھ صاف کرتا تھا وہ اپنے لئے خطرہ محسوس کرنے لگا تھا۔ اس لئے اسے خبریں پہنچ گئیں کہ شاہ جہاں اور اس کا سالار رستم خاں دونوں دکن میں پہنچ چکے ہیں اور انہوں نے مانڈو اور برہان پور کے مقام پر باغی قوتوں کو بدترین شکست دی ہے اور وہ اب احمد نگر پر حملہ آور ہونے کیلئے پر تول رہے ہیں۔

اس صورتحال کو ملک عنبر نے ہی نہیں بیجاپور' احمد نگر اور گول کنڈہ کی ریاستوں نے بھی خطرہ محسوس کیا۔ چنانچہ سب سے پہلے ملک عنبر حرکت میں آیا اور اس نے شاہ جہاں کے ساتھ صلح کی درخواست کی۔

شاہ جہاں نے ملک عنبر کی اس مصالحانہ رویہ کو اس لئے غنیمت جانا کہ اس کے لشکر کو رسد کے علاوہ ضروریات زندگی کی فراہمی کے سلسلے میں بھی دشواریاں پیش آ رہی تھیں۔ لہٰذا وہ اس صلح پر آمادہ ہو گیا۔ وقتی طور پر اس نے ملک عنبر کو معاف کر دیا۔

اس کے علاوہ باغیوں نے تمام مغل مقبوضات شاہ جہاں کو دینے کے علاوہ چودہ کوس کا علاقہ اور بیجاپور اور احمد نگر اور گول کنڈہ کی ریاستوں کی طرف سے پچاس لاکھ روپے بطور خراج ادا کرنے پر آمادگی بھی ظاہر کر دی۔ چنانچہ شاہ جہاں نے اسے بھی منظور کر لیا اور سب باغی

قوتوں کے ساتھ ایک طرح کی صلح ہو گئی اور باغی قوتیں مغلوں کے علاقے واپس کر کے اپنے اپنے ٹھکانوں کو ہولیں۔

یہ سارا کام سرانجام دینے' باغیوں کا سر کچلنے اور ان سے اپنے سارے علاقے واپس لینے کی اطلاع اس نے تیز رفتار قاصدوں کیلئے جہانگیر کو بھی کر دی تھی۔

جہانگیر کو جب دکن کے حالات درست ہونے اور باغی قوتوں کی لگاتار شکست کی خبر پہنچی تو اس نے بے پناہ خوشی اور اطمینان کا اظہار کیا اور اس کی نگاہوں میں شاہ جہاں کی قدر و قیمت بڑھ گئی۔ شاہ جہاں سے جو کوئی شکوہ اسے پہلے تھا وہ سب ختم ہو گیا۔ اس طرح کی خبر ملنے کے بعد بقول مؤرخین' جہانگیر نے فتح کا جشن منانے کا حکم دیا تھا۔

اسی دوران جہانگیر کو ایک بری خبر بھی ملی' وہ یہ کہ جس وقت شاہ جہاں دکن کی مہم پر روانہ ہوا تھا وہ اپنے بڑے بھائی خسرو کو بھی اپنے ساتھ لے گیا تھا اور جس وقت جہانگیر فتح کا جشن منا رہا تھا اسے خسرو کی موت کی اطلاع ملی۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ بیٹے کی موت نے اسے غمزدہ کر دیا۔ گو اس نے کبھی جہانگیر کے خلاف بغاوت کی تھی' لیکن بغاوت کے جرم کے ارتکاب کے باوجود جہانگیر اپنے بڑے بیٹے خسرو سے بہت پیار کرتا تھا۔

مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ خسرو نے جنوری 1622ء میں برہان پور وفات پائی۔ خسرو کی وفات کے بارے میں یہ فیصلہ نہیں کیا جا سکا کہ وہ کسی سازش کی بنا پر واقع ہوئی۔ جیسا کہ شاہ جہاں نے جہانگیر کو اطلاع دی کہ وہ دردِ قولنج سے فوت ہوا۔

ایک خیال یہ بھی ہے کہ ملک عنبر کو مغلوب کرنے کے بعد شاہ جہاں کے دل میں یہ خیال آیا کہ تخت و تاج حاصل کرنے کیلئے شاہ جہاں کے راستے میں سب سے بڑا کانٹا اس کا بھائی خسرو تھا۔ چنانچہ اس راستے کو صاف کرنے کیلئے اس نے فیصلہ کیا کہ اسے قتل کر کے تخت و تاج کی راہ صاف کی جائے' کچھ مؤرخین نے خسرو کی موت کو شک و شبہ سے بالاتر قرار دیا ہے۔ بعض مؤرخ خسرو کی موت کو یقینی طور پر قتل قرار دیتے ہیں۔

اس کے علاوہ مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ خسرو کی موت کو شبہ کی نگاہ سے دیکھنے والوں کے مطابق اسے گلا گھونٹ کر ہلاک کیا گیا تھا۔ خسرو کو برہان پور میں بطور امانت دفن کرنے کے بعد جہانگیر کے حکم سے دوبارہ خلد آباد کے باغ میں اپنی ماں کے پہلو میں دفن کیا گیا اور

اس باغ کو خسرو باغ کا نام دیا گیا۔ یہ باغ آج تک موجود ہے۔

خسرو کے معاملے میں جہانگیر کا دل شاہ جہاں کی طرف سے بالکل صاف تھا اور پھر شاہ جہاں نے دکن جیسی کڑی مہم کو جہانگیر کی خواہش کے مطابق بالکل سیدھا کر دیا تھا۔ اس نے نہ صرف باغی قوتوں سے اخراج وصول کیا بلکہ مغلوں کے جن علاقوں پر ان قوتوں نے قبضہ کر لیا تھا وہ سارے علاقے شاہ جہاں نے واپس لئے بلکہ مزید علاقے اس نے مغل سلطنت میں شامل کئے تھے۔

✧ ✧ ✧

دکن کے حالات درست ہونے پر جہانگیر نے اطمینان اور طمانیت کا اظہار کیا تھا' لیکن جلد ہی جہانگیر کیلئے ایک اور بری خبر اور ایک اور حادثہ اٹھ کھڑا ہوا' وہ اس طرح کہ خسرو کی وفات کے چند دن بعد جہانگیر کو مغربی سرحدوں پر گڑبڑ کی اطلاع ملی۔ ایران کے بادشاہ عباس کی طرف سے دوستی کی علامت کے طور پر وقتاً فوقتاً جہانگیر کے پاس سفارتیں اور تحائف بھیجے جاتے رہے تھے۔ اس سلسلہ میں ایک سفارت 1616ء اس وقت اجمیر بھیجی گئی جب سر تھامس رو بھی دربار میں بھی موجود تھا۔ اس کے بعد ایک مغل نمائندہ ایران یا' جہاں اس کا غیر معمولی خیر مقدم کیا گیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ بقول سر ولزے ہیگ یہ سب کچھ ایران کے شاہ عباس کی طرف سے اپنی جارحانہ کارروائیوں پر پردہ پوشی کیلئے منافقانہ اقدام تھے۔

1620ء میں چوتھی سفارت بھیجی گئی' مگر اس کے فوراً بعد سرحدوں پر ایرانیوں کی طرف سے جارحانہ کارروائیوں کا آغاز ہو گیا۔ قندھار میں مغلوں کا ایک چھوٹا سا ایک لشکر اور توپ خانہ چنانچہ ایرانی لشکر حملہ آور ہوا اور مغل توپ خانے کو شکست ہوئی' اس کی بڑی وجہ کے بیشتر مغل فوج دکن کی مہم میں مصروف تھی۔

ایرانوں کے اس اقدام سے مغل وقار کو سخت صدمہ پہنچا تھا' ساتھ ہی جہانگیر کو یہ بھی اطلاع ملی کہ ایرانی لشکر مختلف مقامات پر بڑی تعداد میں جمع ہو رہے ہیں۔ چنانچہ شاہ جہاں کو سرحدی تحفظ کا حکم دیا گیا۔ اس سے پہلے کہ شاہ جہاں کوئی اقدام کرتا قندھار کے شہر پر ایرانی قبضہ کی اطلاع ملی۔ اس کے فوراً بعد ایرانی لشکر کی سندھ کی طرف پیش قدمی کی خبر بھی آنے لگی۔ اس طرح گویا قندھار پر قبضہ کر کے اور پھر مشرق کی طرف پیش قدمی کر کے ایرانیوں نے ہندوستان میں مغلوں کے مفادات کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تھی۔

ان حالات میں جہانگیر کو زیادہ سے زیادہ لشکر اور سامان رسد کی ضرورت تھی۔ اس موقع

پر جہانگیر کو مغل لشکر کے پاس موجود سامان رسد پر قناعت کر کے لشکر روانہ کرنے کا مشورہ دیا گیا تھا۔ لیکن جہانگیر چاہتا تھا کہ تعداد اور رسد کے اعتبار سے لشکر اتنا مضبوط ہو جو کم از کم ایرانیوں کے مرکزی شہر اصفہان تک پہنچ سکے' اس لئے کہ ان دنوں اصفہان ایران کا دارالحکومت تھا۔

اسی دوران ثمرقند کے حکمران امام قلی کی طرف سے جہانگیر کو مدد کی پیشکش ہوئی۔ امام قلی کی طرف سے ایک نمائندہ دربار جہانگیری میں پہنچا' جس نے تجویز دی کہ نہ صرف قندھار کو ازسرنو فتح کیا جائے بلکہ خراسان کے خلاف بھی مہم روانہ کی جائے۔ اس طرح ایرانیوں پر ضرب لگائی جائے۔

لیکن جہانگیر نے اس تجویز سے اتفاق نہ کیا۔

شاہ جہاں کو جب اپنے باپ جہانگیر کا یہ حکم ملا کہ وہ مغرب کا رخ کرے۔ ایرانیوں سے قندھار واپس لے اور ایرانیوں کو مار کر قندھار سے نکال باہر کرے' پہلے قدم کے طور پر شاہ جہاں نے برہان پور سے اپنے لشکر کا کچھ حصہ لے کر فوری طور پر روانہ کر دیا اور ساتھ ہی تیز رفتار قاصد اس نے جہانگیر کی طرف روانہ کئے اور یہ مطالبہ کیا اسے اپنے کنبہ یعنی بیوی بچوں کی رہائش کیلئے رنتھمبور میں رہنے کی اجازت دی جائے۔ نیز وہ نہ کلی طور پر خودمختار سپہ سالار ہو بلکہ پنجاب کی گورنری بھی اسے دی جائے۔

دراصل ان مطالبات کے پس پردہ شاہ جہاں کے پیش نظر اپنی سوتیلی ماں نور جہاں کی کارروائیاں اور جہانگیر کی وفات کی صورت میں نور جہاں کی طرف سے اپنے داماد شہریار کو تخت نشین کرنے کی کوشش تھی۔

جہانگیر نے نور جہاں کے کہنے پر ان مطالبات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ شاہ جہاں کو حکم دیا گیا اگر وہ موسم برسات کے دوران اس مہم پر روانہ ہونا نہیں چاہتا تو کم از کم بہترین اور اعلیٰ عسکری سالاروں کو روانہ کر دے تاکہ ایرانیوں کی پیش قدمی کو روکا جائے اور ان سے قندھار واپس لیا جائے۔

جہاں تک قندھار کا تعلق ہے تو یہ بنیادی طور پر افغانستان کا ایک قدیم تاریخی شہر ہے جو ایک صوبہ کا بھی نام ہے۔ یہ تقریباً ہر دور میں تجارت اور حکومت کا مرکز بھی رہا ہے۔ صوبہ قندھار آج کل افغانستان کے مشہور درانی قبیلہ کا سب سے بڑا علاقہ ہے۔ اسلامی تاریخ میں

اس شہر کا ذکر ہجری 545 میں آیا ہے۔ اس کے بعد کے زمانہ میں تیمور کے ہاتھوں قندھار کی فتح کا ذکر ملتا ہے۔

پندرہویں صدی کے اختتام پر قندھار سلطان حسین کی سلطنت کا حصہ تھا۔ اسی زمانے میں قندھار کا نام پہلی بار سکوں پر مضروب ہوا۔

حسین کے عہد میں ارغون سردار ذوالنون بیگ نے قندھار کو اپنا دارالحکومت بنایا۔ اس کے بعد تاشقند اور ثمرقند کے حکمران شیبانی خاں سے لڑائیوں میں ذوالنون بیگ کی وفات کے بعد اس کے بیٹے شاہ بیگ ارغون کو مغل شہنشاہ بابر نے ہجری 913 میں قندھار سے نکال دیا۔ لیکن بعد میں شاہ بیگ دوبارہ اس پر قابض ہوا' بابر نے اسے دوبارہ فتح کر لیا۔ پھر یہ مستقل طور پر مغلیہ سلطنت کا حصہ رہا۔

بابر کی وفات کے بعد کابل اور قندھار کی حکومت اس کے بیٹے کامران کو ملی اور وہ اس پر اس زمانے میں بھی قابض تھا جب اس کا بھائی ہمایوں ہندوستان سے جلاوطن کر دیا گیا ہمایوں کی جلاوطنی ختم ہونے کے بعد ہمایوں نے ہی ایرانی لشکر کی وجہ سے قندھار کا محاصرہ کیا' اسے فتح کرنے کے بعد ایرانیوں کے حوالے کر دیا۔ لیکن بعدازاں اس سے واپس لے لیا۔ اکبر کے عہد کے ابتدائی ایام یعنی ہجری 965ء میں ایرانیوں نے قندھار پر قبضہ کر لیا اس پر اکبر نے بڑی برہمی کا اظہار کیا۔ حملہ آور ہوا اور قندھار ان سے واپس لے لیا۔

دراصل جہانگیر کے دور حکومت میں ایران پر صفوی حکمرانوں کی حکومت تھی اور اس خاندان کا بادشاہ اسماعیل صفوی تھا۔ اسماعیل کو اپنی حکومت کے شروع میں کافی کامیابیاں حاصل ہوئی تھیں۔ لہٰذا اس کا دماغ خراب ہو گیا اور وہ یہ سمجھنے لگا کہ وہ ناقابل تسخیر ہے اور کوئی قوت اسے شکست سے دوچار نہیں کر سکتی۔ اپنے اسی زعم کو مدنظر رکھتے ہوئے اسماعیل صفوی نے مسلکی اختلاف کو ہوا دی اور ایران کے اندر اس نے سنی مسلمانوں کے قتل کا حکم دے دیا۔ اس حکم کے نتیجہ میں ان گنت مسلمانوں کے علاوہ بڑے بڑے علماء بھی مارے گئے۔ اسماعیل صفوی کی اس حرکت پر سمرقند اور تاشقند کے حکمران شیبانی خاں نے بھی آواز بلند کی' جس کے نتیجے میں اسماعیل صفوی شیبانی خاں سے ٹکرایا' اس جنگ کے دوران شیبانی خاں مارا گیا۔ اسماعیل صفوی نے اس کے سر کا پیالہ بنایا اور اس پر سونا چڑھایا' پھر اس کے اندر پانی پیا کرتا تھا۔ گویا اس نے فتح اور کامیابی کے نشہ میں چنگیز خان جیسا کردار ادا کرنا شروع کر دیا تھا۔

اسماعیل صفوی کے اس اقدام پر ترک حکمران سلطان سلیم نے جب آواز بلند کی تو اسماعیل صفوی اس کے خلاف بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ چنانچہ سلطان سلیم اور اسماعیل صفوی کے درمیان تبریز کے نواح میں ایک ہولناک جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں ترک سلطان سلیم نے اسماعیل صفوی کو بدترین شکست دی اور آگے بڑھ کر اس نے تبریز پر قبضہ کرلیا۔ اس بدترین شکست اور پھر تبریز پر سلطان سلیم کے قبضہ ہوجانے سے اسماعیل صفوی کا سارا فتح مندی کا نشہ ہرن ہوگیا اور وہ سلطان سلیم کے آگے اپنی جان بچانے کیلئے ایک شہر سے دوسرے شہر بھاگتا پھرا۔

افسوس کا مقام ہے کہ اس شیعہ سنی تصادم کی بدولت مسلمانوں کی قوت کو بڑا ضعف پہنچا' جس کے نتیجے میں یورپی اقوام کو ایران اور ترکی کے معاملات میں مداخلت کرنے کا موقع مل گیا۔ یہاں تک کہ اسماعیل صفوی نے ایک اور غیر دانش مندانہ اقدام کیا اور اس نے یورپ کے حکمران میکملن اول کے ساتھ دوستانہ روابط بڑھائے اور اسے عثمانی ترکوں پر حملہ آور ہونے کیلئے اکسایا۔

اسماعیل صفوی کے بعد اس کا بیٹا طہماسپ اول حکمران بنا۔ اس کے بعد اسماعیل دوئم ایران کا بادشاہ ہوا' پھر خدا بندہ ایران کا شہنشاہ بنا اور اس کے بعد شاہ عباس ایران کے حکمران کی حیثیت سے سامنے آیا اور اسی کے دوران حکومت میں ایرانیوں نے پیش قدمی کرکے قندھار پر قبضہ کرلیا تھا۔ گو جہانگیر کے عہد میں نور جہاں کی وجہ سے جو مملکت کے اندر اندرونی خلفشار رہا اس کی بنا پر وقتی طور پر قندھار مغلوں سے چھن گیا تھا۔ اس طرح جہانگیر کے پورے دور میں قندھار ایرانیوں کے قبضہ میں رہا۔ جہانگیر کے بعد جب شاہ جہاں ہندوستان کا بادشاہ بنا تب اس نے ایک لشکر تیار کیا' ایرانیوں پر حملہ آور ہوا' انہیں بدترین شکست دی اور قندھار اس نے واپس لے لیا۔

مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ شاہ جہاں کے بعد قندھار ایک طویل عرصہ تک ایران کے صفوی بادشاہوں کے زیر نگین رہا' بعد میں غازیوں نے بغاوت کرکے ایرانیوں کو قندھار سے نکال دیا اور ایران پر حملہ کردیا اور ایک شخص محمود صفوی خاندان کی حکومت کا صفایا کرکے ایران کا حکمران بن بیٹھا۔ چنانچہ اس نے اپنے بھائی کو قندھار کا حاکم مقرر کیا۔
نادر شاہ کے عہد میں یہاں ابدالیوں کو دوبارہ بسایا گیا۔ ابدالیوں کے سردار احمد شاہ

ابدالی نے نادر شاہ کے انتقال کے بعد قندھار پر قبضہ کرکے دوران سلطنت کی بنیاد رکھی' قندھار کو اپنا دارالحکومت بنایا۔

انیسویں صدی کے وسط میں انگریزوں نے اس پر قبضہ کرلیا۔ انگریز اس پر 1842ء تک قابض رہے۔ اس کے بعد دوست محمد بارک زئی یہاں کا حکمران رہا۔ اس کی وفات کے بعد جب اس کے بیٹوں نے خانہ جنگی شروع ہوئی تو قندھار پر مختلف حکومتوں کا دور گزرا۔

1880ء کے بعد اندرونی خانہ جنگوں کی وجہ سے انگریزوں نے قندھار سمیت پورا ملک عبدالرحمٰن خاں کو تفویض کرکے اسے امیر افغانستان تسلیم کرلیا۔ اس طرح قندھار کی الگ ریاست کا خاتمہ ہوا' اس وقت سے قندھار افغانستان کے ایک صوبہ اور شہر کا نام ہے۔

✧ ✧ ✧

جہانگیر نے جب اپنے بیٹے شاہ جہاں کی شرائط کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا اور یہ انکار چونکہ نور جہاں کی وجہ سے تھا۔ اس بناء پر شاہ جہاں نے قندھار پر حملہ آور ہونے سے انکار کردیا۔ شاہ جہاں کو جب خبر ہوئی کہ اس کے باپ نے اس کی شرائط ماننے سے نور جہاں کے کہنے پر انکار کیا ہے تب اسے یقین ہوگیا کہ نور جہاں اسے مرکز سے دور رکھنا چاہتی ہے اور اس کی غیر موجودگی میں اگر جہانگیر اس دنیا فانی سے کوچ کرتا ہے تو وہ اپنے داماد شہریار کو ہندوستان کے تخت وتاج کا مالک بنادے گی۔ ان حالات کا جائزہ لیتے ہوئے شاہ جہاں اپنے مفادات کی خاطر شش وپنج میں پڑگیا تھا اور اس نے قندھار کی طرف کوچ کرنے کے بجائے برہان پور ہی میں قیام رکھا۔

اسی دوران مغل سلطنت کے اندر ایک اور تنازع اٹھ کھڑا ہوا۔ ہوا یوں کہ دھول پور کا علاقہ شاہ جہاں اور اس کے بھائی شہریار کے درمیان تنازع کا باعث بن گیا۔ چونکہ شہریار کو بھی جہانگیر نے کچھ علاقوں کا حاکم بنا رکھا تھا۔ لہٰذا دھول پور پر شہریار اپنا حق جمانے لگا جبکہ شاہ جہاں اس کو اپنا علاقہ خیال کرنے لگا۔ اس طرح دھول پور پر دونوں بھائی اپنا حق جتا رہے تھے۔ آخر دونوں کے لشکریوں کے کچھ حصوں کے درمیان ٹکراؤ ہوا' جس میں شاہ جہاں کا پلہ بھاری رہا۔ اس دوران جہانگیر نے شاہ جہاں کو ایک بار پھر اپنے مطالبات سے دستبردار ہوکر قندھار جانے کیلئے کہا' لیکن شاہ جہاں نے صاف انکار کردیا' اس لئے کہ وہ نور جہاں کی سازشوں کو سمجھ رہا تھا اور وہ جان گیا تھا کہ اس کی غیر موجودگی میں نور جہاں کیا چال چلے گی اور

اسے کس طرح تخت و تاج سے محروم کر دیا جائے گا۔

ان حالات میں جب شاہ جہاں نے ایرانی لشکر پر حملہ آور ہو کر قندھار واپس لینے سے انکار کر دیا' تب جہانگیر نے اپنے دوسرے بیٹے یعنی نور جہاں کے داماد شہر یار کو قندھار پر حملہ آور ہو کر قندھار لینے کا حکم دیا۔ اس کی کمان داری میں ایک خاصہ بڑا لشکر بھی دیا۔

لیکن شہر یار جنگ کا کوئی تجربہ نہیں رکھتا تھا۔ اس مہم میں وہ کامیاب نہ رہا۔ اس کے بعد جہانگیر اور شاہ جہاں کے درمیان حالات مزید خراب ہو گئے۔ اس لئے نور جہاں کے انگیخت کرنے پر جہانگیر نے جو اقدام کیا وہ شاہ جہاں کو مشتعل کرنے کیلئے بہت کافی تھا۔ جہانگیر نے پنجاب میں شاہ جہاں کی تمام جاگیریں شہر یار کے نام منتقل کر دیں۔ شاہ جہاں نے اس سلسلے میں اپنے سالاروں کی وساطت سے جہانگیر کی خدمت میں درخواست کی جو مسترد کر دی گئی۔

چنانچہ شاہ جہاں نے کھلم کھلا جہانگیر کے خلاف بغاوت کر دی اور آگرہ کی طرف بڑھنے لگا۔ اس نے وہ تمام خزانہ بھی اپنے قبضہ میں لے لیا جو قندھار کی مہم کیلئے مختص کیا گیا تھا۔ اس طرح شاہ جہاں آگے بڑھا تاکہ آگرہ کا محاصرہ کر لے۔

جہانگیر اور شاہ جہاں کے اس تنازع میں بیشتر سالاروں نے طرفین میں سے کسی ایک سے وفاداری کی جگہ ذاتی مفادات اپنا معیار بنا لیا۔ آصف خاں جو شاہ جہاں کا سسر تھا جس کی بیٹی حضرت محل شاہ جہاں کی بیوی تھی اس نے بھی شاہ جہاں سے بے وفائی کی اور شاہ جہاں کے بجائے آصف خاں نے اپنی بہن نور جہاں کا ساتھ دیتے ہوئے ایک طرح سے اپنے داماد شاہ جہاں کے ساتھ غداری کی تھی۔

ان حالات کی خبر جب نور جہاں کو ہوئی تو اس نے مہابت خاں کو جو اس وقت بنگال میں تھا شاہی لشکر کی کمان داری سنبھالنے کیلئے طلب کر لیا۔ اسے جہانگیر کے لشکروں کا سپہ سالار اعلیٰ بنا دیا۔ مہابت خاں بنیادی طور پر خود بھی ایرانی تھا۔ لہٰذا نور جہاں ایرانی ہونے کے ناتے اس سے فائدہ اٹھانا چاہتی تھی۔ مہابت خاں کے علاوہ اور بہت سے سالاروں کو بھی نور جہاں نے اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ شاہ جہاں کا ساتھ صرف خان خاناں دے رہا تھا۔

شاہ جہاں نے آگرہ کی طرف پیش قدمی کی لیکن آگرہ کو تسخیر کرنے میں وہ ناکام رہا۔ یہ شہر شاہی خزانے کی موجودگی کی وجہ سے بہت اہمیت کا حامل تھے۔ غصے اور انتقام میں آ کر شاہ جہاں نے شہر کو لوٹ لیا' کیونکہ اس شہر کی کوئی فصیل نہ تھی۔ لہٰذا اسے کوئی دشواری پیش نہ

آئی۔ اس کے بعد وہ شمال کی طرف شاہی افواج کے مقابلے کی غرض سے روانہ ہوا۔ یہ ٹکراؤ مارچ 1623ء میں ہوا اور یہ ٹکراؤ جس جگہ ہوا اس جگہ کا نام بلوچ پور تھا۔ یہاں بدقسمتی سے شاہ جہاں کو ناکامی اور شکست کا منہ دیکھنا پڑا اور اس مقابلے کے دوران شاہ جہاں کا ایک نہایت قابل سالار رائے رایان بھی مارا گیا۔ رائے رایان جسے عموماً سندر نام سے یاد کیا جاتا تھا برہمن تھا اور شاہ جہاں کا نائب رہنے کے علاوہ گجرات کا وائسرائے بھی رہ چکا تھا۔ شاہی افواج نے اس کا سر قلم کر کے جہانگیر کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ اس طرح شکست کے بعد شاہ جہاں مانڈو کی طرف پسپا ہو گیا۔

مانڈو پہنچ کر شاہ جہاں نے اپنے لشکر کا پڑاؤ کیا۔ سارے سالاروں کو ایک جگہ جمع کیا اور کافی دیر تک ان کے ساتھ صلاح مشورہ کرتا رہا۔ چند روز تک اس نے مانڈو ہی میں قیام کئے رکھا۔ یہاں تک کہ شاہ جہاں کو یہ خبریں ملیں کہ نور جہاں کے کہنے پر جہانگیر نے تین بڑے لشکر اس سے نمٹنے کیلئے تیار کئے ہیں۔ سب سے بڑا لشکر مہابت خاں کی کمان داری میں دیا گیا ہے۔ مہابت خاں کو مغل عساکر کا سپہ سالار اعلیٰ بھی مقرر کر دیا گیا ہے۔

دوسرا لشکر جہانگیر نے اپنے بیٹے پرویز کی کمان داری میں دیا تھا اور تیسرا لشکر اور بخش کے تحت رہا تھا۔ یہ اور بخش جہانگیر کے بڑے بیٹے خسرو کا لڑکا تھا۔ جہانگیر نے سب سے پہلے اپنے بیٹے پرویز اور پوتے اور بخش کو دو بڑے لشکروں کے ساتھ دو مختلف سمتوں کی طرف روانہ کیا۔ پرویز کو حکم دیا گیا کہ وہ مانڈو کا رخ کرے جبکہ اور بخش کیلئے یہ حکم جاری کیا گیا کہ وہ احمد آباد کا رخ کرے اور دونوں لشکر اپنے اپنے ہدف پر قبضہ کرنے کے بعد یکجا ہوں اور پھر شاہ جہاں سے نمٹیں۔ ان دونوں پر یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ دکن کے مزید علاقوں پر ضرب لگانے اور دکن سے اٹھنے والی ساری بغاوتوں کو کچلنے کیلئے ان کے پیچھے پیچھے مہابت خاں بھی ایک بہت بڑا لشکر لے کر پہنچ جائے گا۔

چنانچہ شاہ جہاں نے اپنے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک حصہ اپنے پاس رکھا' خود وہ مانڈو ہی میں قیام کئے رہا تاکہ اگر پرویز اس کا رخ کرے تو اس سے نمٹ سکے جبکہ رستم خاں کو دوسرے لشکر کی کمانداری دے کر اور بخش سے نمٹنے کیلئے احمد آباد کی طرف جانے کا فیصلہ کیا گیا تھا اور نظام الدین کو شاہ جہاں نے رستم خاں کے نائب کی حیثیت سے مقرر کر دیا تھا۔

رستم خاں نے مانڈو سے اور بخش سے نمٹنے کیلئے احمد آباد کا رخ کرنا تھا۔ اس سے ایک

روز پہلے کچھ قاصد آگرہ کی طرف سے آئے اور انہوں نے یہ خبر دی کہ رستم خاں کا باپ فرید خان فوت ہو گیا ہے۔ اس موقع پر جب وہ قاصد آئے اور یہ خبر دی شاہ جہاں اور رستم خاں دونوں اکٹھے بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ خبر سن کر رستم خاں ایک طرح سے بجھ سا گیا تھا۔ شاہ جہاں کافی دیر تک رستم خاں کو تسلی دیتا رہا، پھر اس کا شانہ تھپتھپایا اور کہنے لگا۔

"رستم خاں تم میرے سالار ہی نہیں میرے چھوٹے بھائی بھی ہو، اگر تم سمجھتے ہو کہ باپ کی موت کے بعد تمہارا آگرہ جانا ضروری ہے تو تم تیاری کرو آج ہی روانہ ہو جاؤ۔ سمترا کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤ۔"

اس پر رستم خاں کہنے لگا۔

"آپ کیسی باتیں کرتے ہیں۔ ان حالات میں جب کہ چاروں طرف سے مصیبتیں اُمڈ کر آپ کی طرف آ رہی ہیں میں کیسے اور کیونکر آپ کو چھوڑ کر جا سکتا ہوں، جہاں تک میرے باپ کا تعلق ہے اسے تو دفن کر دیا گیا ہو گا، اب میں وہاں جا کر اس کا منہ تو نہیں دیکھ سکتا اور جو حالات آپ کی طرف بڑھ رہے ہیں ان حالات میں میں آپ کو اکیلا بھی نہیں چھوڑ سکتا۔ لہٰذا میں آگرہ نہیں جاؤں گا۔ یہیں آپ کے ساتھ رہوں گا اور جس طرح آپ حالات کا مقابلہ کریں گے ایسے ہی میں بھی ان حالات کا سختی سے سامنا کروں گا۔ مجھے امید ہے ایک نہ ایک روز ہمارے لئے یہ حالات آسودگی کا دامن ضرور پھیلائیں گے۔"

رستم خاں کے یہ الفاظ سن کر شاہ جہاں کچھ دیر تک بڑی عقیدت مندی سے اس کی طرف دیکھتا رہا، پھر اسے اپنے ساتھ لیا اور پھر کہنے لگا۔

"مجھے ڈھونڈنے سے بھی تمہارے جیسا سالار اور بھائی نہیں ملے گا۔" اس کے بعد دونوں مل کر باقی سالاروں کے ساتھ پرویز اور بخش سے نمٹنے سے متعلق منصوبہ کو آخری شکل دینے لگے تھے۔

دوسری طرف مانڈو میں پڑاؤ کے اندر خوبصورت سمترا اپنے خیمہ میں اکیلی بیٹھی اپنے اور رستم خاں کے لباس تہ کر کے ایک طرف رکھ رہی تھی کہ اس کی ہم عمر ایک لڑکی خیمے میں داخل ہوئی شاید وہ سمترا کے پاس آتی جاتی رہتی تھی، اس لئے جونہی وہ خیمے میں داخل ہوئی سمترا مسکراتی ہوئی اٹھی، اسے اپنے ساتھ لپٹا کر اسے ملی، اپنے قریب بٹھایا، پھر غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سمترا کہنے لگی۔

"میں دیکھتی ہوں آج تو معمول کے خلاف زیادہ سنجیدہ اور الجھی الجھی سی دکھائی دے رہی ہے۔" اس پر وہ لڑکی کچھ دیر تک عجیب سے انداز سے سمترا کی طرف دیکھتی رہی، پھر کہنے لگی۔

"میری عزیز بہن میں آج تیرے لئے ایک بری خبر لے کر آئی ہوں۔"

ان الفاظ پر سمترا چونک اٹھی تھی۔ غور سے اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ کچھ کہنا چاہتی تھی وہ لڑکی پھر بول اٹھی۔

"سمترا میری بہن شاید اب تک تمہارے پاس یہ خبر نہیں پہنچی ہو گی کہ تمہارے شوہر رستم کا باپ فرید خان فوت ہو چکا ہے۔"

یہ الفاظ سن کر سمترا چونکی تھی، بدک سی اٹھی تھی، اس لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟"

جواب میں بڑی سنجیدگی سے وہ لڑکی کہنے لگی۔

"ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی میں نے بھی یہ خبر سنی ہے۔ جس عورت نے مجھے یہ خبر سنائی اس کا کہنا تھا کہ قاصد ہمارے پڑاؤ داخل ہوئے ہیں اور انہوں نے رستم خاں کے باپ کے مرنے کی خبر شاہ جہاں تک پہنچائی ہے۔ اس وقت خود رستم خاں بھی وہاں موجود تھا۔"

یہ خبر سن کر سمترا رونے والی ہو رہی تھی۔ یہاں تک اس لڑکی کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

"کیا تم بتا سکتی ہو کہ اس وقت رستم خاں کہاں ہوں گے؟"

"جس نے مجھے یہ خبر سنائی ہے اس کا کہنا تھا کہ رستم خاں اور باقی سالار اس وقت شاہ جہاں کے خیمے میں ہیں۔ چونکہ پرویز اور بخش دو مختلف عساکر کے ساتھ ان علاقوں کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ لہٰذا ان کا مقابلہ کرنے کیلئے منصوبہ بندی کو آخری شکل دی جا رہی ہے۔"

یہاں تک کہنے کے بعد وہ لڑکی اٹھ کھڑی ہوئی، کہنے لگی۔

"میں یہی خبر تم سے کہنے آئی تھی۔" سمترا نے کوئی جواب نہ دیا، اس لئے کہ وہ اپنی جگہ اداس اور گم صم ہو کر رہ گئی تھی، جہاں تک کہ وہ لڑکی خیمے سے چلی گئی۔

کوئی زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ رستم خاں اپنے خیمے میں داخل ہوا، اسے دیکھتے ہی سمترا اپنی جگہ سے اٹھی وہ پہلے ہی دکھ اور غم سے بھری بیٹھی تھی رستم خاں کو دیکھتے ہی اس کی طرف

بھاگی، پھر اپنا سر اس کے شانے پر رکھ کر دھاروں دھار رونے لگی تھی۔

اس کے اس طرح رونے پر رستم خاں سمجھ گیا تھا کہ اسے اس کے باپ کے مرنے کی خبر ہو چکی ہے۔ لہٰذا رستم خاں کچھ دیر اسے تسلی دیتا رہا، پھر پکڑ کر اسے نشست پر بٹھایا، اسے مخاطب کر کے کہنا چاہتا تھا کہ سمترا بیچاری اپنی آنکھیں صاف کرتے ہوئے لڑکھڑاتی سی آواز میں کہنے لگی۔

''بابا کو کیا ہوا، جو وہ فوت ہو گئے ہیں۔''

اس پر رستم خاں دکھ بھرے انداز میں بولا اور کہنے لگا۔

''آنے والوں نے یہ تو نہیں بتایا کہ کیا ہوا، بس یہی کہا کہ فوت ہو گئے ہیں۔ بیمار تو وہ اکثر رہنے لگے تھے۔ میرے خیال میں یہ بیماری ہی انہیں اپنے ساتھ لے گئی ہے۔''

کچھ دیر تک خیمے میں خاموشی رہی، یہاں تک کہ رستم خاں نے موضوع بدلا اور سمترا کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ''سمترا! ہمارے حالات اب ابتر ہونا شروع ہو گئے ہیں۔ میں نے آج تک تمہاری دل شکنی سے بچنے کیلئے تم سے کچھ نہیں کہا۔ دیکھو شاہ جہاں کے مجھ پر بڑے احسانات ہیں بلکہ میرے باپ پر بھی، اس کے بڑے احسانات ہیں ان حالات میں جبکہ وہ مصیبت میں گرا ہوا ہے میں اسے چھوڑ نہیں سکتا۔''

سمترا نے اس موقع پر تیز نگاہوں سے رستم خاں کی طرف دیکھا، پھر روتی ہوئی آواز میں کہنے لگی۔

''کون آپ کو کہہ رہا ہے آپ انہیں چھوڑ دیں۔''

رستم خاں نے خاموش رہتے ہوئے پھر کچھ سوچا اور کہنے لگا۔

''سمترا! یہ جانتے ہوئے بھی تم میری بیوی ہو اور ایک ایسی بیوی جو مجھ سے بے پناہ محبت کرتی ہے میں چاہتا ہوں کہ تم واپس آگرہ چلی جاؤ، اب مجھے اور شاہ جہاں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ شاہی افواج کا مقابلہ کرنے کیلئے جانا ہوگا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کئی مواقع پر ہمیں شکست اور ناکامی کا سامنا کرنا پڑے اور اپنی جانیں بچانے کی خاطر بھاگنا پڑے۔ ایسی صورت میں یہ پسند نہیں کروں گا کہ تم لشکر میں رہتے ہوئے یہ دشواریاں اور تکلیفیں اٹھاؤ۔ بابا چونکہ فوت ہو گئے ہیں۔ لہٰذا میں چاہوں گا کہ تم اپنے باپ کے گھر چلی جاؤ، جب حالات درست ہو جائیں گے تو میں خود تیرے پاس آ جاؤں گا اور اگر میرا نہ آنا ہوا تو میں تمہیں اپنے

باپ لشکر میں بلا لوں گا۔''

رستم خاں جب تک بولتا رہا سمترا بڑے غور سے اس کی طرف دیکھتی رہی، جب وہ خاموش ہوا تب پھر کہنے لگی۔

حالات کیسے ہی ہوں میں آپ کو چھوڑ کے تو نہیں جاؤں گی۔ میں آپ کی بیوی ہوں، آپ کی روح، آپ کے جسم کا ایک حصہ، جو تکلیفیں آپ پر گزریں گی ان میں آپ کی حصہ دار ہوں گی۔ دونوں میاں بیوی مل کر حالات کا مقابلہ کریں گے۔ آپ کے ساتھ رہتے ہوئے مجھے آپ کے دکھ، آپ کی تکلیفوں کا احساس ہوتا رہے گا۔ میں آپ کی خدمت کرتی رہوں گی۔ آپ کی ڈھارس بندھاتی رہوں گی۔ لیکن اگر میں آگرہ میں اپنے باپ کے گھر چلی گئی تو اس کے دو بڑے نقصانات ہوں گے۔

پہلا یہ کہ میں اندھیرے میں ہوں گی کہ آپ کے حالات کیا ہیں، آپ کی صحت کیسی ہے، آپ کس جگہ میں خیریت سے بھی ہیں کہ نہیں، دوسری یہ کہ آپ کے پاس آپ کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ لہٰذا میں آپ کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔ اگر حالات ہمارے خلاف ہی ہو گئے ہیں تو دونوں میاں بیوی مل کر ان کا سامنا کریں گے۔ لشکر کے اندر اور عورتیں بھی تو ہیں اور پھر شاہ جہاں کی بیوی اور اس کے بچے بھی اس کے ساتھ ہیں، کیا سب لوگ اپنی بیویوں اور بچوں کو واپس بھیج رہے ہیں۔ رستم خاں نے غور سے سمترا کی طرف دیکھا، پہلے نفی میں گردن ہلائی، پھر کہنے لگا۔

''سمترا! میں جھوٹ نہیں بولوں گا۔ کوئی کسی کو واپس نہیں بھیج رہا۔ میں صرف تمہاری سلامتی کی خاطر ایسا کرنا چاہتا ہوں۔''

ہلکا سا تبسم اس موقع پر سمترا کے چہرے پر نمودار ہوا، پھر وہ مٹھاس بھری آواز میں کہنے لگی۔ ''جس طرح آپ میری بہتری اور سلامتی کی خاطر کچھ کرنا چاہتے ہیں میں اس سے بڑھ کر آپ کی بہتری اور سلامتی کیلئے فکر مند ہوں۔ لہٰذا حالات کیسے اور کچھ بھی ہوں میں آپ کو اکیلا چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔''

سمترا اتنا کہنے کے بعد رکی، پھر رستم خاں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''اب مجھے واپس بھیجنے کے موضوع پر گفتگو نہیں ہوگی۔ آپ مجھے یہ بتائیں کہ جو یہ خبریں آئی ہیں کہ شاہ جہاں کا بھائی پرویز اور شاہ جہاں کے بڑے بھائی خسرو کا بیٹا دو لشکر لے

کر مختلف محاذ کھولنے کیلئے آ رہے ہیں اور ان کے پیچھے پیچھے مہابت خاں بھی مناسب وقت پر ان علاقوں کا رخ کرے گا' پھر ان حالات میں شاہ جہاں کے ساتھ مل کر آپ نے کیا منصوبہ بندی کی ہے۔"

سمترا جب خاموش ہوئی تو تب رستم خاں کہنے لگا۔

"سمترا پہلے کی طرح لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ اس بار عورتیں اور بچے اپنے اپنے لشکر کے حصے میں رہیں گے۔ شاہ جہاں اپنے لشکر کے ساتھ مانڈو ہی میں قیام کئے رہے گا' اس لئے کہ اس کا بھائی پرویز مانڈو کا رخ کئے ہوئے ہیں۔ لہٰذا شاہ جہاں مانڈو میں اس سے نمٹے گا جبکہ میں اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ یہاں سے اس شاہراہ پر سفر کروں گا جو احمد آباد کی طرف جاتی ہے۔ چونکہ احمد آباد شہر کا رخ اور بخش کر رہا ہے۔ لہٰذا ہم نے یہ طے کیا ہے کہ اور بخش کو احمد آباد تک نہ پہنچنے دیا جائے' راستہ ہی میں اس سے نمٹ لیا جائے اور احمد آباد پر قبضہ نہ کرنے دیا جائے۔ ان حالات میں میں اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ کل یہاں سے کوچ کروں گا۔"

سمترا مسکرائی اور کہنے لگی۔

"آپ اپنی بیوی کو اچھی طرح جانتے ہیں' میں نہ تو بزدل ہوں نہ اپنے شہر سے بے وفائی کرنے والی ہوں۔ میں نے شادی کیلئے خود اپنے ساتھی کا انتخاب کیا ہے اور اپنے اس ساتھی کیلئے میں اپنی جان بھی قربان کر سکتی ہوں۔ لہٰذا یہ میری خوش قسمتی ہوگی بلکہ میں اسے ایک سعادت جانوں گی کہ اس ٹکراؤ کے دوران میں آپ کے ساتھ لشکر میں موجود ہوں گی۔ میرے خیال میں شام ہونے والی ہے' کل کے کوچ کیلئے ہم دونوں میاں بیوی کو تیاری کر لینی چاہئے۔" سمترا کی اس تجویز سے رستم خاں نے اتفاق کیا تھا۔ دونوں میاں بیوی اپنا سامان درست کرنے لگے اور اگلے روز رستم خاں نے اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ احمد آباد کا رخ کیا تھا۔

✧ ✧ ✧

رستم خاں نے جہانگیر کے پوتے اور بخش کو احمد آباد شہر سے دور ہی اس شاہراہ پر جا لیا جو شاہراہ شمال سے جنوب کی طرف جاتی ہوئی احمد آباد کا رخ کرتی تھی۔ بتانے والوں نے رستم خاں کو بتا دیا تھا کہ اور بخش کی کمانڈری میں جو لشکر ہے اسے عددی لحاظ سے رستم خاں کے لشکر

پر کافی فوقیت حاصل ہے اس بنا پر اور بخش کے لشکر کے قریب پہنچتے ہی رستم خاں نے اور بخش کے لشکریوں کو سنبھلنے کا موقع ہی نہ دیا' وہ بڑے پرسکون کے انداز میں احمد آباد کی طرف سفر کر رہے تھے اور ان کے ذہن میں یہی بات تھی کہ شاہ جہاں اور رستم خاں دونوں مانڈو کے مقام پر قیام کئے ہیں اور یہ کہ انہیں یہ بھی خبر ہو چکی ہوگی کہ پرویز ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ ان کا رخ کئے ہوئے ہے' ساتھ ہی ان کیلئے یہ خبر بھی دل ہلا دینے والی ہوگی۔ پرویز کے پیچھے پیچھے مہابت خاں بھی انہی کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے۔ لہٰذا وہ یہ امید تک نہیں کرتے تھے کہ احمد آباد کی طرف جانے والی اس شاہراہ پر بھی ان پر حملہ آور بھی ہو سکتا ہے۔

چنانچہ جس وقت وہ نہایت سکون اور بغیر کسی خوف و خطر کے شاہراہ پر سفر کر رہے تھے اچانک اپنے لشکر کے ساتھ رستم خاں نمودار ہوا اور وہ ان پر احساسات کی تابانی جذبوں کی جوانی کو رنجشوں کی داستانوں میں تبدیل کرتے تیزی سے امڈتے فسوں' جلتے خیالات میں زیست کو زہریلا عنوان بناتے ہزاروں وسوسوں اور تہ بہ تہ غم کی پرتوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

یہ حملہ بڑا زوردار اور چونکہ بڑا اچانک تھا لہٰذا رستم خاں کے اس حملے نے اور بخش اور اس کے لشکریوں کے اندر ایک کہرام برپا کر دیا تھا۔ اس حملے کے باعث ان کے لشکر کے اندر مرنے والوں اور زخمی ہونے والوں کی چیخ و پکار اٹھی تو اس چیخ و پکار نے لشکریوں کی سماعتوں کی شیرینی' بصارتوں کے سرور اور ان کی لطافتوں کی دھنک تک کو چھیننا شروع کر دیا تھا۔ آن کی آن میں رستم خاں نے اس لشکر کے ایک بڑے حصے کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور باقی لشکر ایسا منتشر' ایسا خوفزدہ ہوا کہ بچنے والے لشکریوں میں جس کا جس طرف منہ اٹھا بھاگ کھڑا ہوا اور بخش بھی اپنی جان بچانے میں کامیاب ہو گیا۔ اس طرح جو سامان ان کے پاس تھا اسے رستم خاں نے سمیٹ اور ذرا پیچھے ہٹ کر اس نے احمد آباد کے نواح میں پڑاؤ کر لیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اپنے اطراف میں اس نے اپنے مخبر پھیلا دیئے تھے تاکہ حالات کے اندر کوئی تبدیلی ہو تو اسے بروقت اسے خبر ہو سکے۔

جہانگیر کا بیٹا پرویز بھی آندھی اور طوفان کی طرح یلغار کرتا ہوا شاہ جہاں کی طرف بڑھا تھا۔ شاہ جہاں کے مخبروں نے شاہ جہاں کو یہ تو اطلاع کر دی تھی کہ پرویز کے پیچھے پیچھے مہابت

خاں ایک لشکر کے ساتھ کوچ کر رہا ہے' لیکن ان کا یہ کہنا تھا کہ وہ لشکر ابھی دور ہے لیکن وہ اس بات کا اندازہ نہ لگا سکا کہ مہابت خاں نے اپنے لشکر کا ایک حصہ علیحدہ کر کے اسے ایک طرف کر دیا تھا تا کہ جب شاہ جہاں اور پرویز آپس میں ٹکرائیں تو وہ اچانک آگے بڑھے' پیش قدمی کرے اور شاہ جہاں پر حملہ آور ہو جائے۔

چنانچہ شاہ جہاں اور پرویز دونوں کے لشکر جب آمنے سامنے ہوئے تب حملہ آور ہونے کی ابتدا شاہ جہاں نے ہی کی' اس لئے کہ شاہ جہاں مہابت خاں کے پہنچنے سے پہلے پہلے پرویز سے نمٹ لینا چاہتا تھا۔ چنانچہ صفیں درست کرنے کے ساتھ ہی شاہ جہاں پرویز کے لشکر پر سلگتی زندگی کے تلاطم میں سنگریزے اڑاتے طوفانوں' سانسوں کو ویران' امیدوں کے تاکستانوں کو بنجر' زندگی کی خواہشوں کو ہولناک صورت دیتے' وحشت بھرے نشتروں' آگ و کرب خیزی کی یورش' بے خوف فطرت اور بھنور کھڑے کرتی آندھیوں کی طرف حملہ آور ہو گیا تھا۔

اپنے پہلے ہی حملہ میں شاہ جہاں نے پرویز کے لشکر کی حالت بے معنی بنجر حروف زرد پتوں کی کہانیوں سی کرنا شروع کر دی تھی۔ شاہ جہاں کے تیز اور جاں لیوا حملوں نے رزم گاہ کے اندر دانش و عقل کو زائل کرتے کڑے لمحات کا رقص شروع کر دیا تھا۔ وجدان و ہواس کو منجمد کرتے اجنبی اڈتے ہیولے موت سے بغلگیر ہو کر رقص کرنے لگے تھے۔

قریب تھا کہ شاہ جہان کے مقابلے میں پرویز کو بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑا کہ اچانک اس موقع پر جب کہ شاہ جہاں بری طرح مصروف تھا۔ اس کے مخبروں نے اسے اطلاع دی کہ مہابت خاں کے ایک لشکر کا حصہ بڑی تیزی سے اس کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے اس کی پشت پر یا لشکر کے پہلو پر نمودار ہوگا اور جاں لیوا حملہ کرے گا۔

یہ خبر پہنچتے ہی شاہ جہاں نے پیچھے ہٹنا شروع کیا' پسپائی اختیار کی' وہ جانتا تھا اگر سامنے کی طرف سے پرویز اور پہلو یا پشت کی جانب سے مہابت خاں کا لشکر حملہ آور ہو گیا تو پھر وہ ناقابل تلافی نقصان اٹھائے گا اور اسے بدترین شکست کا سامنا بھی کرنا پڑے گا' ان حالات میں شاہ جہاں بڑی تیزی سے پیچھے ہٹا تھا۔

مؤرخین کا کہنا ہے کہ پرویز اور شاہ جہاں کے درمیان یہ جنگ کالیادہ کے قریب کھلے میدانوں میں ہوئی تھی۔ مؤرخین یہ بھی انکشاف کرتے ہیں کہ گو جنگ کے دوران شاہ جہاں کے کچھ ساتھی اور شاہی فوج سے وابستہ کچھ سالار اس کا ساتھ چھوڑ گئے تھے' اس کے باوجود اگر

مہابت خان کا لشکر پہنچنے کی اطلاع نہ آتی تو شاہ جہاں یقیناً پرویز کو بدترین شکست دے کر بھاگ جانے پر مجبور کرتا۔

چنانچہ شاہ جہاں پیچھے ہٹ گیا' اس موقع پر پرویز نے اس کا تعاقب نہ کیا' وہ خوفزدہ تھا۔ اگر پیچھے ہٹتے ہوئے شاہ جہاں اچانک پلٹا اور جان لیوا حملہ کیا تو اس کے لشکر کو تباہ و برباد کر کے رکھ دے گا۔

پیچھے ہٹنے کے بعد شاہ جہاں نے پہلا کام یہ کیا کہ دو اطراف میں اپنے قاصد روانہ کئے۔ کچھ قاصدوں کو رستم خاں کی طرف روانہ کیا اور اس کیلئے یہ حکم جاری کیا کہ وہ دریائے زبدا کو عبور کر کے اس سے ملاقات کرے' دوسرے قاصدوں کو اس نے دکن کے سرکردہ شخص جو ماضی میں باغیوں کا سرکردہ بھی رہا' نام جس کا ملک عنبر تھا اس کی طرف بھجوائے اور شاہی فوج کے خلاف مدد چاہی' مگر ملک عنبر نے اس موقع پر شاہ جہاں کی مدد کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔

دوسری طرف رستم خاں نے اپنے لشکر کے حصے کے ساتھ اللہ آباد کے نواح میں قیام کیا ہوا تھا اور اس وقت سمترا اپنے خیمہ میں بیٹھی شاید رستم خاں کا یہ انتظار کر رہی تھی' اس لئے کہ رستم خاں اپنے سالاروں کے ساتھ اگلا قدم اٹھانے کے متعلق سوچ رہا تھا کہ سمترا نے دیکھا اچانک خیمہ آگاہ کچھ اس طرح اکھاڑی جانے لگی تھی جیسے لشکر نے فی الفور وہاں سے کوچ کرنا ہو۔

اس موقع پر سمترا کچھ پریشان ہو گئی تھی۔ خیمہ کے دروازے پر آ کے اس نے دیکھا لشکر کے خیمہ اکھاڑ کر اور انہیں طے کر کے بردباری جانور پر لادنا شروع کر دیا گیا تھا' کچھ عورتیں بھی خیمہ سے باہر آ گئی تھیں۔ سمترا چاہتی تھی کہ خیمہ سے نکل کر ان عورتوں سے پڑاؤ اٹھانے کی وجہ پوچھے کہ اس نے دیکھا سامنے کی طرف سے رستم خاں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اپنے خیمے کی طرف آ رہا تھا۔ رستم خاں کو دیکھنے کے بعد سمترا اپنے خیمہ کے دروازے پر ہی رک گئی تھی۔ یہاں تک کہ رستم خاں قریب آیا تب بڑی فکرمندی میں اسے مخاطب کرتے ہوئے سمترا کہنے لگی۔

کیا کوئی خاص وجہ ہو گئی ہے' میں دیکھتی ہوں خیمے اکھاڑے جا رہے ہیں' کیا لشکر یہاں سے کوچ کرے گا۔

رستم خاں خیمے میں داخل ہوا اور سمترا پیچھے پیچھے تھی' پھر رستم خاں کہنے لگا۔

''سمترا جلدی جلدی اپنا سامان سمیٹ لو' لشکر یہاں سے کوچ کرے گا۔ بدقسمتی یہ کہ شاہ جہاں کو شکست ہوئی ہے۔ اب وہ اپنے بچے کھچے لشکر کے ساتھ دریائے نربدا کو پار کرکے ایک جگہ پڑاؤ کرے گا۔ اس نے میری طرف قاصد بھجوایا ہے۔ لہٰذا اس نے مجھے نربدا کے اس پار طلب کرلیا ہے۔ لہٰذا لشکر ابھی کوچ کرے گا اور دریائے نربدا کے اس پار شاہ جہاں سے جا کر ملے گا۔''

سمترا پریشان ہوگئی۔ اس سے زیادہ کچھ نہ پوچھا' پھر وہ جلدی جلدی رستم خاں کے ساتھ مل کر وہ اپنا سامان سمیٹنے لگی تھی۔ تھوڑی دیر بعد لشکر نے جنوب مشرق کی طرف کوچ کیا تھا۔

شاہ جہاں مہابت خاں اور پرویز کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد دریائے نربدا کو عبور کرکے ایک جگہ پڑاؤ کرچکا تھا۔ چنانچہ رستم خاں اپنے لشکر کے ساتھ وہاں پہنچا' تب تک شاہ جہاں کو اس کی کامیابی کی خبر چونکہ پہنچ چکی تھی۔ لہٰذا شاہ جہاں نے اسے اس کی کامیابی پر مبارکباد کی اور اسے گلے لگا کر اس کا استقبال کیا' اس کے بعد رستم خاں کا لشکر پڑاؤ کرنے لگا تھا۔

اس موقع پر شاہ جہاں نے رستم خاں کی طرف دیکھا' پھر کہنے لگا۔

''رستم خاں میرے بھائی خیمے نصب ہوجاتے ہیں تو تم ہماری بہن سمترا کو اپنے خیمہ میں ٹھہرا کر میرے پاس آؤ تاکہ ہم دونوں دوسرے سالاروں کے ساتھ مل کر اپنی اگلی منصوبہ بندی کو آخری شکل دیں۔''

اس کے ساتھ ہی رستم خاں سمترا کے ساتھ ایک طرف ہولیا تھا۔ اس کے لشکریوں نے آن کی آن میں خیمے نصب کردیئے تھے' دونوں میاں بیوی خیمے میں داخل ہوئے' پھر سمترا کو مخاطب کرکے رستم خاں کہنے لگا۔

''سمترا تم خیمہ میں اپنا سامان درست کرلو' شاہ جہاں نے مجھے بلایا ہے میں ذرا اس کے پاس جاتا ہوں۔ باقی سالار اس کے پاس پہنچنا شروع ہوجائیں گے۔ میرے خیال میں اب اگلے دور کی منصوبہ بندی کی جائے گی کہ شاہی لشکر اگر دریائے نربدا کو بھی پار کرکے ہمارا تعاقب کرتا ہے تو ہمیں اس سے کیسے نمٹنا ہے۔''

یہاں تک کہنے کے بعد رستم خاں جب رکا' تب خیمہ کے بیچ میں کھڑی سمترا غور سے اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ اس کے اس طرح دیکھنے پر رستم خاں اس کی طرف متوجہ ہوا' آگے بڑھا اور اس کے قریب گیا' پھر بڑے پیار سے اسے مخاطب کرکے کہنے لگا۔

''کیا تم پچھتا رہی ہو کہ میرے کہنے پر تم آگرہ اپنے ماں باپ کے پاس نہیں گئی اور تم نے لشکر میں رہنا پسند کیا۔''

سمترا کے ہونٹوں پر تبسم نمودار ہوا' پہلے اس نے نفی میں گردن ہلائی' پھر کہنے لگی۔

''میں جو آپ کی طرف غور سے دیکھ رہی تھی شاید آپ نے یہ اندازہ لگایا کہ میں پچھتاوے کا اظہار کررہی ہوں' ہرگز نہیں۔ میں تو اس انداز سے آپ کی طرف دیکھ رہی تھی کہ میں خوش قسمت ہوں کہ آپ کی بیوی ہوں اور اپنے شوہر پر میں جس قدر فخر کروں کم ہے۔ پچھتاوہ کیسا' میں تو بھٹکے خزاں کے سایوں' پیاسے ریت کے سمندر میں کھڑی اپنے شوہر کے ساتھ ہوں' ایک ایسے شوہر کے ساتھ جس کی محبت میں میں نے خود کو اس کے ساتھ مقفل کررکھا ہے۔ حالات سے میں ڈرنے والی نہیں ہوں' کتنی ہی بے انت ستم کاریاں ہوں خوابوں کی جنت کی تلاش کا معاملہ ہو' کرب کے جلتے دوزخ ہوں' اگر آپ میرے ساتھ ہیں تو مجھے ذرا برابر فکرمندی نہیں' اس لئے کہ آپ کی محبت ہی میرا سایہ ہے۔ آپ کا نطق میری مسکراہٹ اور آپ کی میرے ساتھ موجودگی میرے لئے وقت کی شناسائی کا منبع ہے۔ میں آپ کی ذات پر جتنا بھی فخر کروں کم ہے کہ آپ شوہر کی حیثیت سے میرے ادراک و وجدان کا ارتکاز' میرے جسم کے ہر بھید میں آپ کی محبت پنہاں ہے۔ آپ کے ساتھ ہی میرے جیون کی سب کویتائیں ہیں' حالات ہمیں گھسیٹ کر کہیں بھی لے جائیں فکر کی دیمک میں پھینک دیں' ظلمت کے زندان میں ڈال دیں' سلگتے زخموں کا شکار کردیں جب تک میرے شوہر میرے ساتھ ہیں میں ذرا برابر پچھتاوا اور فکر کرنے والی نہیں ہوں۔ میری طرف سے بالکل مطمئن رہیں۔ میں آپ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی اور نہ جانے والی ہوں' میرا مرنا جینا اب آپ کے ساتھ ہے۔''

سمترا جب خاموش ہوئی تو تب فخریہ انداز سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے رستم کہنے لگا۔

''سمترا مجھے تو اس سے پہلے خبر ہی نہیں تھی تم تو بڑی اچھی مقرر بھی ہو۔''

رستم خاں کے ان الفاظ پر سمترا نے ہلکا سا قہقہہ لگایا' کہنے لگی۔

"یہ سب کچھ آپ سے شادی کرنے کے بعد ملا ہے بہرحال آپ وقت ضائع نہ کریں۔ میری طرف سے آپ بالکل بے فکر ہو جائیں۔ شاہ جہاں بڑی بے چینی سے آپ کا انتظار کر رہے ہوں گے۔"

اس پر رستم خاں نے پیار سے ستارا کا گال تھپتھپایا اور اس کے بعد وہ اپنے خیمے سے باہر نکل گیا تھا۔

جب وہ شاہ جہاں کے خیمے میں داخل ہوا تو وہاں شاہ جہاں کے پاس پہلے سے لشکر کے سارے سالار موجود تھے۔ رستم خاں آگے بڑھ کر شاہ جہاں ک ایک سمت بیٹھ گیا' جو نشست خالی تھی۔ دوسری سمت نظام الدین بیٹھا ہوا تھا۔ رستم خاں کے آنے کے بعد تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ اس دوران شاہ جہاں بغور اپنے سالاروں کا جائزہ لیتا رہا' پھر انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"سب سے پہلے تو میں رستم خاں کا ممنون ہوں کہ اس نے اپنے لشکر کے ساتھ شاہی فوج کے ایک حصہ کو شکست دی' میں بھی یقیناً پرویز کو شکست دے کر مار بھگا چکا ہوتا' اگر مہابت خاں کا لشکر اس سلسلے میں پشت کی طرف سے نہ آتا۔ بہرحال ہمارے مقدر میں یہ جو شکست تھی میں فراخ دلی سے اس شکست کو تسلیم اور قبول کرتا ہوں۔ یہاں آنے کے بعد مجھے دو طرح کی مایوسی ہوئی ہے۔ شاید رستم خاں کو اس کی خبر نہ ہو جو سالار میرے ساتھ کام کر رہے تھے انہیں خبر ہے پرویز کے لشکر کے مقابلے میں پیچھے ہٹنے کے بعد جہاں نے قاصد رستم خاں کی طرف بھیجے تھے وہاں میں نے ملک عنبر کی طرف بھی قاصد بھیجے تھے اور اس سے مدد طلب کی تھی لیکن اس نے کسی قسم کی مدد دینے سے انکار کر دیا ہے۔"

دوسرا کام میں نے یہ کیا کہ رستم خاں کی غیر موجودگی میں دریائے نربدا کو عبور کر کے یہاں پڑاؤ کیا۔ کیونکہ یہ علاقے گول کنڈا کے سلطان کا ہے۔ اس کی طرف بھی میں نے قاصد بھجوائے ہیں اس نے نہ صرف یہ کہ ہماری مدد کرنے سے انکار کر دیا ہے بلکہ اس نے زور دے کر کہا ہے کہ ہم اس کا یہ علاقہ خالی کر دیں۔

اب جب کہ حالات مکمل طور پر ہمارے خلاف ہو چکے ہیں تو دریائے نربدا کے اس پار بھی ہم زیادہ دیر قیام نہیں کر سکتے۔ ایسی صورت میں گول کنڈا کا سلطان بھی ہمارے خلاف اٹھ کھڑا ہو گا اور اس طرح ہمیں دو طرف کے حملوں کا مقابلہ کرنا ہو گا۔ ایک پرویز اور مہابت

خاں کی طرف سے اور دوسرا گول کنڈا کے سلطان کی طرف سے۔ لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ صرف ایک دن یہاں قیام کیا جائے اور اگلے روز یہاں سے اڑیسہ کا رخ کیا جائے۔ میں چاہتا ہوں کہ بہار اور بنگال کے علاقوں سے فائدہ اٹھا کر وہاں ہم اپنی طاقت و قوت کو مزید مستحکم کریں اور اس کے بعد دو علاقے ایسے ہیں جہاں شاہی لشکر کی تعداد کم ہے ان پر ہم آسانی سے قبضہ کر سکتے ہیں۔ ایک الٰہ آباد اور دوسرا اودھ' اب میں تم لوگوں سے سننا چاہتا ہوں کہ کیا تم لوگ میری اس رائے' میری اس منصوبہ بندی سے اتفاق کرتے ہو۔"

شاہ جہاں کے اس سوال پر سارے سالاروں نے اس سے اتفاق کیا تھا کہ ہمیں اڑیسہ کا رخ کرنا چاہئے۔ اس اتفاق رائے پر شاہ جہاں نے خوشی کا اظہار کیا۔ اس کے بعد کچھ دیر خاموش رہ کر وہ سوچتا رہا آخر فیصلہ کن انداز میں بول اٹھا۔

"میں تم میں سے کسی کو زنجیروں میں جکڑ کر اپنے ساتھ نہیں رکھنا چاہتا' جس وقت میں پرویز کے لشکر سے ٹکرا رہا تھا۔ اس وقت کچھ سالار میرا ساتھ چھوڑ کر شاہی لشکر کی طرف چلے گئے تھے' اب آپ لوگوں میں سے جو واپس شاہی لشکر کی طرف جانا چاہے میں اسے روکوں گا نہیں' نہ کوئی باز پرس کروں گا' اسے ایسا کرنے کی اجازت ہے۔"

اس پر سارے سالاروں نے بڑی خوشی اور بڑی فراخ دلی کا اظہار کرتے ہوئے کہیں بھی جانے سے انکار کر دیا تھا اور بد سے بدتر حالات میں بھی انہوں نے شاہ جہاں کا ساتھ دینے کا عزم کر لیا تھا۔

یہ فیصلہ ہونے کے بعد سارے سالاروں کو اس نے آرام کرنے کا مشورہ دیا' اس پر سب شاہ جہاں کے خیمے سے نکل گئے تھے اور اگلے روز وہاں سے کوچ کیا گیا تھا۔

✧ ✧ ✧

شاہ جہاں اپنے لشکر کے ساتھ تلنگانہ کے راستے اڑیسہ کی طرف بڑھا۔ چنانچہ اس نے رستم خاں اور دیگر سالاروں کے ساتھ مار دھاڑ کرتے ہوئے بنگال اور بہار کے بہت سے علاقوں پر قبضہ کر لیا' پھر اس کے بعد شاہ جہاں اپنے لشکر کے ساتھ قلعہ رہتاس کی طرف بڑھا۔ یہ وہی قلعہ تھا جسے شیر شاہ سوری نے تعمیر کروایا تھا اور جن دنوں شاہ جہاں اپنے لشکر کے ساتھ رہتاس کے قریب پہنچا' ان دنوں اس قلعے اور آس پاس کے علاقے کا حاکم ابراہیم خاں تھا اور یہ ابراہیم خاں نور جہاں کا سگا بھائی تھا اور جو شاہ جہاں کے سسر آصف خاں سے چھوٹا تھا۔

قلعہ رہتاس سے دورہ کر شاہ جہاں نے تیز رفتار قاصد ابراہیم کی طرف بھجوائے اور اس سے مطالبہ کیا کہ وہ رہتاس کا قلعہ اس کے حوالے کردے۔ چنانچہ جب یہ قاصد نور جہاں کے بھائی ابراہیم کے پاس پہنچے تو ابراہیم ان قاصدوں کے ساتھ سختی سے پیش آیا۔ قلعہ شاہ جہاں کے حوالے کرنے سے انکار کردیا۔ قلعے کے اندر اور کچھ اطراف کی گڑھیوں میں اس کے پاس بہت بڑا لشکر تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے لشکر کو یکجا کیا' قلعے سے نکلا اور بقول مؤرخین وہ اکبر نگر کے قریب اپنے لشکر کو استوار کرکے شاہ جہاں کا انتظار کرنے لگا۔ اس نے ارادہ کرلیا تھا کہ اکبر نگر کے مقام پر ہی وہ شاہ جہاں سے ٹکرائے گا اور اسے مار کر بھاگ جانے پر مجبور کردے گا۔

چنانچہ جب نور جہاں کے بھائی ابراہیم خاں کا یہ پیغام شاہ جہاں کو ملا تب اس وقت شاہ جہاں رستم خاں دونوں ایک خیمہ میں بیٹھے ہوئے تھے چنانچہ یہ پیغام ملنے کے بعد شاہ جہاں نے رستم خاں کی طرف دیکھا اور پھر کہنے لگا۔

''میرے بھائی اب بولو تم کیا کہتے ہو' ہمارا قاصد یہ بھی بتا چکا ہے کہ ابراہیم کے پاس ایک بہت بڑا لشکر ہے۔ لہٰذا اس سے نمٹنا بھی ضروری ہے۔'' شاہ جہاں یہاں تک کہنے کے بعد جب رکا' تب رستم خاں کہنے لگا۔

''اس سے ضرور نمٹیں گے بڑا لشکر ہے تو کیا ہوا' میں چاہتا ہوں رات کے وقت پیش قدمی شروع کریں' اس رفتار سے آگے بڑھیں کہ صبح کو وہاں پہنچیں' یہاں سے کوچ کرتے ہی میں اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ علیحدہ ہوجاؤں گا اور ایک کاوا کاٹتے ہوئے کسی مناسب سمت میں اکبر نگر کے آس پاس گھات میں چلا جاؤں گا' آپ اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ آگے بڑھ کر صبح سویرے ابراہیم کے لشکر کے سامنے نمودار ہوں۔

ظاہر ہے جب آپ صبح سویرے نمودار ہوں گے تو اس وقت ابراہیم خاں آپ پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں کرے گا۔ اس کے لشکری خود کو تیار کرنے میں مصروف ہوں گے' کوئی کھانا کھا رہا ہوگا' اس بنا پر آپ کو اس کے سامنے پڑاؤ کرنے کا موقع مل جائے گا' اتنی دیر میں بھی اکبر نگر کے آس پاس پہنچ کر بالکل تیار اور مستعد ہوجاؤں گا۔

ابراہیم خاں جب آپ کے لشکر کی تعداد دیکھے گا تو اس معاملے کو بڑا مضحکہ خیز خیال کرے گا کہ چھوٹا سا لشکر لے کر آپ اس کے مقابلے میں آ گئے ہیں۔ لہٰذا وہ حملہ آور ہونے

میں تاخیر نہیں کرے گا' فوراً آپ پر حملہ آور ہوکر اپنے لئے فوائد حاصل کرنے کی کوشش کرے گا' جس وقت وہ پوری طرح آپ سے ٹکرائے گا گھات سے نکل کر میں بھی اس پر وارد ہوں گا' پھر میں دیکھوں گا ابراہیم کیسے شکست نہیں اٹھاتا' میں اسے رہتاس کی طرف بھاگنے بھی نہیں دوں گا۔''

شاہ جہاں نے مسکراتے ہوئے اس سے اتفاق کیا تھا۔ چنانچہ عشیاء کے دونوں لشکر علیحدہ ہوگئے اور وہاں سے انہوں نے کوچ کرلیا تھا۔

اگلے روز شاہ جہاں جب اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ صبح سویرے نور جہاں کے بھائی ابراہیم خاں کے لشکر کے سامنے نمودار ہوا تو رستم خاں کا کہنا درست ہوا اتنے چھوٹے سے لشکر کو اپنے سامنے دیکھ کر ابراہیم خاں کے منہ میں پانی بھر آیا' چنانچہ تھوڑی ہی دیر بعد اس نے اپنے لشکر کی صفیں درست کرنا شروع کردی تھیں۔ اتنی دیر تک شاہ جہاں بھی وہاں پڑاؤ کرکے اپنے لشکر کی صفیں درست کرنے لگا تھا۔ اس کے بعد ابراہیم نے اپنے کام کی ابتداء کی اور زیست کے پیچ وخم درست کردینے والے زمین پھاڑ کر اٹھے طوفانوں' نراس کہانیوں کے سائے پھیلاتے بند توڑ کر نکلتے سیلاب اور زیست کی ضرورتوں کا خون چاٹتی فضا اور نئے سرابوں کی طرح حملہ آور ہوگیا تھا۔

جوابی کارروائی کرنے میں شاہ جہاں نے بھی دیر نہیں کی اور وہ بھی اعضاء شکنی طاری کرتے آندھیوں کے تیز خروش' آگ اور خون کا پیغام دیتے سرخ شعلوں کے رقص' خون میں نہلاتی غم زدہ کرتی آگ سے کھیلتی ابتلاؤں اور زندگی کی زنجیروں کو کاٹتی سرکشی اور بے روک آندھیوں کی طرح حملہ آور ہوگیا تھا۔ اس طرح دونوں لشکر کے ٹکرانے کے بعد ابراہیم خان یہ محسوس کررہا تھا کہ اسے شاہ جہاں پر غالب آنے کیلئے زیادہ وقت نہیں لینا چاہئے۔ گو شاہ جہاں اس کے بڑے بھائی کا داماد تھا۔ لیکن ابراہیم شاہ جہاں کو اپنے سامنے زیر کرکے جہانگیر کی نگاہوں میں اپنے وقار' اپنی عزت کو عروج پر لے جانا چاہتا تھا۔

اسی بناء پر ابراہیم خان اپنے لشکر کے ساتھ بڑھ چڑھ کر حملہ آور ہورہا تھا' لیکن اس کی بدبختی عین اسی وقت رستم خاں اپنے گھات سے برق کے ہولناک شراروں' موت وحیات کے زرداں عناصر' تقدیر کے بدترین نوشتے تحریر کرتے' نقیبوں اور سلگتے خیالات کی طرح نمودار ہوا' پھر وہ ابراہیم خان کے لشکر کی پشت پر آسماں سے آگ برساتی جہاں سوزی وتباہ کاری آخری

اور تباہ کن ضربوں اترتے سرخ برق کے گھاروں' چہروں چرمرا دینے والی لہروں کی سرسراہٹوں' آنکھوں میں کرب' دلوں میں سلگاہٹ' الم گزیدہ اور مناظر کا شکار کرتی وحشت و بربریت کی ستم آرائیوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

نور جہاں کے بھائی ابراہیم خان جو اس سے قبل بڑھ چڑھ کر حملے کرتا رہا اپنے مقابلے میں شاہ جہاں کے لشکر کی عددی کمی کو دیکھتے ہوئے اس کے حوصلے جوان ہو گئے تھے اور وہ یہ سوچنے لگ گیا تھا کہ شاہ جہاں کو شکست دے کر وہ جہانگیر کی نظروں میں ایک نئی عزت و وقار حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا لیکن جب پشت کی جانب سے رستم خاں نے بھی اس کے لشکر پر حملہ کر دیا تب کچھ دیر تک تو انتہائی بے بسی کی حالت میں ابراہیم خان مقابلہ جاری رکھ سکا' اس کے بعد اس کے لشکر کی حالت بڑی تیزی سے ماتمی فضاؤں میں اٹھتی پرشور' شوریدہ بدگمانیوں' صدیوں سے زخم کھاتے حدت بھرے دشت' بے اعتدال کی فضاؤں میں بے خانماں رتوں' اجاڑ راستوں کی دھند میں خونی آندھیوں اور رنگ آلود ماحول کی بے بسی جیسی ہونا شروع ہو گئی تھی۔ کچھ دیر وہ بڑی مشکل سے دوطرفہ حملوں کو روکتا رہا' جب اس نے اندازہ لگایا کہ معاملہ اس کی بس سے باہر ہوتا جا رہا ہے اور یہ کہ بڑی تیزی سے اس کے لشکر کی تعداد کم ہوتی جا رہی ہے اور یہی سلسلہ جاری رہا تو اکبر نگر میں اس کا اور اس کے لشکر کا مکمل طور پر خاتمہ ہو جائے گا۔ لہٰذا اس نے ارادہ کیا کہ پلٹ کر بھاگے اور قلعہ میں داخل ہو جائے' لیکن اب ایسا کرنا بڑا دشوار بلکہ ناممکن تھا' اس لئے کہ پشت کی جانب سے رستم خاں حملہ آور ہو رہا تھا۔ اس نے ایک طرح سے ابراہیم کی راہ روک رکھی تھی۔ چنانچہ ابراہیم خاں جب پلٹا تو پشت کی جانب سے شاہ جہاں نے اپنے حملوں میں بھی تیزی پیدا کر دی۔ ابراہیم کے سامنے رستم خاں آ گیا تھا۔ چنانچہ ایک بار پھر ہولناک رن پڑا اور اسی ہولناک رن کے دوران نہ صرف یہ کہ ان گنت لشکری موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے بلکہ بقول مؤرخین خود ابراہیم بھی اس ٹکراؤ کے دوران مارا گیا تھا۔

اس طرح شاہ جہاں اور رستم خاں نے آگے بڑھ کر قلعے کو سرنگوں کر کے اس پر قبضہ کر لیا تھا۔

اس فتح کے بعد شاہ جہاں نے وادی گنگا کا رخ کیا۔ اس موقع پر میواڑ کا راجہ سنگھ بھی شاہ جہاں کے اتحادی کی حیثیت سے اس کے ساتھ شامل تھا۔ اسی راجہ بھیم سنگھ نے شاہ جہاں

کا ساتھ دیتے ہوئے پٹنہ میں داخل ہو کر کسی مزاحمت کے بغیر بہار پر قبضہ کر لیا۔

اس کے علاوہ اجین کے راجپوتوں نے شاہ جہاں کی اطاعت قبول کرتے ہوئے جون کا قلعہ اس کے حوالے کر دیا۔ اب شاہ جہاں جوہ پر قبضہ کرنے کے بعد مانک پور کی طرف روانہ ہوا۔

اس کے بعد شاہ جہاں اپنے لشکر کے ساتھ بنارس میں داخل ہو کر گنگا عبور کرتے ہوئے کانت پہنچ گیا۔

اس وقت تک شہزادہ پرویز اور مہابت خاں دکن میں قیام امن کے بعد گنگا جمنا کے دوآبہ میں داخل ہو رہے تھے۔ اس طرح شاہی فوج شاہ جہاں کے خلاف ایک فیصلہ کن معرکہ مارنے کو آ گئی تھی۔ چنانچہ الٰہ آباد کے ایک موضع دم دما کے پاس خوں ریز معرکہ ہوا یہ 1624ء کا واقعہ تھا اس معرکے میں ایک طرف مہابت خاں اور پرویز تھے اور دوسری طرف شاہ جہاں اور رستم خاں تھے۔ دونوں اطراف نے اپنی اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ اپنے لئے فتح کامیابی کے در کھولیں' اس ٹکراؤ کے دوران شاہ جہاں اور رستم خاں نے بہترین شجاعت اور ہنرمندی اور جرأت مندی کا ثبوت دیا۔ ایک بار انہوں نے شاہی لشکر کو روک کر اس کی حالت ابتر کر کے رکھ دی تھی۔ شاہ جہاں اور رستم خاں اپنے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کے بعد مہابت خاں اور پرویز پر دوطرفہ حملے کر رہے تھے اور یہ دوطرفہ ایسے زوردار حملے اور جان لیوا ضربیں تھیں کہ مہابت خان اور پرویز کو اپنی شکست و ناکامی کا یقین ہو گیا تھا۔ لیکن لگتا تھا یہاں تقدیر شاہی لشکر کے حق میں اور شاہ جہاں کے خلاف کام کر رہی تھی۔

اس لئے کہ ہوا یوں کے بقول مؤرخین اس جنگ کے دوران ایک زخمی ہاتھ نے شاہ جہاں اور اس کے لشکر کو تذبذب میں ڈال دیا تھا اور شاہی لشکر نے اس موقع پر سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی شکست کو فتح میں تبدیل کر دیا۔ مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ اس خون ریز معرکہ میں میواڑ کا راجہ بھیم سنگھ جو شاہ جہاں کا ساتھ دے رہا تھا' وہ مارا گیا تھا۔

گو شاہ جہاں رستم خاں بڑی جگری سے لڑے' عمدہ انداز میں مقابلے میں مصروف رہے لیکن زخمی ہاتھی کے پیدا کردہ انتشار کے باعث اس کے دو سالاروں نے شاہ جہاں کے گھوڑے کی لگام پکڑی اور اسے میدان جنگ سے باہر لے گئے۔ اس موقع پر مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں اس جنگ کے دوران خان خاناں کے لڑکے داراب خان نے شاہ جہاں سے غداری

کی تھی‘ جسے بعدازاں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔

ان حالات میں شاہ جہاں کے پاس مایوسی کے سوا کچھ نہ تھا۔ گو بعدازاں ملک عنبر نے شاہ جہاں سے اتحاد کرلیا تھا۔ مگر شاہ جہاں کے اپنے ہی بعض سالاروں کی غداری اس کی شکست اور مسائل کا سبب بنی۔ شاہ جہاں بددلی کے عالم میں برار کی طرف چلا گیا۔ اس دوران رستم خاں کے علاوہ اکا دکا سالار اس کا ساتھ چھوڑتے چلے گئے۔ ان حالات میں شاہ جہاں نے جہانگیر کو خط بھیجا۔ اس کے ذریعے اس سے معافی طلب کی گئی۔ نور جہاں نے بھی اس موقع پر غنیمت جانا کیونکہ اس نے شاہ جہاں کے خلاف مہابت خاں کو بنگال سے بلا کر وقتی طور پر سکون حاصل کرلیا تھا‘ مگر اب اس کی کامیابی کے باعث بڑھتے ہوئے اثر ورسوخ سے خائف تھی۔

ویسے بھی مہابت خان اور شہزادہ پرویز ایک ہو چکے تھے۔ نور جہاں نے اس موقع پر حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے شاہ جہاں کی تجویز پر جہانگیر سے حکم صادر کروایا اور معافی کا اعلان کروا دیا۔

مارچ 1926ء میں شاہ جہاں سے رہتاس اور دوسرے قلعے بھی لے لئے گئے اور شاہ جہاں کو مجبور کیا گیا وہ اپنے دو بیٹوں داراشکوہ اور اورنگزیب کو شاہی دربار میں بطور ضمانت بھیجے اور شاہ جہاں کو ایسا کرنا پڑا۔

چنانچہ شاہ جہاں نے بلاکم وکاس دونوں شرائط پر عمل کیا۔ اس نے دس لاکھ روپے کے بیش قیمت تحائف بھی باپ کی خدمت میں بھیجے اور خود اپنی بیوی اور سب سے چھوٹے بچے مراد کے ہمراہ آرام کی غرض سے ناسک روانہ ہو گیا۔ اسے رسمی طور پر بالا گھات کا گورنر مقرر کر دیا گیا تھا۔ اس علاقے میں چونکہ آئے دن دشمنیوں کی یلغار رہتی تھی‘ اس طرح اس کو مصروف رکھنے کی غرض سے وہ علاقہ دیا گیا۔ خان خاناں بھی چونکہ اس سارے کام میں شاہ جہاں کا ساتھ دے رہا تھا۔ لہٰذا شاہ جہاں کی طرح اسے بھی معاف کر دیا گیا اور اسے بھی شاہ جہاں کے ساتھ کام کرنے پر مقرر کر دیا گیا تھا۔

مغل سلطنت کے حالات اب عجیب وغریب ہوتے جا رہے تھے۔ 1622ء کے وسط میں بغاوت کے باعث قندھار ہاتھ سے جاتا رہا تھا اور اس کی بازیابی کی کوئی امید باقی نہ رہی

تھی۔ ادھر جہانگیر کی صحت دن بدن تیزی سے گر رہی تھی‘ وہ ذہنی کام کرنے کے قابل نہ رہا تھا۔ اسی بناء پر 1624ء کے آخر میں اس نے خودنوشت لکھنا ترک کر دی تھی۔

اس کے علاوہ بیشتر پرانے سالار وفات پا چکے تھے یا زیرعتاب تھے۔ تخت وتاج کو داخلی طور پر کوئی اندیشہ نہ تھا لیکن وارث تخت کا مسئلہ بہرحال موجود تھا‘ جو کسی وقت بھی نازک صورت اختیار کر سکتا تھا۔

دوسری طرف مہابت خاں نے پرویز کے ساتھ مل کر شاہ جہاں کو شکست سے دوچار کر کے اپنا وقار بلند کرلیا تھا‘ لیکن اب آصف خاں اور نور جہاں کی مکمل توجہ اس کی طرف تھی۔

گو نور جہاں کا بھائی آصف خاں شاہ جہاں کا سسر تھا‘ لیکن اپنے داماد کو چھوڑ کر وہ مکمل طور پر اپنی بہن نور جہاں کا ساتھ دے رہا تھا۔ اس طرح ان ایرانی بہن بھائیوں نے ہندوستان کی سلطنت کے اندر سازشوں کا ایک جال پھیلانا شروع کر دیا تھا۔

ان دونوں بہن بھائیوں کو خوف تھا کہ تخت وتاج حاصل کرنے کیلئے مہابت خاں ان کے راستے کی دیوار بن سکتا ہے۔ مہابت خاں چونکہ خود بھی ایرانی تھا۔ لہٰذا آصف خاں اور نور جہاں کو یقین تھا کہ ایرانی ہونے کے ناطے سے وہ ان کو بھی ڈسے گا۔ لہٰذا اس سے محتاط رہنا چاہئے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی واضح تھی کہ آصف خاں اور مہابت خاں کے درمیان پرانی عداوت چلی آ رہی تھی۔ چنانچہ نور جہاں اور آصف خاں نے صلاح مشورہ کر کے ایک نئی چال چلنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

✧ ✧ ✧

ایک روز جب کہ شاہی قصر میں نور جہاں اس کی بیٹی لاڈلی بیگم اور جہانگیر کا بیٹا اور نور جہاں کا داماد اور لاڈلی بیگم کا شوہر شہریار اکٹھے بیٹھے کسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے کہ اس کمرے کے دروازے پر آصف خاں نمودار ہوا۔

اس کی آمد پر تینوں نے خوشی کا اظہار کیا تھا۔ آصف خاں آگے بڑھ کر اپنی بہن نور جہاں کے قریب بیٹھ گیا تھا۔ کچھ دیر تک خاموشی رہی‘ یہاں تک کہ لاڈلی بیگم بڑے غور سے آصف خاں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

آج ماموں کا چہرہ بتاتا ہے کہ معاملہ کچھ خاص ہے اور یہ کسی اہم موضوع پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔

لاڈلی بیگم کے ان الفاظ پر نور جہاں اور شہریار دونوں بڑے غور اور جستجو بھرے انداز میں آصف خاں کی طرف دیکھنے لگے تھے۔ پھر ہلکے سے تبسم میں نور جہاں نے اپنے بھائی آصف خاں کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔ ''کیا واقعی کوئی خاص بات ہے؟''

آصف خاں نے پہلے اسباب میں گردن ہلائی' اس موقع پر ہلکا سا تبسم اس کے چہرے پر نمودار ہوا تھا' پھر دھیمی سی آواز میں کہنے لگا۔

''میری بہن میری بھانجی کا اندازہ درست ہے۔ میں واقعی انتہائی اہم موضوع پر گفتگو کرنے آیا ہوں۔'' اس پر نور جہاں نے ایک لمبا سانس لیا اور کہنے لگی۔

''اگر کسی نہایت اہم موضوع پر گفتگو کرنی ہے تو پھر دیر کا ہے کی' شروع کریں کیا معاملہ ہے۔''

آصف خاں نے اس موقع پر گہری نگاہ نور جہاں پر ڈالی' پھر کہنے لگا۔

''شہریار اور لاڈلی بیگم کا راستہ صاف کرنے کیلئے شاہ جہاں کو تو ہم نے ایک طرف کر دیا ہے۔ شاہ جہاں کی قوت کے دو پہلو ہیں۔ ایک خان خاناں اور دوسرا رستم خاں' جہاں تک خان خاناں کا تعلق ہے وہ ایک اچھا سالار ضرور ہے' لیکن اب چونکہ بوڑھا ہو چکا ہے لہٰذا ہمیں اس سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔''

''جہاں تک رستم خاں کا تعلق ہے تو وہ بھی حکومت اور سلطنت کے بکھیڑوں میں پڑنے والا نہیں' وہ بھی سیدھا سادہ سا انسان ہے۔ چونکہ جہانگیر نے خود دکن کی مہم میں رستم خاں کو شاہ جہاں کے ساتھ کیا تھا لہٰذا وہ بڑی تن دہی بڑے خلوص کے ساتھ شاہ جہاں کے ساتھ کام کر رہا ہے۔ یہ رستم خاں بھی ہمارے کسی کام میں نہ روڑے اٹکا سکتا ہے نہ ہمارے رستے کی دیوار بن سکتا ہے اور نہ ہی ہمارے لئے کوئی خطرہ بن کر ہمارے سامنے آ سکتا ہے۔ اس وقت ہمارے لئے سب سے بڑا خطرہ دو اشخاص ہیں ایک مہابت خاں اور دوسرا شہزادہ پرویز' ان دونوں میں آج کل بڑا اتحاد ہے۔ جب سے جہانگیر نے ان دونوں کو شاہ جہاں کے خلاف کارروائیاں کرنے پر مقرر کیا تب سے ان دونوں کی دوستی انتہا ہی گاڑھی ہو چکی ہے اور یہ کوئی بھی کام ایک دوسرے سے مشورہ کئے بغیر نہیں کرتے۔

شہزادہ پرویز اور مہابت خاں اب یہ خیال کرنے لگے ہیں کہ شاہ جہاں کو شکست دینے کے بعد انہوں نے اپنا وقار ایسا بلند کر لیا ہے کہ وہ سلطنت کے اہم ترین ستونوں میں شمار کئے

جانے لگے ہیں۔ لہٰذا یہ کسی بھی موقع پر یہ دونوں من مانی کر سکتے ہیں۔ اس بنا پر ان دونوں کی من مانی سے بچنے کیلئے ہمیں ان کے راستے میں ایسی دیوار کھڑی کرنی چاہئے کہ یہ ہمارے لئے بے خطر ہو جائیں۔''

یہاں تک کہنے کے بعد آصف خاں جب خاموش ہوا تب نور جہاں اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''ہمیں کیا قدم اٹھانا چاہئے کہ یہ ہمارے لئے خطرہ کا باعث نہ بن سکے۔''

آصف خاں مسکرایا' پھر اپنی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے وہ دوبارہ کہہ رہا تھا۔

''سب سے بڑا کام جو ہمیں کرنا چاہئے وہ یہ کہ مہابت خاں اور پرویز کو اب آنے والے دنوں میں ایک ساتھ اور اکٹھے کام نہ کرنے دینا چاہئے۔

''مہابت خاں کو ہم نے بنگال سے مرکز میں اس لئے بلایا تھا کہ ہم اس کی مدد سے شاہ جہاں کو سامنے زیر کر دیں' یہ کام اب ہو چکا ہے۔ شاہ جہاں مرکز سے بہت دور ہے۔ جہانگیر بیمار رہنے لگا ہے' کسی بھی وقت کوچ کر سکتا ہے۔ ایسی صورت میں اس کے بیٹوں میں سے جو بھی مرکز میں موجود ہوگا تخت و تاج کا وہی مالک ہوگا۔

مہابت خاں اور پرویز کی دوستی کو ختم کرنے کیلئے ہم نے سب سے پہلا کام یہ کرنا ہوگا کہ تیز رفتار قاصد ان دونوں کی طرف روانہ کئے جائیں۔ وہ دونوں شاہ جہاں سے نمٹنے کے بعد ان دنوں بنگال میں مقیم ہیں اور مختلف مہمات میں انہوں نے کافی مال و اسباب بھی اکٹھا کیا ہے۔ لہٰذا جو قاصد ان کی طرف بھجوایا جائے وہ مہابت خاں کو یہ پیغام دے کہ اسے شہنشاہ نے ایک خاص مقصد کے تحت بنگال سے مرکز کی طرف بلایا تھا' اسے اپنے لشکریوں کا سپہ سالار بنایا تھا لہٰذا اب یہ مہم چونکہ ختم ہو چکی ہے لہٰذا اس کی سپہ سالاری کے احکامات واپس لئے جاتے ہیں اور وہ پہلے کی طرح بنگال کے گورنر کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دینا شروع کر دے۔

مہابت خاں اور پرویز دونوں پہلے ہی بنگال میں مقیم ہیں لہٰذا ایک دوسرا حکم نامہ پرویز کے نام جاری کیا جائے اور پرویز کو گجرات کا ایک طرح سے نام نہاد عامل مقرر کر دیا جائے۔ وہ ایک طرح کا حاکم ہوگا اور جو وہاں لشکر ہوں گے ان کی کمان داری خاں جہاں کو دے دی جائے۔ خاں جہاں چونکہ شاہ جہاں کے ساتھ کام کر رہا ہے' خاں جہاں شاہ جہاں کو غلط مشورہ

دے سکتا ہے۔ لہٰذا خاں جہاں جب گجرات میں پرویز کے ساتھ کام کرنا شروع کردے گا تو پھر مہابت خاں اور پرویز تو بے قرار ہوجائیں گے۔ شاہ جہاں کی طرف سے ہمارے لئے کوئی خطرہ نہیں رہے گا۔

نور جہاں نے اس سے اتفاق کیا' چنانچہ ایک قاصد کا انتخاب کیا گیا اور اس قاصد کا نام مؤرخین فدائی لکھتے ہیں۔ اس فدائی کو مہابت خاں کی طرف روانہ کیا گیا اور اسے کہا گیا کہ اسے لشکر کی سپہ سالاری سے ہٹا کر پہلے کی طرح بنگال کا حاکم مقرر کیا جاتا ہے۔ یہ پیغام جب مہابت خاں اور شہزادہ پرویز کے پاس پہنچا تو سب سے پہلے شہزادہ پرویز نے اس حکم پر عدم رضامندی کا اظہار کیا۔ یہ حکم نامہ چونکہ زبانی بھیجا گیا تھا۔ لہٰذا مہابت خاں اور پرویز نے اس کو کوئی اہمیت نہ دی۔ وہ یہی سمجھے کہ نور جہاں آصف خاں دونوں مل کر سازشوں میں مصروف ہیں۔

لیکن نور جہاں بھی بڑی تیز عورت تھی' جس کام کے پیچھے پڑ جاتی تھی اسے مکمل کر کے چھوڑتی تھی۔ اس کے علاوہ جہانگیر چونکہ بیمار تھا۔ لہٰذا تخت وتاج اور سلطنت کے سارے امور پر ایک طرح سے ان دونوں ایرانی بہن بھائی یعنی آصف خاں اور نور جہاں کی گرفت تھی۔ چنانچہ جو احکامات مہابت خاں کے اور پرویز کیلئے نور جہاں دینا چاہتی تھی وہ اس نے شہنشاہ جہانگیر سے جاری کرا دیئے۔ یہ احکامات جاری کرانے کے بعد مہابت خاں اور پرویز دونوں مجبور ہوگئے۔ مہابت خاں بنگال کا حاکم مقرر ہوگیا اور پرویز گجرات کا رخ کر گیا۔ خاں جہاں جس کا اصل نام پیر خاں لودھی تھا پرویز کے پاس گجرات پہنچ گیا۔ یاد رہے کہ ان دنوں شاہ جہاں کے پاس ملتے جلتے نام کے دو اہم سالار قیام کئے ہوئے تھے۔ ایک کو خاں خاناں کہتے تھے اور دوسرے کو خاں جہاں' خاں جہاں کا اصل نام پیر خاں لودھی تھا جبکہ خان خاناں کا اصل نام عبدالرحیم خاں تھا۔ اس طرح عبدالرحیم خاں خاناں تو شاہ جہاں کے پاس ہی رہا' خاں جہاں جس کا نام پیر خاں لودھی تھا وہ پرویز کے پاس پہنچ گیا۔

آصف خاں اور نور جہاں نے جب دیکھا کہ جہانگیر کی طرف سے احکامات جاری ہونے کے بعد ان کی خواہش پوری ہوگئی ہے پرویز گجرات چلا گیا ہے۔ مہابت خاں بنگال کا رخ کر گیا ہے تب انہوں نے مہابت خاں کو مزید ہلکا اور بے وقعت کرنے کیلئے ایک اور چال چلی۔ انہوں نے ایک بار پھر اپنے ایلچی فدائی خاں کو مہابت خاں کی طرف روانہ کیا اور اس پر

الزامات کی بوچھاڑ کردی۔

پہلی یہ کہ مہابت خاں سے کہا گیا کہ مہابت خاں کو جو بنگال کے مال و دولت اور مال غنیمت کی صورت میں ملا ہے وہ اس نے مرکز کی طرف نہیں بھجوایا۔ چنانچہ نور جہاں اور آصف خاں نے ایک طرح سے مہابت خان پر ایک خورد برد اور بددیانتی اور بدعنوانی کے الزامات عائد کرنا شروع کردیئے۔

دوسرا الزام اس کی لڑکی کے سلسلہ میں اس پر لگایا گیا۔ دراصل انہی دنوں بقول مؤرخین مہابت خاں نے اپنی لڑکی کی منگنی خواجہ عمر بخش نقشبندی کے لڑکے سے کردی تھی۔ نور جہاں اور آصف خان نے یہ اعتراض کیا کہ یہ منگنی مہابت خاں نے شہنشاہ کی مرضی اور اس کی اجازت کے بغیر کی ہے۔

کیونکہ بڑے لوگوں کے یہ کام کرنے میں بھی شہنشاہ کی اجازت لی جاتی تھی اور مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ نور جہاں کے اکسانے پر جہانگیر نے اس منگنی کی اجازت دینے سے انکار کردیا بلکہ خواجہ عمر بخش نقشبندی کے لڑکے کو دربار میں طلب کیا گیا۔ اس کے ہاتھ گردن کے ساتھ باندھ دیئے گئے اور ننگے پاؤں قید خانے میں بھیجا گیا۔ اس کے علاوہ مہابت خاں کی طرف سے جو اپنے ہونے والے داماد کو مال و زر کی صورت میں دیا گیا تھا وہ سب بھی لوٹانے کا حکم دیا گیا تھا۔

ان سارے الزامات کی وجہ سے آصف خاں اور نور جہاں کے خلاف مہابت خان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔ مہابت خاں اچھی طرح جانتا تھا کہ جہانگیر امور مملکت پر توجہ دینے کے قابل نہیں رہا بلکہ وہ نور جہاں کی ہر بات پر حکم صادر کردیتا ہے۔ اسے یقین ہوگیا تھا کہ اس کی تباہی کیلئے تمام حربے استعمال کئے جارہے ہیں اور یہ سارے حربے نور جہاں اور آصف خاں دونوں بہن بھائی کی طرف سے ہورہے ہیں۔ چنانچہ اس نے بھی اپنی مدافعت کیلئے بھرپور کوششیں شروع کردی تھیں۔

مہابت خاں اپنے ساتھی سالار نقیب خاں کے ساتھ بنگال سے آگرہ آیا ہوا تھا۔ آگرہ پہنچ کر اسے خبر ہوئی کہ جہانگیر اور نور جہاں اپنے کچھ محافظ دستوں کے ساتھ کشمیر گئے ہوئے تھے اور اب وہ کشمیر سے پلٹ کر لاہور میں قیام کئے ہوئے ہیں۔

آگرہ ہی قیام کے دوران ایک روز مہابت خاں اور نقیب خاں دونوں نور جہاں اور اس کے بھائی آصف خان کی وجہ سے بدلتے ہوئے حالات پر گفتگو کر رہے تھے' ان کا ایک ساتھی ان کے پاس آیا اور غور سے مہابت خاں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

گجرات سے شہزادہ پرویز کی طرف سے ایک قاصد آیا ہے وہ آپ کیلئے اہم پیغام لے کر آیا ہے۔

اپنے اس ساتھی کے ان الفاظ پر مہابت خاں اور نقیب خاں دونوں چونکے' پھر مہابت خاں نے اسے مخاطب کیا۔

پرویز کی طرف سے آنے والے کو فوراً میرے پاس لے آؤ۔

اس پر وہ شخص پیچھے ہٹ گیا' تھوڑی دیر بعد وہ شہزادہ پرویز کے قاصد کو لے کر مہابت خاں کے پاس لایا۔ مہابت خاں اور نقیب خاں دونوں تھوڑی دیر تک بڑے غور سے اسے دیکھتے رہے' پھر مہابت خاں نے اسے مخاطب کیا۔

پرویز نے تمہارے ذریعے ہمارے نام کیا پیغام بھیجا ہے۔

اس استفسار پر آنے والا قاصد بولا اور کہنے لگا۔

شاید آپ کو معلوم ہوگا کہ جہانگیر نور جہاں اور آصف خاں تینوں اپنے لشکر کے ایک حصے کے ساتھ جو ان محافظ دستوں پر مشتمل ہے کشمیر گئے ہوئے تھے' کشمیر سے واپسی پر تقریباً ایک ماہ ہوا' انہوں نے لاہور میں قیام کر رکھا ہے۔

شہزادہ پرویز کو یہ خبریں پہنچی ہیں کہ لاہور کے قیام کے بعد جہانگیر نور جہاں اور آصف خاں آگرہ کا رخ نہیں کریں گے بلکہ وہ کابل کی طرف جائیں گے۔ وہاں کے حالات کا جائزہ لیں گے' پھر کابل سے پلٹ کر آگرہ آئیں گے۔ لہٰذا پرویز کا آپ کے نام پیغام یہ ہے کہ ان حالات کو سامنے رکھتے ہوئے اگر نور جہاں اور آصف خاں کے علاوہ جہانگیر پر گرفت کر لی جائے تو پھر مملکت کے سارے امور کو نور جہاں اور آصف خاں کے پاس سے نکال کر خود ان پر قبضہ کیا جا سکتا ہے۔

یہ الفاظ سن کر مہابت خاں اور نقیب خاں دونوں کے چہروں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی' یہاں تک کہ آنے والا بولا اور کہنے لگا۔

اس کے علاوہ شہزادہ پرویز نے آپ کی مدد کیلئے چھ ہزار بہترین جنگجو راجپوتوں پر مشتمل ایک لشکر بھی آپ کی طرف روانہ کیا ہے اور وہ لشکر آج شام کو یا آنے والے کل کی صبح کو آپ کے پاس پہنچ جائے گا۔ شہزادہ پرویز چاہتا ہے کہ ان جنگجو اور ناقابل تسخیر راجپوتوں کے ساتھ آپ شہنشاہ کے پیچھے لگ کر سارے حالات کو اپنی گرفت میں کر لیں۔ اگر اس سلسلہ میں جہانگیر کو گرفتار کر کے بھی اپنی باتیں منوانا پڑتا ہے تو بھی ہمیں ایسا کرنا چاہئے۔

مہابت خاں کچھ دیر تک مسکراتا رہا' پھر ایسا پیغام لانے پر اس قاصد کا شکریہ ادا کیا اور اسے آرام کرنے کا مشورہ دیا۔ دوسرے روز علی الصبح چھ ہزار راجپوتوں کا ایک لشکر مہابت خاں اور نقیب خاں کے پاس پہنچ گیا تھا اور وہ اسی روز دونوں چھ ہزار راجپوتوں کو لے کر لاہور کی طرف کوچ کر گئے تھے۔

لاہور پہنچ کر انہیں پتا چلا کہ جہانگیر اور نور جہاں اور آصف خاں اپنے محافظ دستوں کے ساتھ لاہور سے کوچ کر کے مغرب کی طرف روانہ ہو چکے ہیں۔ چنانچہ مہابت خاں بھی نقیب خاں کے ساتھ چھ ہزار لشکریوں کے ہمراہ شاہی قافلے کے پیچھے لگ گیا تھا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ جہانگیر کشمیر کی واپسی پر چند ماہ لاہور میں قیام کرنے کے بعد مارچ 1926ء کو کابل کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔ راجپوتوں کا لشکر ملنے کے بعد مہابت خاں شیر ہو گیا تھا۔ چنانچہ وہ اور اس کا ساتھی نقیب خان دونوں چھ ہزار راجپوتوں کو لے کر بڑی تیزی اور برق رفتاری کے ساتھ مغرب کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔

مؤرخین کا یہ بھی کہنا ہے کہ دریائے جہلم کے قریب مہابت خاں چھ ہزار لشکریوں کے

ساتھ شاہی کاروان میں جا پہنچا' مہابت خاں یہ انتظام کر کے آیا تھا کہ اگر دربار میں اس کے ساتھ نامناسب سلوک کیا گیا تو اس کا جواب پوری شدت کے ساتھ دے گا۔

مہابت خاں کی آسانی کیلئے شہزادہ پرویز نے یہ کام بھی کیا تھا کہ چھ ہزار وفادار راجپوتوں کو ان کی بیوی بچوں سمیت اس کی طرف روانہ کیا تھا۔ ایسا اس نے اس لئے کیا تھا کہ اگر کسی نے بھی غداری کرنے کا فیصلہ کیا تو اس کے بیوی بچے کی عزت داؤ میں لگ جائے گی۔ لہٰذا قدرتی طور پر وہ ایسے اقدام سے گریز کریں گے۔

چنانچہ مہابت خاں جب چھ ہزار کے لشکر کے ساتھ دریائے جہلم کے کنارے شاہی کاروان میں پہنچ گیا تب شہنشاہ کی طرف سے مہابت خاں کو حکم دیا گیا کہ وہ پڑاؤ میں مقیم رہے اور جب تک دربار سے خصوصی بلاوا نہ آئے دربار میں حاضر نہ ہو۔

اس موقع پر نورجہاں کے بھائی آصف خاں سے ایک حماقت ہوئی وہ جانتا تھا کہ مہابت خاں چھ ہزار راجپوتوں کے ساتھ شاہی کاروان میں پہنچ چکا ہے اور کسی وقت بھی حالات ابتر ہوسکتے ہیں لیکن مہابت خاں صرف اپنے مفاد کی خاطر ہر کام کرنے کو تیار ہوجاتا تھا۔ چنانچہ آصف خاں نے نتائج کی پروا کئے بغیر جہانگیر اور نورجہاں کو چند خادموں کے ساتھ تنہا چھوڑ کر باقی محافظ دستوں کے ساتھ دریائے جہلم کو عبور کرلیا۔

مہابت خاں یہ سوچ کر دربار میں کوئی شخص بھی اس کا ساتھی نہ تھا' جہانگیر کو اس غرض سے حراست میں لینے کی کوشش کی کہ اس طرح اسے نورجہاں اور آصف خاں کے اثر ورسوخ سے نجات دلائی جائے۔

مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ عین اس وقت جب جہانگیر دریا عبور کرنے والا تھا مہابت خان نے اپنے لشکریوں کو یکجا کیا اور ان میں سے قریباً دو ہزار کو کشتیوں کے پل کے کنارے جمع کر کے پل کو نذر آتش کرنے کا حکم دے دیا۔

اس کے بعد مہابت خاں ایک چھوٹے سے محافظ دستے کے ساتھ شاہی خیمہ کی طرف گیا' نقیب خاں اس کے ساتھ تھا۔ چنانچہ دونوں زبردستی شاہی خیمے میں داخل ہوئے۔

جہانگیر اپنے چند خدام کے ساتھ خود باہر آیا اور اس نے اپنی تلوار بے نیام کر کے اس موقع پر مہابت خاں کا صفایا کرنے کی کوشش کی' لیکن اسے طاقت نہ استعمال کرنے کا مشورہ دیا گیا۔

اس کے بعد مہابت خاں کے مشورہ پر جہانگیر کو پہلے گھوڑے پر' پھر ہاتھی پر سوار کردیا گیا اور یہ ظاہر کیا گیا کہ وہ شکار پر جارہا ہے۔ اس سارے کام میں نقیب خاں پیش پیش تھا۔ ہودے پر چند راجپوتوں کو بھی بٹھا دیا گیا تھا۔

اس طرح مہابت خاں کے خیمے میں پہنچا دیا گیا' اس افراتفری میں مہابت خاں یہ بھول گیا کہ نورجہاں کو بھی حراست میں لے لینا چاہئے تھا۔ چنانچہ نورجہاں کسی نہ کسی طرح جہانگیر کے بیٹے اور اپنے داماد شہریار کے ساتھ دریائے جہلم کو عبور کر کے دوسرے کنارے اپنے بھائی آصف خاں کے پاس پہنچ گئی۔

مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ خیال کیا جاتا ہے کہ خود نورجہاں کو بھی علم نہ ہوسکا تھا کہ جہانگیر پر کیا گزر رہی ہے۔ وہ یہی سمجھی کہ جہانگیر حقیقتاً شکار کیلئے جارہا تھا' تاہم جب اسے اصل حالات کا علم ہوا تو اس نے آصف خاں اور دیگر افراد کو طلب کر کے مہابت خاں پر حملہ کرنے اور شہنشاہ کو آزاد کرانے کا فیصلہ کرلیا۔

چنانچہ یہ فیصلہ کرنے کے بعد اسی دن مہابت خاں پر حملہ کیا گیا' لیکن شاہی محافظوں کا لشکر تھوڑا تھا اسے مہابت خاں کے خلاف فتح حاصل نہ ہوسکی۔ چنانچہ اس ناکامی اور شکست کے بعد بقول مؤرخین نورجہاں اپنے بھائی آصف خاں پر برس پڑی اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔

جو کچھ بھی ہوا تمہاری غفلت اور حماقت کی وجہ سے ہوا' ہم جس بات کا تصور بھی نہیں کرسکتے تھے وہی ہوا' تمہیں اپنے رویے پر خدا اس کے بندوں کے سامنے شرم آنی چاہئے۔ اب یہ تمہارا کام ہے کہ اپنی اس لغزش کا ازالہ کرنے کی پوری کوشش کرو۔

مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ جب مہابت خاں کے لشکر پر حملہ آور ہونے کی منصوبہ بندی بن رہی تھی تو خود جہانگیر نے بار بار یہ پیغام بھجوایا کہ ایسا اقدام نہ کیا جائے لیکن اس کی اس نصیحت پر عمل نہ کیا گیا۔ حملہ کے دن نورجہاں نے شہریار کی شیرخوار بچی جو اس کی بیٹی لاڈلی بیگم سے تھی اسے اپنی گود میں لیا ہوا تھا اور ہاتھی پر بیٹھ کر دریائے جہلم عبور کرنے کی کوشش کی۔

لیکن دوسرے کنارے سے راجپوتوں نے تیروں کی بوچھاڑ کردی۔ ایک چھوٹا سا شاہی دستہ دریا عبور کرنے میں کامیاب ہوگیا اور شاہی خیموں تک پہنچنے میں بھی اس نے کامیابی حاصل کرلی تھی۔

مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ اس ٹکراؤ میں نور جہاں کا ہاتھ بھی زخمی ہوا اور ایک تیر شہریار کی شیر خوار بچی یا اس بچی کی آیا جو نور جہاں کے ہاتھی کے ہودے پر سوار تھی اس کے بازو میں پیوست ہوگیا۔ چنانچہ نور جہاں کو مجبوراً واپس جانا پڑا۔

دوسری طرف آصف خاں اور مہابت خاں اور نقیب خاں کا ایسا رعب طاری ہوگیا تھا کہ آصف خاں چند محافظ دستوں کے ساتھ فوراً دریائے جہلم کے کنارے سے کوچ کر کے دریائے سندھ کے کنارے اٹک کے قلعے میں جا پہنچا۔ اس کی طرف دیکھتے ہوئے دوسرے سالار بھی اپنے اپنے ماتحتوں کو لے کر نکلے اور کچھ نے مہابت خاں کے ساتھ صلح صفائی کی کوشش بھی کر دی تھی۔

ان حالات میں مؤرخین مزید لکھتے ہیں کہ اب مہابت خاں کی بالا دستی قائم ہوگئی تھی۔ تین ہزار لشکری آصف خاں اپنے ساتھ لے کر چلا گیا تھا اور نور جہاں تنہا رہ گئی تھی۔ مؤرخین یہ بھی لکھتے ہی کہ نور جہاں نے اس موقع پر انتہائی حوصلہ اور تحمل سے کام لیا۔ مہابت خاں بھی دریائے جہلم کو عبور کر کے آگے بڑھا اور اٹک کے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ وہاں پہنچ کر آصف خاں کی جان بخشی کر دی لیکن اس کے بہت سے ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔

چنانچہ ان حالات میں مہابت خاں نے جہانگیر کے ساتھ ساتھ نور جہاں اور جہانگیر کے بیٹے شہریار کو بھی اپنا اسیر بنا لیا تھا۔ یوں شہریار اور نور جہاں مہابت خاں کے آگے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہوگئے تھے اور ان کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

اب مہابت خاں نے نور جہاں کو جہانگیر کے ساتھ رہنے کی اجازت دے دی۔ اس دوران بھی وہ مہابت خاں کی قید سے آزادی حاصل کرنے کیلئے طریقے سوچتی رہی۔ چنانچہ نور جہاں نے بڑے نرم لہجہ میں مہابت خاں کو اپنی مٹھی میں لینے کی کوشش کی۔ نور جہاں ایرانی تھی۔ مہابت خاں بھی ایرانی تھا۔ وہ یہ خیال کرتی تھی شاید ایرانی ہونے کے ناطے سے مہابت خاں اس کی بات مان جائے گا چنانچہ نور جہاں نے مہابت خاں سے کہا کہ وہ ٹھٹھ جا کر شاہ جہاں کی سرکوبی کی کوشش کرے لیکن ایسا ہو نہ سکا۔

اس کے بعد مئی 1926ء میں یہ شاہی قافلہ کابل جا پہنچا اور اس طرح کابل میں بھی قیام کے دوران نور جہاں جہانگیر آصف خاں' شہزادہ شہریار ایک طرح سے مہابت خاں اور نقیب خاں کے قیدی کی حیثیت سے ہی دن گزارنے لگے تھے۔

✧ ✧ ✧

دکن میں شاہ جہاں اور رستم خاں ایک روز اپنے لشکروں کا جائزہ لے رہے تھے کہ تین گھوڑ سوار اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے ان کی لشکر گاہ میں داخل ہوئے تھے۔ سیدھے اس کی طرف گئے' جہاں شاہ جہاں اور رستم خاں کھڑے تھے۔ چنانچہ ان کی آمد پر شاہ جہاں اور رستم خاں چونکے' اس لئے کہ وہ تینوں ان کے مخبر تھے۔ قریب آ کر وہ گھوڑوں سے اترے' بلند آواز میں سلام کیا' پھر ان میں سے ایک شاہ جہاں کی طرف دیکھتے ہوئے۔

ہم آپ کیلئے ایک انتہائی بری خبر لے کر آئے ہیں اور خبر یہ ہے کہ مہابت خاں اور اس کے ساتھی سالار نقیب خاں دونوں نے چھ ہزار راجپوتوں کے ایک لشکر کے ساتھ جہانگیر نور جہاں' آصف خاں اور شہریار چاروں کو اپنا قیدی بنا لیا ہے۔ اس وقت وہ کابل میں قیام کئے ہوئے ہیں۔ ان کی حیثیت اپنے محافظ دستوں کے ساتھ مہابت خاں اور نقیب خاں کے سامنے ایک قیدی اور اسیر سے زیادہ نہیں ہے۔ اس کے بعد آنے والے مخبر نے مہابت خاں' نقیب خاں کے بنگال سے آگرہ جانے' شہزادہ پرویز کے چھ ہزار راجپوت کے لشکری مہابت خاں کی طرف بھجوانے اور اسے شاہی قافلے کا تعاقب کرنے اور اس کے بعد دریائے جہلم کے کنارے جو کچھ پیش آیا اس کی پوری تفصیل شاہ جہاں سے کہہ دی تھی۔

یہ ساری تفصیل جان کر شاہ جہاں اور رستم خاں دونوں فکرمند اور پریشان ہوگئے تھے۔ کچھ دیر خاموشی رہی' پھر شاہ جہاں اور رستم خاں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

رستم خاں میں جانتا ہوں نور جہاں میری بدترین دشمن ہے' مجھے نظر انداز کر کے مجھے پس پشت ڈال کر وہ اپنے داماد شہریار کو ہندوستان کے تاج و تخت کا مالک بنانا چاہتی ہے۔ آصف خاں گو میرا سسر ہے لیکن وہ بھی اپنی بہن نور جہاں کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ لیکن میں نے نور جہاں اور آصف خاں یا شہریار کو نہیں دیکھنا' میں نے اپنے باپ جہانگیر کو دیکھنا ہے۔ کم از کم یہ معاملہ میرے لئے ناقابل برداشت ہے کہ میرا باپ مہابت خاں کے قیدی اور اسیر کی حیثیت سے دن گزارے۔ لہٰذا میں ہر صورت میں مہابت خاں کی گرفت اور اسیری سے اپنے باپ کو نکالنا پسند کروں گا۔

شاہ جہاں مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ رستم خاں اس کی بات کاٹتے ہوئے بول اٹھا۔

جو کچھ آپ نے کہا ہے میں اسے مکمل طور پر اتفاق کرتا ہوں لیکن آپ کا دکن میں رہنا

بھی انتہائی ضروری ہے۔ حالات جو پلٹا کھا رہے ہیں میں ان حالات کے تحت دکن میں اس وقت جو شاہی لشکر ہے اس پر آپ کی گرفت رہنی چاہئے۔ اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو پھر یاد رکھئے گا آنے والے دنوں میں ہر وقت اور مخالف طاقت ہمیں اپنے سامنے جھکنے اور پاؤں تلے روندنے میں کامیاب ہوجائے گی۔

میں چاہتا ہوں آپ لشکر کے بڑے حصے کے ساتھ دکن ہی میں قیام رکھیں' بدلتے حالات پر گہری نظر بھی رکھیں' میں اپنے لشکر کے ایک حصے کے ساتھ کابل کا رخ کرتا ہوں اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مہابت خاں کی گرفت سے میں شہنشاہ کو ضرور چھڑا لوں گا۔ مہابت خاں اور نقیب خاں کس قدر جواں مرد اور جفاکش ہیں' میں اچھی طرح جانتا ہوں لیکن اس موقع پر میں آپ سے یہ بھی گزارش کروں گا کہ جو لشکر مجھے مہیا کیا جائے وہ صرف افغانوں پر مشتمل ہو' میں کسی دوسرے لشکری کو ساتھ لے جانا پسند نہیں کروں گا۔

یہاں تک کہنے کے بعد رستم خاں جب رکا' تب کچھ تھوڑی دیر خاموشی رہی' پھر شاہ جہاں جذباتی سی آواز میں کہنے لگا۔

رستم خاں میرے بھائی جس مہم پر تم جا رہے ہو وہ میرے لئے بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ اول یہ کہ اس مہم کے دوران ہمیں شہنشاہ کو مہابت خاں کی گرفت سے نکالنا ہے۔ میرے ساتھ ان کا سلوک کیسا ہی سہی لیکن بہرحال وہ میرے باپ ہیں۔ دوئم یہ کہ تم جانتے ہو کہ میرے دو بیٹے اورنگزیب اور دارا وہاں ضمانت کے طور پر رکھے ہوئے ہیں۔ اس مہم کے دوران تم میرے دونوں بیٹوں کی حفاظت کا سامان بھی کرو گے تاکہ مہابت خاں نے یہ جو نیا جھگڑا کھڑا کیا ہے اس دوران کہیں میرے بیٹوں کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ تیسری بات میں تجھ سے کہنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ کوئی مناسب موقع جان کر مہابت خاں کے راجپوت لشکروں پر حملہ آور ہونا اگر تم مہابت خاں کے ساتھ راجپوتوں کی تعداد کم کرنے میں کامیاب ہوگئے تو میرا خیال ہے مہابت خاں خود ہی اپنے آپ کو ہمارے حوالے کردے گا۔ یہ معاملہ طول نہیں پکڑے گا۔ میرے خیال میں تم اپنی تیار پکڑو' اتنی دیر تک میں ان افغان دستوں کو علیحدہ کرتا ہوں جنہوں نے تمہارے ساتھ کوچ کرنا ہے۔

اس موقع پر رستم خاں نے پھر شاہ جہاں کو مخاطب کیا اور کہنے لگا۔

میں اپنی بیوی کو بھی ساتھ لے جاؤں گا۔ یہاں سے آگرہ جاؤں گا' اپنی بیوی کو اس

کے میکے چھوڑنے کے بعد پھر میں اپنے لشکریوں کے ساتھ شاہی قافلے کے پیچھے لگ جاؤں گا۔ مجھے امید ہے کہ اتنی دیر شاہی قافلہ کابل پہنچ چکا ہوگا۔

شاہ جہاں نے اس سے اتفاق کیا۔ لہٰذا دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔ شاہ جہاں ان لشکریوں کو علیحدہ کرنے لگا تھا جنہوں نے رستم خاں کے ساتھ جانا تھا۔ رستم خاں اپنے خیمہ میں داخل ہوا' خیمہ میں اس وقت سمترا اکیلی بیٹھی شاید رستم خاں کا ہی انتظار کر رہی تھی۔ خیمے میں داخل ہونے کے بعد رستم خاں بیٹھا نہیں اس کی یہ کیفیت دیکھتے ہوئے سمترا بھی کھڑی ہوگئی' یہاں تک کہ رستم خاں نے اسے مخاطب کیا۔

سمترا اپنا سامان سمیٹو تاکہ یہاں سے کوچ کریں۔ سمترا پریشان اور فکرمند سی ہوگئی تھی' کہنے لگی۔

اب کدھر کا کوچ ہے۔ میں دیکھتی ہوں لشکر میں کوئی ہل چل نہیں' سارے خیمے ویسے ہی کے ویسے ہی نصب ہیں اور آپ مجھے کوچ کیلئے کہہ رہے ہیں۔

سمترا کے ان الفاظ کے جواب میں رستم خاں نے وہ ساری گفتگو جو شاہ جہاں کے خیمے میں ہوئی تھی سمترا سے کہہ دی تھی۔ اس پر سمترا فوراً حرکت میں آئی' اپنا سامان سمیٹنے لگی تھی اور تھوڑی دیر بعد رستم خاں افغانوں پر مشتمل ایک لشکر کو لے کر وہاں سے کوچ کر گیا تھا۔ اس کا ساتھی سالار نظام الدین بھی اس موقع پر اس کے ساتھ تھا۔

راجہ جگن ناتھ اور اس کی بیوی سروجنی اور بیٹا شنکر ناتھ ایک روز اپنی حویلی کے دیوان خانے میں بیٹھے کسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے کہ حویلی کے دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

اس موقع پر راجہ جگن ناتھ نے اپنے بیٹے شنکر ناتھ کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

بیٹے دیکھو دستک دینے والا کون ہے۔

شنکر اپنی جگہ سے اٹھا' تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا صدر دروازے کی طرف گیا' جب اس نے دروازہ کھولا تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی کہ دروازے پر رستم خاں اور سمترا دونوں میاں بیوی اپنے گھوڑوں کی باگیں پکڑے کھڑے تھے۔

شنکر پہلے پرجوش کے انداز میں دونوں سے ملا' پھر دونوں کے گھوڑوں کی باگیں اس نے پکڑلیں' حویلی میں داخل ہوا' اس کے پیچھے پیچھے رستم خاں اور سمترا بھی داخل ہوئے۔ دونوں

گھوڑوں کو شنکر اصطبل کی طرف لے کر چلا گیا تھا کہ رستم خاں اور سمترا دونوں جب دیوان خانے کے دروازے پر آئے تو ان دونوں کو دیکھتے ہوئے جگن ناتھ اور سروجنی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ بے پناہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے دونوں ان کی طرف لپکے تھے' آگے بڑھ کر سروجنی نے سمترا کو اپنے ساتھ لپٹا لیا تھا جبکہ جگن ناتھ رستم خاں سے گلے مل رہا تھا' اس کے بعد چاروں بیٹھ گئے۔ اتنی دیر تک گھوڑوں کو اصطبل میں باندھنے کے بعد گھوڑوں کی زینوں کے ساتھ جو خرجینیں تھیں وہ اتار کر شنکر دیوان خانے میں داخل ہوا۔ اس موقع پر جگن ناتھ بڑے غور سے رستم خاں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

بیٹے تمہاری اور سمترا کی طرف سے ہمیں یہی اطلاع مل رہی تھی کہ تم شاہ جہاں کے ساتھ دکن کی طرف ہو' کیا شاہ جہاں بھی اپنے لشکر کے ساتھ آگرہ آ گیا ہے۔

جواب میں رستم خاں نے پہلے نفی میں گردن ہلائی' پھر سارے حالات اس نے تفصیل کے ساتھ کہہ دیئے تھے۔

یہ ساری تفصیل جاننے کے بعد تھوڑی دیر تک خاموشی رہی' پھر قدرے پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے سروجنی کہنے لگی۔

رستم خاں میرے بیٹے یہ بڑی خطرناک اور کٹھن مہم ہے۔ اگر مہابت خاں نے اپنے ایک ساتھی سالار نقیب خاں کے ساتھ مل کر جہانگیر' نور جہاں اور آصف خاں کو اپنا اسیر بنا لیا ہے تو یہ بہت بڑی حرکت ہے اور میں سمجھتی ہوں کہ مہابت خاں کو چاہئے جو چھ ہزار راجپوت لشکری کام کر رہے ہیں انہوں نے بھی شہنشاہ کے ساتھ خلاف مہابت خاں کے تحت کام کرتے ہوئے انتہائی کریہہ قدم اٹھانے کا ثبوت دیا ہے۔ بیٹے تم چند دن یہاں رکو گے نا' کیا جاتی دفعہ سمترا کو بھی ساتھ لے کر جاؤ گے۔

جواب میں رستم خاں کہنے لگا۔

میں صرف سمترا کو یہاں چھوڑنے آیا ہوں' میں آج ہی یہاں سے کوچ کر جاؤں گا۔ یہ ایک ایسی مہم ہے جس کیلئے وقت ضائع نہیں کیا جا سکتا۔

قبل اس کے سروجنی یا راجہ جگن ناتھ میں سے کوئی بولتا شنکر بول اٹھا اور کہنے لگا۔

میں نے تو آپ دونوں کے گھوڑوں کی زینیں اتار دی ہیں' دھانے نکال کر ان کے آگے چارہ بھی ڈال دیا ہے اور ساری خرجینیں اتار لایا ہوں۔

اس پر رستم خاں اٹھ کھڑا ہوا اور راجہ جگن ناتھ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

میں اور سمترا دونوں ذرا اپنی حویلی کا چکر لگا آئیں۔ وہاں ہم دونوں جہاں آرا اور تسیمہ خاتون سے مل لیں گے' اس کے بعد سمترا یہیں رہے گی۔ میں اپنے لشکر کے ساتھ کابل کی طرف کوچ کر جاؤں گا۔

رستم خاں جب خاموش ہوا' تب راجہ جگن ناتھ دکھ بھرے انداز میں کہنے لگا۔

بیٹے! اپنی حویلی جانے کی تم دونوں کو ضرورت نہیں ہے' اس لئے کہ جہاں آراء اور تسیمہ خاتون اب وہاں نہیں ہیں۔ حویلی کو تالا لگا دیا گیا ہے۔ تمہارے باپ کے مرنے کے بعد چند ہفتے بعد جہاں آراء بھی اس فانی دنیا سے کوچ کر گئی تھی۔ اس دوران رتن کماری کی شادی لاہور میں سعادت خان کے ہاں ہوگئی اور رتن کماری جاتے ہوئے تسیمہ خاتون کو اپنے ساتھ لاہور لے گئی ہے۔

رتن کماری کا کہنا تھا کہ تسیمہ حویلی میں اکیلی کیسے رہے گی۔ ہم نے تسیمہ خاتون کو پیشکش کی تھی کہ وہ حویلی سے نکل کر یہاں ہمارے پاس آ جائے' لیکن رتن کماری کی خواہش تھی کہ تسیمہ خاتون میرے ساتھ جائے' وہاں اس کی موجودگی' اس کی دلجمعی کا سبب بنے گی۔ لہٰذا رتن کماری تسیمہ خاتون کو اپنے ساتھ لے گئی ہے۔

اس موقع پر پہلی بار سمترا بولی اور رستم خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

آپ تھوڑی دیر مزید رک جائیں' میں اور اماں دونوں مل کر کھانا تیار کرتی ہیں' کھانا کھایئے گا' زادِ راہ بھی تیار کر دیا جائے گا' اس کے بعد آپ کوچ کر جانا۔ میں آپ کو روکوں گی نہیں' میں جانتی ہوں اس مہم کی کتنی اور کس قدر اہمیت ہے۔

رستم خاں نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ چنانچہ سمترا اور سروجنی دونوں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ دونوں نے مل کر کھانا تیار کیا' سب نے مل کر کھانا کھایا' سمترا نے جو رستم خاں کیلئے زادِ راہ تیار کیا تھا وہ اس کے گھوڑے کی زین سے باندھ دیا' اس کے بعد رستم خاں سب سے ملنے کے بعد لشکر گاہ کی طرف گیا اور وہاں اس لشکر کے ساتھ جو افغانوں پر مشتمل تھا جسے وہ دکن کی طرف سے لے کر آیا تھا' کابل کی طرف کوچ کر گیا تھا۔

کابل کے نواح میں شاہی کارواں کیلئے جو خیمہ گاہ نصب کی گئی تھی اس کے ایک خیمہ

کے اندر جہانگیر نور جہاں اور آصف خاں تینوں بیٹھے اسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے کہ مہابت خاں سے کیسے اور کس طرح جان چھڑائی جا سکتی ہے۔ اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے انہیں تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ جہانگیر کے مخبروں میں سے ایک اس خیمے کے دروازے پر نمودار ہوا تھا اسے دیکھ کر ہلکی سی مسکراہٹ جہانگیر کے چہرے پر نمودار ہوئی تھی۔ نورِ جہاں اور اس کا بھائی آصف خاں بھی اسے پہچان چکے تھے۔ لہٰذا وہ بھی جستجو بھرے انداز میں اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ حتیٰ کہ جہانگیر نے اشارے سے اسے اندر آنے کیلئے کہا' جس پر وہ خیمے میں داخل ہوا' جب وہ جہانگیر کے قریب گیا تب جہانگیر نے بڑی سرگوشی میں اسے مخاطب کیا۔

کیا تم کوئی اہم خبر لے کر آئے ہو' آنے والے اس مخبر نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری' پھر کہنے لگا۔

شہنشاہ محترم آپ کا اندازہ درست ہے۔ میں ایک ایسی خبر لے کر آیا ہوں جس میں صرف ہماری بہتری اور بھلائی نہیں بلکہ مہابت خاں کی اسیری سے بھی جان چھوٹ جائے گی۔

اس مخبر کے یہ الفاظ سن کر نور جہاں اور آصف خاں چونکے تھے۔ یہاں تک کہ جہانگیر پھر بول اٹھا۔

وہ کون سی خبر ہے۔ ذرا تفصیل سے کہو تا کہ میں جانوں کون سی تبدیلی' کون سا انقلاب آنے والا ہے۔

جواب میں مخبر پھر بول اٹھا' وہ کہہ رہا تھا۔

شہنشاہ محترم آپ رستم خاں کو جانتے ہیں جو ہماری عساکر کا ایک اہم سالار ہے۔

جواب میں کسی قدر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے جہانگیر کہنے لگا۔

ہاں رستم خاں کو جانتا ہوں۔ فرید خان کا بیٹا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہماری سلطنت کے چوٹی کے سالاروں میں سے ایک ہے وہ چونکہ ان دنوں شاہ جہاں کے ساتھ کام کر رہا ہے' اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کے خیالات بھی شاہ جہاں جیسے ہوں گے وہ بھی ہمارے خلاف حرکت میں آئے گا۔

اس پر مخبر نے نفی میں گردن ہلائی' پھر کہنے لگا۔

ایسا معاملہ نہیں ہے۔ دراصل مہابت خان کے ہاتھوں آپ کی اسیری کی خبریں شاہ جہاں تک پہنچی ہیں۔ لہٰذا شاہ جہاں اور رستم خاں نے یہ خبر سننے کے بعد آپس میں صلاح

مشورہ کیا' اب شاہ جہاں ہی نے رستم خاں کی سرکردگی میں افغانوں کا ایک لشکر بھیجا ہے اور رستم خاں کسی بھی وقت کابل کے نواح میں نمودار ہو کر مہابت خاں پر ضرب لگا سکتا ہے۔

اس مخبر کے اس انکشاف پر جہاں نور جہاں اور آصف خاں کے چہروں پر مسکراہٹ بکھری تھی' وہاں جہانگیر نے بھی سکھ کا ایک لمبا سانس لیا تھا' پھر وہ کس قدر خوشی اور اطمینان ملی جلی آواز میں اس مخبر کو مخاطب کر کے کہہ رہا تھا۔

میں امید بھی نہیں کر سکتا تھا کہ میرا بیٹا شاہ جہاں میرے خلاف کام کرتے کرتے اچانک ایک کروٹ لے گا اور میری حفاظت کا سامان کرنے کی خاطر حرکت میں آ جائے گا' جہاں تک رستم خاں کا تعلق ہے وہ ایک نایاب سالار ہے اور پھر مہابت خاں پر اس کا رعب اور خوف بھی ہے' اس لئے کہ تیغ زنی کے مقابلے میں مہابت خاں اگر کسی سے ڈرتا ہے تو صرف رستم خاں سے۔ مہابت خاں کو جب یہ خبر پہنچے گی کہ رستم خاں ایک لشکر لے کر ہماری مدد کیلئے آ رہا ہے تو مہابت خاں جی چھوڑ بیٹھے گا اور وہ اپنے ساتھ چھ ہزار راجپوتوں کا لشکر لے کر آیا ہوا ہے وہ راجپوت اسے پیچھے نہیں ہٹنے دیں گے۔

اسے اس بات پر آمادہ کریں گے کہ وہ رستم خاں سے ٹکرائے' اس لئے اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو راجپوت سمجھ لیں گے کہ ان کی اپنی جانیں خطرے میں پڑ جائیں گی۔ لہٰذا رستم خاں کی آمد کے بعد ایک بار بلوا اور ٹکراؤ ضرور ہو گا۔ لہٰذا اب ہمیں پہلے کی نسبت زیادہ محتاط رہنا ہو گا۔

دوسری طرف اپنے راجپوتوں کے لشکر کے بیچ مہابت خاں اور نقیب خاں دونوں ایک روز بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کا ایک ساتھی اس جگہ آیا اور قدرے فکرمندی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

آپ دونوں نے کیا ایک نئی خبر سنی ہے۔

اس موقع پر مہابت خاں اور نقیب خاں دونوں کچھ دیر تک خدشات بھرے انداز میں اپنے اس ساتھی کی طرف دیکھتے رہے' پھر مہابت خاں نے اسے مخاطب کیا۔

تم کس نئی بات کی اور کس نئی خبر کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہو' جواب میں وہ ساتھی بولا اور کہنے لگا۔

شاہ جہاں کو خبر ہو چکی ہے کہ آپ کے ہاتھوں شہنشاہ ملکہ اور آصف خاں گرفتار ہو چکے ہیں۔ لہٰذا شاہ جہاں نے اپنے سالار رستم خاں کو ایک لشکر دے کر کابل کی طرف روانہ کیا ہے

اور جہاں تک ہمیں اطلاع ملی ہے ان کے مطابق آج شام تک یا آنے والی شب کے کسی موقع پر رستم خاں ایک لشکر کے ساتھ یہاں پہنچ سکتا ہے۔ رستم خاں کو شاہ جہاں نے ہی بھیجا ہے اور رستم خاں آپ پر حملہ آور ہوکر آپ کو اپنا مطیع اور فرمانبردار بنانے کی کوشش کرے گا۔

رستم خاں کا نام سن کر مہابت خاں اور نقیب خان دونوں چونکے تھے' یہاں تک کہ نقیب خان خدشات بھری آواز میں مہابت خاں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

مہابت خاں یہ بری بلکہ انتہائی بری خبر ہے۔ میں رستم خاں اور اس کے باپ فرید خان کو بڑی اچھی طرح جانتا ہوں' دونوں باپ بیٹا ایک جیسے جذبات رکھتے ہیں اور جب اپنے کسی دشمن یا کسی مخالف کے خلاف حرکت میں آتے ہیں تو اس وقت تک پیچھے نہیں ہٹتے' جب تک اسے اپنے سامنے جھکنے پر مجبور نہیں کر لیتے۔

مہابت خاں میں رستم خاں کے تحت بھی کام کر چکا ہوں۔ اسے اچھی طرح جانتا ہوں' اگر وہ لشکر کے ایک حصہ کے ساتھ اس کام پر مامور ہو چکا ہے اور یہاں پہنچنے والا ہے تو پھر حالات بڑے ابتر اور سنگین ہو جائیں گے۔ مہابت خاں رستم خاں کی شجاعت تیز زنی میں اس کی مہارت سے تم بھی خوب آگاہ ہو۔

نقیب خان اپنی بات مکمل نہ کر سکا' اس لئے کہ بیچ میں مہابت خاں بول اٹھا اور کسی قدر چھاتی تانتے ہوئے نقیب خاں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

نقیب خاں مجھے غور سے سنو' اگر مہابت خاں لشکر کے ایک حصے کے ساتھ شاہی قافلے کی مدد کیلئے پہنچ گیا ہے اور ہمارے خلاف حرکت میں آئے گا' یہ کوئی اتنی بڑی اہمیت دینے والی خبر نہیں ہے۔ رستم خاں ہی آیا ہے آسمان سے ہمارے لئے کوئی عذاب تو نازل نہیں ہوا' زمین سے کوئی ایسا فنا کا طوفان نہیں اٹھ کھڑا ہوا جو ہمیں اپنے سامنے آندھی اور طوفان کی طرح اڑا دے گا یا بپھرے سیلاب کی طرح اپنے بہاؤ میں غرق کر دے گا۔ رستم خاں ہی آیا ہے اور اس سے خوب نبٹیں گے۔

یہ الفاظ ادا کرتے وقت اور اپنی چھاتی تانتے ہوئے شاید مہابت خاں نے نقیب خاں کا حوصلہ بڑھانے کی کوشش کی تھی' پر نقیب خاں پھر خدشات کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

مہابت خاں میں ایک اور بات کی طرف بھی اشارہ کرتا ہوں' وہ اشارہ جان کر میرے خیال میں تم ضرور کوئی دفاعی قدم اٹھانے کی کوشش کرو گے' دیکھو اس وقت شہنشاہ' ملکہ' ان کے

سارے کارندے ہماری گرفت اور قید میں ہیں۔ شاہی قافلے کے ساتھ جو لشکر تھا اس وقت وہ بھی ہماری گرفت میں ہے لیکن جب شاہی قافلے میں اور شاہی محافظوں کے اندر یہ خبر پہنچے گی کہ شاہ جہاں نے اپنے باپ کی حفاظت کیلئے رستم خاں کو ایک لشکر دے کر ادھر بھیجا ہے جو کابل پہنچ گیا ہے تو پھر اس کے دو بڑے اثرات اٹھیں گے۔

پہلا یہ کہ رستم خاں کسی طریقے سے شاہی قافلہ کے محافظ لشکریوں سے رابطہ قائم کر سکتا ہے۔ یہ رابطہ قائم ہونے کے بعد ایک دوسرا اس سے بھی بڑا حادثہ پیش آئے گا یہ رابطہ قائم کرنے کے بعد ہو سکتا ہے رستم خاں اور شاہی قافلے کے محافظ لشکر کے ساتھ کوئی معاملہ طے پا جائے تو پھر کسی مناسب موقع پر ایسا ہو کہ ایک طرف سے رستم خاں اور دوسری طرف سے شاہی محافظ کے لشکری ہم پر حملہ آور ہوں اور ہمیں اپنے سامنے زیر کر کے رکھ دیں۔

یہاں تک کہنے کے بعد جب نقیب خاں خاموش ہوا تب کچھ دیر تک مسکراتے ہوئے مہابت خاں غور سے نقیب خاں کی طرف دیکھتا رہا' پھر کہنے لگا۔

نقیب خاں تم ابھی تک کچے کے کچے اور خام کار ہی رہے' دیکھو شاہی قافلے کے محافظوں کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔ ان کو نہتا کر دیا گیا ہے۔ شاہی قافلے کی حفاظت پر بھی ہمارے لشکر مقرر ہیں۔ لہٰذا شاہی قافلے کے محافظ لشکر کو جب ہتھیار ہی نہیں ملیں گے تو کیا وہ اپنے سر سے پگڑی اتار کر ہمارے خلاف حرکت میں آئیں گے۔ لہٰذا اس بات کو اپنے ذہن سے نکال دو کہ رستم خاں یہاں پہنچنے کے بعد اگر شاہی محافظ دستوں سے ساز باز کرتا ہے تو وہ دستے ایک طرف سے حملہ آور ہو کر رستم خاں کیلئے مدد اور تعاون مہیا کریں گے' ایسا ہو ہی نہیں سکتا اس لئے کوئی لشکر ہتھیاروں کے بغیر کسی معرکہ میں نہیں کودتا۔

جہاں تک رستم خاں کا تعلق ہے تو اسے آنے دو' اگر وہ کسی مناسب موقع پر ہم پر حملہ آور ہوتا ہے تو یہی کام ہم بھی کریں گے' ہم بھی دیکھیں گے کہ ہم کب اور کس موقع پر اس پر حملہ آور ہو کر اسے مار بھگانے میں کامیاب ہوتے ہیں۔

یہاں تک کہنے کے بعد مہابت خاں خاموش ہوا' نقیب خاں کا حوصلہ مزید بڑھانے کی خاطر وہ دوبارہ اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

نقیب خاں اپنے کچھ خاص آدمیوں کو مقرر کرو' جو رستم خاں کی آمد جس جگہ وہ پڑاؤ کرتا ہے اس کے محل وقوع اور اس کے آئندہ کے اقدامات سے ہمیں آگاہ کرتا رہے۔

نقیب خاں نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ لہٰذا وہ اٹھ کر ایک طرف ہولیا تھا۔

مئی 1926ء کو رستم خاں اپنے لشکر کے ساتھ کابل پہنچا تھا' کابل پہنچتے ہی اس نے اپنے ماہر مخبروں کو اپنے گرد پھیلا دیا تھا تاکہ مہابت خاں اور نقیب خاں کی کارروائیوں سے اسے برابر مطلع کرتے رہے۔ اب ایک کشمکش کا عمل شروع ہوگیا تھا۔ مہابت خاں اور نقیب خاں دونوں انتظار میں تھے کہ انہیں کوئی موقع ملے اور وہ رستم خاں پر چڑھ دوڑیں اور اسے مار بھگائیں۔ دونوں نے باہم مل کر یہ بھی فیصلہ کیا تھا کہ اگر رستم خاں پر انہیں کامیابی کامرانی حاصل ہوگئی تو رستم خاں کی ذات کو کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہئے اور اگر وہ بھاگنا چاہے تو اسے بھاگنے دیا جائے تاکہ شاہ جہاں کے ساتھ اس کے تعلقات خراب نہ ہوں۔

دوسری طرف اس موقع کی تلاش میں رستم خاں بھی تھا کہ کوئی موقع ملے اور وہ مہابت خاں کے راجپوتوں پر ضرب لگا کر مہابت خاں کو اپنے سامنے بے بس اور مجبور کردے۔

چنانچہ رستم خاں کی خوش قسمتی کہ مئی کے مہینے میں ہی اسے یہ موقع مل گیا۔

مؤرخین کا کہنا ہے کہ مئی 1926ء میں وہ واقعہ پیش آیا جس میں مہابت خاں کا اثر ورسوخ کم ہونے لگا' وہ اس طرح کہ کابل میں ایک شاہی شکارگاہ تھی اور یہ کافی زیادہ رقبے میں تھی اور اس شاہی شکارگاہ کے محافظ جہانگیر کے قابل اعتماد جنگجو تھے۔

راجپوتوں کا اس شاہی شکارگاہ کی طرف آنا جانا ہوا' انہوں نے دیکھا کہ شاہی شکارگاہ میں جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی گھاس کے وسیع میدان تھے' چنانچہ فیصلہ ہوا کہ اس میں راجپوتوں کے گھوڑے چرائے جائیں۔

مہابت خاں سے مشورہ کئے بغیر یہ فیصلہ کرلیا گیا کہ اس شاہی شکارگاہ میں اپنے گھوڑے چرائے جائیں۔

چنانچہ راجپوت حرکت میں آئے اور مؤرخین مزید لکھتے ہیں کہ جب مہابت خاں کے ماتحت کام کرنے والے راجپوت اپنے گھوڑوں کو چرانے کیلئے شاہی شکارگاہ میں لے گئے تو شاہی شکارگاہ کے محافظوں نے انہیں منع کیا' ان کے منع کرنے پر راجپوتوں نے جوش اور جذبے میں آکر شاہی شکارگاہ کے ایک محافظ کو ہلاک کردیا۔ یہ بہت بڑا حادثہ تھا' اس شاہی محافظ کے مارے جانے کے بعد بقول مؤرخین راجپوتوں کے خلاف جو کارروائی کی گئی مرنے والے کے ساتھ مطمئن نہ تھے۔ چنانچہ وہ راجپوتوں سے انتقام لینے کی سوچنے لگے۔ لہٰذا جب

مہابت خاں کے راجپوت لشکری اور شاہی شکارگاہ کے محافظ آپس میں الجھ رہے تھے رستم خاں اپنے لشکریوں کے ساتھ سلگتی دھوپ میں گرم جھلسا دینے والی ہواؤں اپنے اتھاہ میں ان گنت طوفان لئے سمندر کے کرب خیز تھپیڑوں' اندھی شب کی طرح تنہائیوں میں تپتی بنجر دھرتی پر لنگریزوں کی دھواں دار بارش کی طرح حرکت میں آیا اور مہابت خاں کے راجپوتوں پر وہ زیست کے حصار کو لہولہو کرتے ناآشنا خیالوں' خوابیدہ امنگوں میں لہروں کی تڑپ' کروٹیں لیتے طوفانوں' زندگی کی زنجیریں کاٹتے زہریلے جنگجوؤں اور آنکھوں میں کرب دل میں سلگاہٹ پیدا کردینے والے الم گزیدہ مناظر اور خاروخس کو خاکستر کردینے والے برق کے ہولناک شراروں کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

رستم خاں اور اس کے افغان لشکریوں کے حملوں میں لذت بھری ایک یکمتائی موسموں کی اندھی دستکوں اور جسموں میں شعلے بھرتی الم افروز بیداری جیسی کیفیت تھی۔

راجپوت رستم خاں اور اس کے ساتھیوں کے سامنے زیادہ دیر تک نہ ٹھہر سکے تھے۔

اور بقول مؤرخین راجپوتوں کی ایک خاصی بڑی تعداد کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔

رستم خاں کے اچانک حملہ آور ہونے' پھر راجپوتوں کی خاصی بڑی تعداد کو موت کے گھاٹ اتارنے کی وجہ سے مہابت خاں کے پاؤں تلے سے زمین نکلنا شروع ہوگئی تھی۔ اس کے ساتھی نقیب خاں جو پہلے ہی رستم خاں کی آمد پر خوفزدہ' دلبرداشتہ ہو رہا تھا اس کی حالت قابل رحم تھی اور وہ کابل کے نواح سے بھاگ نکلنے کے راستے تلاش کرنے لگا تھا۔

دوسری طرف شہنشاہ' جہانگیر' ملکہ نورجہاں کو بھی خبر ہوگئی تھی کہ رستم خاں نے آتے ہی مہابت خاں کے لشکریوں کے خلاف کارروائی کی ہے اور مہابت خاں کے بہت سے لشکریوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے' جس پر بنا پر مہابت خاں اور راجپوت لشکریوں پر رستم خاں کا خوف اور ایک طرح کی وحشت طاری ہوگئی ہے۔

چنانچہ ان حالات میں جہانگیر نے بھی صورتحال میں ایک تبدیلی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ دراصل وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ مہابت خاں میں اب مداخلت کی کس قدر طاقت اور قوت رہ گئی ہے چنانچہ جہانگیر نے کابل سے کوچ کرکے آگرہ جانے کا حکم دے دیا تھا۔ چنانچہ شاہی قافلے نے کوچ کیا۔ مہابت خاں بچے کھچے راجپوتوں کے ساتھ شاہی قافلے کے ساتھ ساتھ تھا

جبکہ ایک طرف رہتے ہوئے مناسب فیصلہ پر رستم خاں بھی حرکت میں آ چکا تھا۔

رستم خاں کے آنے' پھر مہابت خاں کے لشکریوں کے خلاف کارروائی کرنے سے جہانگیر کو حوصلہ ہوا تھا۔ وہاں نور جہاں بھی مطمئن ہوگئی تھی اور اس نے ایک طرح سے یہ جان لیا تھا اب مہابت خاں زیادہ دن تک ان کیلئے خطرے کا باعث نہیں بن سکے گا وہ اس لئے کہ رستم خاں اپنے لشکریوں کے ساتھ مہابت خاں اور نقیب خاں پر عذابوں اور قہرمانیوں کی طرح منڈلاتا رہے گا۔

کوچ کرتے وقت جہانگیر نے مہابت خاں کے رویہ کا جائزہ لینے کی خاطر اس کی طرف یہ حکم بھیجا کہ وہ عسکری دستوں میں کچھ تبدیلیاں کرنا چاہتا ہے۔ لہٰذا تصادم سے بچنے کیلئے مہابت خاں اپنے ساتھی لشکریوں کو لے کر ایک پڑاؤ آگے رہے۔ مہابت خاں خود بھی چاہتا تھا کہ جس مصیبت میں وہ پھنسا ہے اس سے باعزت اس کی جان چھوٹ جائے۔ چنانچہ جب جہانگیر کی طرف سے یہ حکم ملا کہ وہ شاہی کاروان سے ایک منزل آگے رہے تب مہابت خاں تھوڑا حرکت میں آیا اور شاہی کارواں سے آگے نکل گیا۔

اسی دوران مہابت خاں کو یہ بھی خبر ملی کہ بنگال سے ایک خزانہ آگرہ کی طرف آ رہا ہے۔ چنانچہ مہابت خاں نے یہ فیصلہ کیا کہ فی الحال جہانگیر اور نور جہاں کو ان کے حال پر چھوڑ دے وہ پہلے بنگال سے آنے والے خزانہ پر قبضہ کرے تا کہ آنے والے دور میں وہ اگر کوئی بڑی کارروائی کرنا چاہے تو وہ رقم مشکل میں کام آ سکے۔

مہابت خاں کے ان ارادوں کا ذکر کرتے ہوئے مؤرخین لکھتے ہیں کہ مہابت خاں بڑی تیزی سے مشرق کی طرف روانہ ہوا تا کہ بنگال سے آنے والے خزانہ کو حاصل کر سکے۔

مہابت خاں اور راجپوتوں کے چلے جانے کے بعد اب ٹکراؤ کی کوئی امید نہ تھی۔ لہٰذا شاہی کارواں کی حفاظت کی خاطر رستم خاں اپنے لشکر کے ساتھ قریب آ گیا تھا۔ راستے میں ایک جگہ جہانگیر نے تھوڑی دیر ستانے اور آرام کرنے کی خاطر پڑاؤ کیا اور اس پڑاؤ کے دوران اس نے قاصد بھیج کر رستم خاں کو طلب کیا۔

جس وقت رستم خاں کو طلب کیا گیا تھا اس وقت رستم خاں کا ساتھی نظام الدین کچھ پریشان ہوا اور رستم خاں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

رستم خاں میرے عزیز بھائی میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں' مجھے خدشہ اور ڈر ہے کہ

کہیں شاہ جہاں کا ساتھ دینے کے جرم میں شہنشاہ تمہارے خلاف کوئی کارروائی نہ کرے۔

اس پر رستم خاں مسکرایا اور کہنے لگا۔

نظام الدین میرے عزیز بھائی تم لشکر کے اندر ہی رہو' میں اکیلا شہنشاہ کی طرف جاتا ہوں' تم بے فکر رہو' میری جان کو کوئی خطرہ نہیں۔ چنانچہ نظام الدین کو ڈھارس دینے کے بعد رستم خاں جہانگیر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جہانگیر پر جوش انداز میں اس سے ملا' اس وقت نور جہاں جہانگیر کے پاس نہیں تھی۔ رستم خاں نے کابل پہنچ کر جو مہابت خاں کے خلاف کارروائی کی تھی جہانگیر نے اس کی تعریف کی' رستم خاں کا شکریہ ادا کیا۔ رستم خاں نے جب دیکھا کہ جہانگیر اس سے بڑا خوش ہے اور اس کا مزاج بھی اس وقت کھلا ہوا ہے تب اس نے دست بستہ ہوکر جہانگیر کو مخاطب کیا۔

شہنشاہ معظم جو میں نے کیا وہ میرے فرائض' منصبی میں شامل تھا' تاہم اس موقع پر میری ایک گزارش ہے۔

مسکراتے ہوئے جہانگیر نے اس کی طرف دیکھا' پھر کہنے لگا۔

کہو تم کیا کہنا چاہتے ہو۔

جواب میں رستم خاں فوراً بولا اور کہنے لگا۔

میں آپ پر یہ انکشاف کروں کہ آپ کا بیٹا شاہ جہاں آپ کے خلاف نہیں ہے۔ میں آپ کو اس کی ضمانت دیتا ہوں وہ آپ سے محبت کرنے والا ہے۔ اس موقع پر میری آپ سے صرف یہ گزارش ہے کہ جہانگیر کے دونوں بیٹے اورنگزیب اور دارا جو اس وقت ضمانت کے طور پر شاہی قافلے میں شامل ہیں انہیں شاہ جہاں کی طرف روانہ کردیا جائے۔ شاہ جہاں تو آپ کی طرف سے معافی ملنے کے بعد آپ کا مطیع اور فرمانبردار رہنے کا عہد کر چکا ہے۔ جب اس کے بیٹے اس کی طرف جائیں گے تو یاد رکھئے گا وہ مزید آپ کا شکرگزار اور ممنون ہوکر رہ جائے گا اور آپ کے ہر حکم کا اتباع کرے گا۔

جہانگیر اس موقع پر خوش مزاجی میں تھا' چنانچہ اپنے جواب دار کو بلایا اور اسے حکم دیا کہ شاہ جہاں کے دونوں بیٹوں کو رستم خاں کے حوالے کردیا جائے' ساتھ ہی رستم خاں کو مخاطب کر کے جہانگیر کہنے لگا۔

رستم خاں تمہارے ساتھ جو اس وقت لشکر دکن کی طرف سے آیا ہے وہ تمہارے ساتھ ہی

رہے گا اور جب تک میں تمہارے لئے اور حکم جاری نہ کروں تم میرے ساتھ میرے محافظ دستوں کے ساتھ سالار کے طور پر رہو گے۔

رستم خاں نے اس سے اتفاق کیا' چنانچہ جہانگیر سے اجازت لے کر نکل گیا' اسے خدشہ تھا کہ اگر نور جہاں کو خبر ہوگئی کہ شاہ جہاں کے دونوں بیٹوں کو جو یرغمال تھے نکال دیا گیا ہے تو وہ جہانگیر سے کہہ کر پھر ان دونوں کو یرغمالی طور پر رکھنے پر مجبور کر دے گی۔ لہٰذا ایک محافظ دستے کے ساتھ رستم خاں نے شاہ جہاں کے دونوں بیٹوں کو اس کی طرف روانہ کر دیا تھا۔

جب شاہی قافلے نے وہاں سے پڑاؤ کیا تو فیصلہ طے کرنے کے بعد ایک گھڑ سوار اپنے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا آیا اور رستم خاں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

آپ کو ملکہ نور جہاں نے طلب کیا ہے۔

اس موقع پر نظام الدین چونکا تھا' رستم خاں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

میں سمجھتا ہوں وہی کچھ ہونے لگا ہے جس کا میں نے خدشہ ظاہر کیا تھا۔ یقیناً نور جہاں کوئی انتقامی کارروائی کرے گی۔

رستم خاں مسکرایا اور نظام الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

نظام الدین میرے عزیز بھائی مطمئن رہ' وہ عورت ایسا نہیں کرے گی۔ اس کو پتہ ہے کہ میرے ساتھ ایک لشکر ہے۔ میرے ساتھ اگر وہ بدمعاملگی کرتی ہے تو میرا لشکر بغاوت کھڑی کر کے مہابت خاں کی طرح اسے اپنا اسیر بھی بنا سکتا ہے۔ تم مطمئن رہو' جس طرح میں جہانگیر کی طرف اکیلا گیا تھا اس طرح نور جہاں کی طرف جاتا ہوں اور تمہیں یقین دلاتا ہوں نور جہاں کوئی تادیبی کارروائی نہیں کرے گی۔

اس کے ساتھ ہی اپنے گھوڑے کو ایک طرف موڑتا ہوا رستم خاں اس سمت گیا جہاں نور جہاں اپنے بھائی آصف خاں اور اپنے داماد شہریار اور اپنی بیٹی لاڈلی بیگم کے ساتھ سفر کر رہی تھی۔

اپنے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا رستم خاں نور جہاں کے گھوڑے کے قریب لے گیا' تب نور جہاں نے اپنے گھوڑے کی باگیں اپنے بائیں ہاتھ میں لیں' گھوڑے کو ایڑ لگاتے ہوئے اس کی رفتار کچھ تیز کی' دائیں ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے رستم خاں کو قریب بلایا' رستم خاں اپنا گھوڑا نور جہاں کے گھوڑے کے قریب لے گیا' پھر باز پرس کے انداز میں نور جہاں بول

اٹھی۔

یہ جو تم نے شہنشاہ سے کہہ کر شاہ جہاں کے دونوں بیٹوں کو نکال کر شاہ جہاں کی طرف بھجوا دیا ہے تو کیا تم نے یہ کام ہمارے مفاد کے خلاف نہیں کیا' ہم تمہارے شکر گزار ہیں کہ تم ہماری مدد کو آئے' تمہاری وجہ سے مہابت خاں سے ہماری جان چھوٹی لیکن اورنگزیب اور دارا کو شاہ جہاں کی طرف بھیجنے کی غلطی کی کم از کم میں تم سے امید نہیں رکھتی تھی۔

نور جہاں جب خاموش ہوئی تو تب بڑی انکساری میں اسے مخاطب کر کے رستم خاں کہنے لگا۔

آپ کا کہنا اپنی جگہ درست ہے لیکن میں آپ سے گزارش کروں کہ شاہ جہاں آپ کا دشمن نہیں ہے وہ آپ کے داماد شہریار کا بھائی ہی نہیں بلکہ آپ کی بھتیجی کا شوہر بھی ہے۔ آپ کے ساتھ اس کا ایک رشتہ ہے اور اس رشتہ کو اس نے ہمیشہ نگاہ میں رکھا ہے۔ یہ بات درست ہے کہ ماضی میں چند غلط فہمیوں کی بنا پر کچھ ایسے حادثات ظہور پذیر ہوئے' جنہوں نے آپ کو شاہ جہاں کی طرف سے مشکوک کر دیا لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ اب آپ یہ کہیں گی کہ شاہ جہاں کو قندھار پر حملہ آور ہونے کیلئے کہا تو وہ نہیں گیا' آپ خود سوچئے اس کو چھوٹا سا ایک لشکر مہیا کیا گیا تھا اور وہ لشکر یقیناً اس قابل نہیں تھا کہ قندھار کی طرف جائے اور وہاں محاصرہ کر کے شہر کو فتح کرے۔ بعد ازاں میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ شاہ جہاں کے دونوں بیٹے جو یرغمالی طور پر یہاں رکھے گئے تھے ان کے واپس جانے پر کوئی ایسا معاملہ رونما نہیں ہوگا' جس سے آپ کے مفاد کو دھچکا لگے۔

نور جہاں پھر ایک گہری نگاہ رستم خاں پر ڈالی' پھر کہنے لگی بہر حال اب تم کو شہنشاہ کے حکم کے مطابق ہمارے ساتھ رہنا ہے۔ لہٰذا میں دیکھوں گی کہ اگر شاہ جہاں کوئی مخالفانہ رویہ اختیار کرتا ہے تو تم اس کے خلاف ہماری کس قدر مدد کر سکتے ہو' اب تم جاؤ میں اسی موضوع پر تم سے گفتگو کرنا چاہتی تھی۔

نور جہاں کے ان الفاظ کو رستم خاں نے غنیمت جانا' چنانچہ وہ وہاں سے ہٹ گیا تھا۔

✧ ✧ ✧

ان ہی دنوں جہانگیر کو ایک اچھی خبر کے علاوہ بری خبر بھی ملی' اچھی خبر یہ تھی کہ دکن میں ملک عنبر کی موت واقع ہوگئی تھی۔ ملک کپور وہ شخص تھا جس کی وجہ سے آئے دن دکن میں مغلوں کے خلاف بغاوتوں کا سر اٹھتا رہا تھا اور اس کے مرنے کے بعد شاہ جہاں سکون محسوس کرنے لگا تھا کہ اب دکن میں باغی پن نہیں آئے گا۔

اور ان ہی دنوں جو بری خبر جہانگیر کو ملی وہ یہ جہانگیر نے اپنے بیٹے پرویز کو گجرات کا حاکم مقرر کیا تھا لہٰذا گجرات سے یہ خبر آئی کہ پرویز بھی مرگیا ہے اور یہ خبر یقیناً جہانگیر کیلئے بڑی دل شکنی کا باعث تھی۔

ایک طرف شاہ جہاں کو بھی خبر پہنچ چکی تھی کہ رستم خاں نے مہابت خاں اور راجپوتوں کے خلاف حرکت میں آتے ہوئے شاہی قافلے کو قید سے چھڑا لیا ہے اور اسے یہ بھی خبریں پہنچ گئی تھیں کہ مہابت خاں راجپوتوں کے بچے کھچے لشکر کے ساتھ بڑی تیزی سے بنگال کی طرف بڑھ رہا ہے تاکہ بنگال کی طرف سے جو خزانہ آگرہ کی طرف آرہا تھا اس پر قبضہ کرنے والے دور میں اپنے مفاد کی خاطر اسے تصرف میں لائے۔

شاہ جہاں اس بات سے بھی خوش تھا کہ اس کے باپ نے رستم خاں کو اپنے ساتھ رکھ لیا ہے اور رستم خاں جہانگیر کے ساتھ رہتے ہوئے جہانگیر اور شاہی افراد کی حفاظت کا ذمہ دار ہوگا۔ شاہ جہاں خوش تھا کہ رستم خاں کے وہاں رہنے سے اسے پورے حالات سے آگاہی ہوتی رہے گی اور رستم خاں کوئی ایسا معاملہ نہیں ہونے دے گا جس سے شاہ جہاں کے مفاد کو خطرہ ہو' اگر ایسا کوئی معاملہ اٹھا بھی تو وہ اس کی اطلاع اسے بروقت کردے گا۔ ایک روز شام کے وقت مطبخ میں اپنی ماں کے ساتھ کام کرتے ہوئے سمترا چونکی تھی' اس لئے کہ حویلی کے صدر دروازے پر دستک ہوئی تھی' اس پر سمترا مطبخ کے دروازے پر آئی اور سر باہر نکال کر اپنے

بھائی شنکر ناتھ کو پکارتے ہوئے صدر دروازے پر جانے کیلئے کہا۔

اس کی اس آواز کے ساتھ ہی شنکر ناتھ دیوان خانے سے نکل کر صدر دروازے کی طرف جا رہا تھا مطبخ کے دروازے پر ہی کھڑے ہو کر سمترا دیکھنے لگی' پھر جوں ہی شنکر ناتھ نے دروازہ کھولا رستم خاں اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے اندر داخل ہوا۔ رستم خاں کو دیکھتے ہی سمترا کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ مطبخ میں اپنی ماں سروجنی کو مخاطب کر کے کہنے لگی............ ماں وہ آگئے ہیں کیا............

اس سے آگے سمترا جو کچھ کہنا چاہتی تھی نہ کہہ سکی' رک گئی اس کی خوشی کا یہ عالم دیکھتے ہوئے سروجنی بھی خوشی محسوس کر رہی تھی' پھر سمترا کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

بیٹے کھانا تیار ہوگیا ہے اب اتنا کام باقی نہیں تو جا رستم خاں سے جا کر مل۔

اس کے ساتھ ہی سمترا نے ہاتھ صاف کئے' صحن میں آئی' اتنی دیر تک شنکر ناتھ نے رستم خاں سے اس کے گھوڑے کی باگ لے لی تھی۔ راجہ جگن ناتھ بھی اتنی دیر تک دیوان خانے سے باہر نکل آیا تھا اور بڑے پرجوش انداز میں رستم خاں سے ملنے لگا تھا۔ سروجنی بھی ایک بار مطبخ سے باہر آئی۔ رستم خاں سے ملی' پھر بڑے پیارے انداز سے کہنے لگی تم سب لوگ دیوان خانے میں بیٹھو کھانا تیار ہوگیا ہے وہیں بیٹھ کے کھانا کھائیں گے۔

اس موقع پر شنکر ناتھ جب رستم خاں کے گھوڑے کو اصطبل کی طرف لے جانے لگا تب سمترا کی طرف دیکھتے ہوئے رستم خاں کہنے لگا۔

سمترا زین کے ساتھ جو خرجینیں بندھی ہوئی ہیں اتار لو سمترا تیزی سے آگے بڑھی' زین کے ساتھ بندھی ہوئی خرجینوں کو اس نے اتار لیا' شنکر ناتھ گھوڑے کو اصطبل میں لے آیا' وہاں اسے باندھا اور دانے چارے کا اہتمام کیا اور پھر وہ دیوان خانے میں آیا اتنی دیر تک رستم خاں کو مخاطب کر کے سمترا کہنے لگی۔

آپ بابا اور بھائی کے ساتھ دیوان خانے میں بیٹھیں کھانا بالکل تیار ہے۔ میں اماں کی طرف مطبخ میں جاتی ہوں' پھر دیوان خانے میں کھانا لگواتی ہوں۔

رستم خاں نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ جگن ناتھ اور شنکر ناتھ کے ساتھ وہ دیوان خانے میں چلا گیا جبکہ سمترا مطبخ کی طرف چلی گئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد کھانا لگایا گیا اور سب نے مل کر کھانا کھایا' کھانا کھانے کے تھوڑی دیر بعد تک سمترا کے کہنے پر رستم خاں انہیں کابل میں پیش

آنے والے حالات سناتا رہا اور جب انہوں نے سنا کہ مہابت خاں کے مقابلے میں رستم خاں کو کامیابی ہوئی ہے تب سمترا کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی جبکہ راجہ جگن ناتھ شنکر ناتھ اور سروجنی بھی بے پناہ طمانیت کا اظہار کر رہے تھے۔

پھر اچانک رستم خاں نے گفتگو کا موضوع بدلا اور سمترا کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا' سمترا میرے خیال میں ہم نے کھانا کھا لیا ہے اب اپنی حویلی چلیں۔

رستم خاں کے ان الفاظ پر سمترا نے خوشی کا اظہار تو کر لیا تھا' جگن ناتھ اور سروجنی چونکے تھے' پھر جگن ناتھ کہنے لگے۔

بیٹے حویلی ٹیں اب تم دونوں جا کے کیا کرو گے' اندھیرا ہو گیا ہے وہاں بتی کا بھی کوئی اہتمام نہیں ہوگا۔ رستم میرے بیٹے تم دونوں اکیلے رہ کر کیا کرو گے یہ حویلی بھی تو تمہاری اپنی ہے۔

جگن ناتھ کے خاموش ہونے پر رستم خاں نے پہلے ایک گہری نگاہ جگن ناتھ پر ڈالی' پھر کہنے لگا۔

آپ کا کہنا درست ہے لیکن میں نے چونکہ اب شاہ جہاں کی طرف نہیں جانا' جہانگیر نے حکم نامہ جاری کر دیا ہے کہ میں ان کے ساتھ رہوں گا' اس لئے ہم دونوں میاں بیوی اب اپنی حویلی میں ہی قیام کریں گے۔

رستم خاں جب خاموش ہوا تب سمترا بھی اپنی اماں سروجنی اور باپ جگن ناتھ کی طرف باری باری دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

ان کا کہنا ٹھیک ہے بابا اب جبکہ انہوں نے یہیں رہنا ہے تو پھر ہم اپنی حویلی میں قیام کریں گے۔

جگن ناتھ مسکرایا' پھر سمترا کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

مجھے اس بات کی بے حد خوشی اور اطمینان ہے کہ تم دونوں میاں بیوی میں خیالات کی یکجہتی اور محبت ہے۔ بیٹے اب تو رات ہو گئی ہے دونوں میاں بیوی یہی رہو' کل اپنی حویلی میں منتقل ہو جانا۔

ایک دوسرے کی طرف گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے رستم خاں اور سمترا نے کوئی فیصلہ کیا' پھر سمترا مسکراتے ہوئے کہنے لگی بابا جو کچھ آپ نے کہا ہے اس پر عمل کیا جائے گا۔

اس پر دیوان خانے میں ہی بیٹھ کر سب باتیں کرنے لگے تھے' پھر اگلے روز رستم خاں اور سمترا دونوں میاں بیوی اپنی حویلی میں منتقل ہو گئے تھے۔

✧ ✧ ✧

شاہ جہاں جس نے ان دنوں دکن میں قیام کیا ہوا تھا بڑا پریشان اور فکر مند تھا' اس میں کوئی شک نہیں اس کے دو بیٹے جو ضمانت کے طور پر رکھے گئے تھے' اس کے پاس پہنچ چکے تھے وہ اپنے اور اپنے بیٹوں کے مستقبل کے متعلق بڑا پریشان تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ دور جنوب کی سرزمینوں میں پڑا ہوا ہے اور اس دوران اس کے باپ کو کچھ ہو گیا تو نور جہاں جو پہلے ہی اس کے خلاف سازشوں کا ایک جال پھیلا چکی ہے وہ اسے تخت و تاج کے قریب تک نہیں آنے دے گی چنانچہ ان حالات میں اس نے ایک فیصلہ کیا کہ دکن کے بجائے اجمیر جا کے قیام کرے اور شمال میں رونما ہونے والے حالات پر گہری نگاہ رکھے۔

چنانچہ دکن سے اس نے کوچ کیا' اجمیر پہنچا' اس کے لشکر میں کافی راجپوت تھے۔ اس دوران راجپوتوں کے راجہ بھیم سنگھ کا لڑکا کشن سنگھ مارا گیا' جس کی بناء پر سارے راجپوت کشن سنگھ کی لاش لے کر شاہ جہاں سے علیحدہ ہو گئے۔ اس بنا پر شاہ جہاں کے پاس چھوٹا سا ایک لشکر رہ گیا تھا۔ اس لشکر کے بل بوتے پر وہ شمال میں ہونے والی تبدیلیوں پر قابو نہیں پا سکتا تھا۔

ان حالات میں شاہ جہاں نے فیصلہ کیا کہ قندھار کا رخ کرے۔ اسے پہلی امید تو یہ تھی کہ ایران کے حکمران اس کی عزت افزائی کریں گے اور ان کی مدد سے وہ تخت و تاج حاصل کرنے کا اپنا حق وصول کر سکتا ہے۔ اسے یہ بھی خدشات تھے کہ ہو سکتا ہے کہ ایران میں اس کی کوئی پذیرائی نہ ہو بلکہ ایرانی اسے اپنا دشمن خیال کریں اور شاہ جہاں کا یہ خیال تھا کہ اس صورتحال میں وہ قندھار کا رخ کرے گا۔ وہ قندھار کی طرف جاتے ہوئے راستے میں اپنے لشکریوں کی تعداد میں اضافہ کرتا چلا جائے گا اور قندھار پر حملہ آور ہو کر قندھار کو ایرانیوں کے تسلط اور قبضے سے چھڑا لے گا۔ اگر ایسا ہو گیا تب بھی قندھار میں قیام کے دوران طاقت اور قوت پکڑ سکتا ہے' پھر اسی طاقت قوت کی بنا پر وہ تخت و تاج کا مالک بن سکتا ہے۔

یہ فیصلہ کرنے کے بعد شاہ جہاں اپنے چھوٹے سے لشکر کے ساتھ اجمیر سے نکلا اور ٹھٹھہ کے راستے اس نے ایران یا قندھار جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

شاہ جہاں جب اپنے مختصر سے لشکر کے ساتھ ٹھٹھہ کے قریب پہنچا تو اس کیلئے مصیبتیں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ اس کی تفصیل مؤرخین کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ جہانگیر کے دور میں کبھی ایک شخص نام جس کا بایزید تھا وہ ٹھٹھہ کا حاکم تھا' اس کی وفات کے بعد جہانگیر نے اپنے بیٹے شہریار کو ایک طرح سے سندھ کا حاکم مقرر کیا تھا۔ اب صورتحال یہ تھی کہ شہریار تو اپنی بیوی لاڈلی بیگم ہمراہ جہانگیر اور نور جہاں کے پاس ہی رہتا تھا جبکہ اس نے اپنی طرف سے ایک شخص نواب شریف الملک کو سندھ کا حاکم مقرر کر دیا تھا۔

جہاں تک اس نواب شریف الملک عرف شریف کا تعلق ہے تو یہ یک چشم تھا' اب وہ ٹھٹھہ کا صوبیدار تھا' چنانچہ مؤرخین لکھتے ہیں کہ جب خرم یعنی کہ شاہ جہاں اپنے باپ جہانگیر کے علاوہ نور جہاں کے رویے سے تنگ آ کر ٹھٹھہ کا رخ کر رہا تھا تب اس شریف خاں کی وجہ سے شاہ جہاں کیلئے مصیبتیں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ شاہ جہاں جب ٹھٹھہ کے قریب پہنچا تو شریف خاں نے اس سے ٹکرانے اور اس پر حملہ آور ہونے کی ٹھان لی۔ ایسا شاید اس نے نور جہاں یا اس کے داماد شہریار کے کہنے پر کیا ہوگا۔ چنانچہ شاہ جہاں کا مقابلہ کرنے کیلئے شریف خاں اپنے ایک خاصے بڑے لشکر کے ساتھ مکلی کے پل کے قریب پیر بدر کے نزدیک خیمہ زن ہوا اور شاہ جہاں کا مقابلہ کرنے کیلئے اپنے لشکر کی صفیں اس نے درست کرنا شروع کر دی تھیں۔

دوسری طرف شاہ جہاں کو یہ امید نہیں تھی کہ شریف خاں اس سے ایسا سلوک کرے گا چنانچہ جب اس نے دیکھا کہ شریف خاں جنگ پر آمادہ ہے اور اس پر حملہ آور ہوگا تب مکلی پہنچ کر اس نے بھی اپنے لشکر کی صفیں درست کر لیں۔

شاہ جہاں کو چونکہ یقین ہو چکا تھا کہ اگر اس نے جنگ کی ابتداء کرنے میں تاخیر کی تو شریف خاں جنگ کی پہل کر کے اس پر حاوی ہونے کی کوشش کرے گا۔ چنانچہ مکلی کے میدان میں پہنچتے ہی شاہ جہاں نے اپنے کام کی ابتداء کی اور وہ دل میں تڑپ' سانسوں میں ہلچل' نظروں میں چکاچوند پیدا کرتی کوہستانوں پر کڑکتی برق' بازوؤں کے کس بل اور بھڑکتے شباب کے شعلوں کو ماند کر دینے والے کلیجہ دہلاتے بادلوں اور گہری طوفانی شب میں پیاسے سینے پھیلاتی انوکھی قہرمانیت کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔ جوابی کارروائی کرتے ہوئے شریف خاں بھی آندھی' مسافتوں کی تھکاوٹ طاری کرتے خوں گشتہ بگولوں کے بے کراہ انبوہ تنہائیوں کی لاانتہا وسعتوں میں زندگی کی گرم بازاری سے محروم کرتے خونی سرابوں کے سلسلوں اور

شیرازہ جاں منتشر کر دینے والے دشت سے اٹھتے اندھے بگولوں کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔

یوں مکلی کے میدانوں میں انسانیت کا وقار' آدمیت کا ضمیر مجروح ہونے لگا تھا' قرب و بعید کے فاصلے مٹنے لگے تھے۔ بے قرار امنگوں اور چہروں کی ضیا تابی ختم ہونے لگی تھی' خواہشوں کی اڑتی چنگاریاں زیست کے المیوں کی آگ میں ڈوبنے لگی تھیں' کچھ دیر تک مکلی کے مقام پر ہولناک ٹکراؤ ہوا' شریف خان کے مقابلے میں شاہ جہاں کے لشکر کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی' اس کے باوجود تھوڑی دیر جنگ کے بعد شریف خان نے خود محسوس کیا کہ اس کے لشکر کی اگلی صفیں سربریدہ لاشوں کی صورت اختیار کر چکی ہیں اور اس کے لشکر کے اندر فرقتوں کی جلتی چتاؤں' ظلمتوں کے نرغے میں سحر من کے گھور اندھیروں اور سکھ کے جذبوں کی قبروں جیسی کیفیت طاری ہونا شروع ہو چکی ہے۔

یہ صورتحال دیکھتے ہوئے اس نے شکست قبول کی اور مکلی کے میدانوں سے بھاگ کر وہ ٹھٹھہ شہر میں محصور ہو گیا تھا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ مکلی کے قریب یہ انتہا درجہ کی ہولناک جنگ تھی اور جنگ میں مارے جانے والوں کی ہڈیاں آج تک سرزمین میں دکھائی دیتی ہیں' جہاں تک موجودہ مکلی کا تعلق ہے تو یہ ٹھٹھہ کا مشہور قبرستان ہے۔ جس میں بڑے بڑے علماء' صوفیاء' شعراء' بادشاہ اور اہل کمان دفن ہیں۔ کہتے ہیں یہاں ایک خدا رسیدہ خاتون مکلی کی مسجد کے محراب کے زیر سایہ جو شیخ حماد جمالی ولد شیخ رشیدالدین جمالی کے زمانے میں یہاں تعمیر کرائی گئی تھی مدفون ہیں چنانچہ اس کے اشارہ سے اس مسجد کا نام مسجد مکلی رکھا گیا تھا۔

لیکن یہ رفتہ رفتہ نام اس قبرستان کا پڑ گیا۔ اس مسجد کی چاردیواری جام نظام الدین کے مقبرے کے سامنے نہایت خستہ حال میں موجود ہے۔ شیخ حماد جمالی نے اس مسجد کے بننے کے بعد قبیلے کے لوگوں کو حکم دیا کہ آئندہ سے اس مسجد کے آس پاس اپنے مقبرے بنائیں چنانچہ سلاطین سمہ' دوسرے لوگ یہاں مدفون ہونے لگے ورنہ اس سے پہلے سموں کا قبرستان پیر پٹھو تھا۔

بہرحال شاہ جہاں کے ہاتھوں شکست اٹھانے کے بعد شریف الدین ٹھٹھہ میں محصور ہو گیا۔ کہتے ہیں ان ہی دنوں شاہ جہاں کو ایک اور تکلیف کا سامنا کرنا پڑا' اس لئے کہ اس کی بیوی کے ہاں بچے کی پیدائش کا وقت تھا' چنانچہ اس کی بیوی نے جو بعد میں تاج محل کے نام

سے مشہور ہوئی چند اناروں کی فرمائش کی' اب مکلی کے میدان میں تو انار نہیں مل سکتے تھے' اپنی بیوی کی اس فرمائش پر شاہ جہاں نے اپنے ہاتھوں سے ایک رقعہ سندھ کے حاکم شریف الدین کو لکھا' اس پر اپنے دستخط بھی کئے اور اس رقعہ میں اس نے فرمائش کی کہ اسے کچھ انار مہیا کئے جائیں۔

چنانچہ مؤرخین لکھتے ہیں کہ شاہ جہاں کے خط کے جواب میں شریف الدین نے جواب میں لکھا کہ میں خود آپ کی بیوی کو انار بھیج رہا ہوں' اس کے ساتھ اس نے ایک ایک توپچی کو حکم دیا کہ شاہ جہاں کی بیوی کے خیمے پر گولے برسائے جائیں چنانچہ توپ سے گولے شاہ جہاں کی بیوی کے خیمے کی طرف برسائے گئے۔ ان گولوں سے شاہ جہاں اور اس کی بیوی تو محفوظ رہے لیکن ساتھ ہی شریف الدین نے شاہ جہاں کو کہلا بھیجا کہ یہاں اس قسم کے انار ہوتے ہیں۔ ان گولوں کی دھمک اور آواز سے شاہ جہاں کے جس بچے کی پیدائش کی امید تھی وہ ضائع ہو گیا تھا۔

کچھ مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ شریف الدین نے خوب دیکھ کر شہزادے یعنی شاہ جہاں کے خیمے کو نشانہ بنانے کے خیال سے توپ کا فتیلہ جلایا تھا لیکن چشم زدن میں شاہ جہاں نے خیمہ بدل دیا اور اس طرح اس کا نشانہ خطا ہو گیا۔ مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ شریف الدین نے اپنے نشانہ خطا ہونے پر غضبناک ہو کر اپنا ایک ہاتھ اپنی آنکھ کے حلقے میں اس طرح دے مارا کہ اس کی آنکھ ضائع ہو گئی اور اسی وقت سے وہ یک چشم اور کانا کہلانے لگا۔ شریف الدین کبھی شہریار کا ملازم تھا اور سندھ کا صوبیدار مقرر ہونے سے پہلے وہ دھول پور کا حاکم ہوا کرتا تھا۔ مؤرخین کہتے ہیں جس وقت اس نے شاہ جہاں کے خیمہ کو نشانہ بنایا تھا اور نشانہ خطا ہونے کی وجہ سے اپنی آنکھ پر جو اس نے ہاتھ مارا' اس ہاتھ مارنے سے آنکھ ضائع نہیں ہوئی تھی بلکہ جس وقت وہ دھول پور کا حاکم تھا تو دھول پور میں ہی ایک بار ایک شخص دریا خاں کے ساتھ اس کی جنگ ہوئی اور اس لڑائی میں ایک تیر شریف خاں کی آنکھ میں لگا اور وہ یک چشم اور کانا ہو گیا۔ اس بنا پر مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس کی آنکھ ٹھٹھہ میں نہیں پھوٹی تھی۔

اب شاہ جہاں عجیب سے شش و پنج میں پڑ گیا تھا۔ اس کو یہ امید تھی کہ ایران یا قندھار کی طرف جاتے ہوئے وہ اپنے لشکر میں اضافہ کرتا چلا جائے گا لیکن ٹھٹھہ کے نواح میں لڑی جانے والی اس جنگ میں جہاں شریف الدین کے لشکر کو بے پناہ نقصان کا سامنا کرنا پڑا۔

وہاں شاہ جہاں کے لشکر کی تعداد کم ہو گئی تھی۔ لہٰذا شاہ جہاں وہیں قیام کر کے اپنے مستقبل کے مطابق منصوبہ بندی کرنے کے متعلق سوچنے لگا تھا۔

شاہ جہاں کی ساری امیدیں ایک طرح کی چوپٹ گئی تھیں۔ وہ مغرب کی طرف بڑھتے ہوئے اپنے لشکر میں اضافہ کرنا چاہتا تھا لیکن ٹھٹھہ میں ہی اسے نقصان اٹھانا پڑا اور ابھی شریف الدین خاں کے پاس بہت بڑا لشکر تھا۔ یہ اس لئے کہ شاہ جہاں کی آمد سے پہلے شریف خاں نے نو ہزار سواروں اور بارہ ہزار پیادوں پر مشتمل ایک جرار لشکر تیار کر لیا تھا اور ساتھ ہی اس نے ٹھٹھہ کی شہر پناہ کو بھی مرمت کر کے خوب مضبوط' مستحکم کر لیا تھا۔

مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ گو شریف خان کے لشکر کی تعداد ہزاروں پر مشتمل تھی لیکن شاہ جہاں کا لشکر سینکڑوں پر مشتمل تھا' اس کے باوجود اس نے شریف خان کو شکست دی' جس کی بناء پر شریف خان مقابلے کی تاب نہ لا کر قلعہ بند ہو گیا تھا۔

چونکہ وہ پہلے ہی قلعہ کی مرمت کر چکا تھا اور فصیلوں اور برجوں کو درست کر چکا تھا اس لئے وہ قلعے ہی میں سے مداخلت کا مقابلہ کرتا رہا۔

شاہ جہاں نے اپنے لوگوں کو منع کیا کہ وہ قلعہ پر حملہ نہ کریں اور اپنی رعایا کو تیروں اور تلوار سے گزند نہ پہنچائیں لیکن اس کے باوجود چند تجربہ کار جوانوں نے شہر کے حصار پر یورش کرنا شروع کر دی تھی۔ وہ شریف خان کے رویہ سے بڑے بیزار اور دلبرداشتہ تھے۔ ان کا خیال تھا کہ مغرب کی طرف بڑھتے ہوئے شریف خان ٹھٹھہ کے پاس سے گزر جانے دے گا تاکہ مغرب کی طرف پیشقدمی کرتے ہوئے وہ اپنی عسکری طاقت اور قوت میں اضافہ کریں لیکن شریف خان نے چونکہ ایسا نہیں کرنے دیا تھا۔ لہٰذا شاہ جہاں کے لشکر کی اکثریت شریف خاں کے خلاف تھی۔

لیکن شاہ جہاں کے لشکریوں کے پاس کوئی قلعہ شکن اوزار نہ تھے جس کا باعث قلعہ کی فصیلوں برجوں کے مضبوط ہونے کی وجہ سے وہ فصیل کا کچھ نہ بگاڑ سکے' پر انہوں نے بار بار قلعہ کا محاصرہ کیا۔ اس طرح شاہ جہاں کے شیر دل لشکری بار بار قلعہ پر حملہ آور ہوتے چونکہ قلعے کے اطراف کا میدان بالکل مسطح تھا اور کہیں اس میں نشیب و فراز نہ تھا۔ چنانچہ شاہ جہاں کے لشکر ڈھالیں کھینچ کر قلعہ کی طرف دوڑے۔

اتفاق سے جس طرف یہ دوڑے اس حصے میں پانی میں بھری ہوئی ایک گہری اور چوڑی

خندق تھی' جس کی وجہ سے آگے جانا مشکل تھا اور وہاں سے لوٹنا اور بھی محال تھا۔

لہٰذا مجبوراً خدا پر بھروسہ کر کے میدان میں بیٹھ گئے اور یہ ارادہ کیا کہ وہ بار بار قلعہ پر حملہ آور ہوں گے اور ایک نہ ایک روز قلعہ کو فتح کر کے رہیں گے۔

ابھی یہ سلسلہ جاری ہی تھا کہ شاہ جہاں کے نام نور جہاں کا ایک خط آیا اور اس خط میں تحریر تھا کہ مہابت خاں پرشکوہ شاہی لشکر سے سراسیمہ ہو چکا ہے۔ ایسا نہ ہو وہ انتہائی دیوانگی اور غصہ میں تم پر حملہ آور ہو کر تمہیں کوئی نقصان پہنچائے۔ لہٰذا سلطنت کی بہتری اور بھلائی اس میں ہے کہ تم ٹھٹھہ کا محاصرہ ترک کر کے دکن کی طرف لوٹ کر اپنے دن گزارو۔

شاہ جہاں پہلے ہی تھکا ہارا تھا۔ مغرب کی طرف بڑھنے کی اس کی خواہش دم توڑ چکی تھی۔ چھوٹا سا لشکر اس کے ساتھ تھا۔ مکلی کی جنگ میں اس کی تعداد بھی کم ہوگئی تھی۔ چنانچہ نور جہاں کا خط ملنے کے بعد اپنے بچے کھچے ساتھیوں کے ساتھ وہ حرکت میں آیا اور گجرات اور دکن کی طرف روانہ ہوا۔ نور جہاں بڑی چالاک عورت تھی' اس نے جہاں ایک طرف شاہ جہاں کو لکھا کہ وہ ٹھٹھہ کا محاصرہ ترک کر کے دکن کی طرف چلا جائے تو دوسری طرف اس نے تیز رفتار قاصد مہابت خاں کی طرف روانہ کئے اور اسے حکم دیا کہ وہ تیزی اور برق رفتاری کے ساتھ ٹھٹھہ کا رخ کرے اور شاہ جہاں پر حملہ آور ہو جائے۔

نور جہاں شاہ جہاں کو ٹھٹھہ سے اس لئے واپس بلانا چاہتی تھی کہ سندھ پر ایک طرح سے جہانگیر نے اپنے بیٹے اور نور جہاں کے داماد شہر یار کی حکومت تسلیم کر رکھی تھی۔ اس بنا پر اس نے شاہ جہاں کو وہاں سے ہٹنے کیلئے کہا تھا۔ نور جہاں کو یہ بھی خدشہ تھا کہ اگر محاصرے نے طول پکڑ لیا ہوسکتا ہے شاہ جہاں ٹھٹھہ پر قبضہ کرے۔ اس کے بعد پورے سندھ پر قابض ہونے کے بعد اپنی اصلی طاقت اور قوت میں اضافہ کرے کہ بازو شمشیر تخت و تاج حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ دوسری طرف مہابت خاں کو اس نے ٹھٹھہ جا کر شاہ جہاں پر حملہ آور ہونے کا حکم اس لئے دیا تھا کہ نور جہاں کا مقصد یہ تھا ایک طرف مہابت خاں اور شاہ جہاں کے باہم ذریعے دونوں دشمنوں میں سے کسی ایک سے نجات حاصل کر لی جائے گی اور دوسری طرف مہابت خاں کو شاہی دربار سے دور کر دیا جائے۔

چنانچہ مہابت خاں کو جب نور جہاں کا یہ پیغام ملا تو اس وقت مہابت خاں بڑا اشش و پنج میں تھا۔ کابل سے مشرق کی طرف آتے ہوئے اس نے بنگال سے آنے والے خزانہ پر قبضہ

کرنا چاہا تھا لیکن وہ خزانہ حاصل کرنے میں اسے ناکامی ہوئی تھی۔ چنانچہ خزانہ حاصل نہ کرنے کی وجہ سے مہابت خاں بنگال کی طرف نہیں گیا بلکہ اپنے دو ہزار ساتھیوں کے ساتھ اس نے میواڑ میں پناہ لے لی تھی' باقی ساتھی اس کا ساتھ چھوڑ کر چلے گئے تھے۔

جس وقت نور جہاں کا یہ پیغام مہابت خاں کو ملا اس وقت مہابت خاں کا ساتھی نقیب خاں بھی اس کے پاس تھا۔ پیغام جاننے کے بعد دونوں کچھ دیر تک خاموش بیٹھے تھے' پھر مہابت خاں نے جستجو اور استفہام بھرے انداز میں نقیب خاں کی طرف دیکھا' پھر کہنے لگا۔

نقیب خاں نور جہاں کی طرف سے یہ پیغام آیا ہے اس سلسلے میں تمہارا کیا خیال ہے۔

نقیب خاں نے کچھ سوچا' پھر بڑے غور سے وہ مہابت خاں کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

مہابت خاں اس موقع پر میں نہیں جانتا کہ تمہارے کیا خیالات اور کیا ارادے ہیں لیکن جو وسوسے اور خیالات اس وقت میرے دل میں اٹھ رہے ہیں ان سے تمہیں آگاہ کرنا میں اپنا فرض خیال کرتا ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ ان گنت عذاب ہمیں اپنا خوف بنانے کیلئے ہمارے سروں پر منڈلا رہے ہیں اور وہ کسی بھی وقت اولوں کی طرح ہم پر برس سکتے ہیں۔

مہابت خاں اگر تم برا نہ مانو تو میں یہ کہوں گا کہ نور جہاں بڑی چالاک عورت ہے۔ ایک وقت میں دو شکار کرنے جا رہی ہے۔ شاہ جہاں کو وہ کسی بھی صورت آگرہ کے نزدیک نہیں آنے دے گی۔ شاہ جہاں اگر لگاتار ٹھٹھہ کا محاصرہ جاری رکھتا تو اردگرد کے علاقوں کے لوگ یقیناً اس کے لشکر میں شامل ہو جاتے۔ اس لئے کہ لوگ اسے پسند کرتے ہیں۔ لہٰذا جب اس کے لشکر کی تعداد بڑھ جاتی تو یقیناً وہ ٹھٹھہ فتح کرنے میں کامیاب ہو جاتا۔ ایسی صورت میں شاہ جہاں کے پاس پاؤں جمانے کیلئے ایک علاقہ ہو جاتا اور اس علاقے میں اپنی طاقت اور قوت کو مستحکم کرنے کے بعد وہ تخت و تاج کا مالک بننے کیلئے کوئی قدم اٹھا سکتا تھا لیکن نور جہاں نے ایسا نہیں ہونے دیا۔

سندھ ایک طرح سے جہانگیر اور نور جہاں شہر یار کی جاگیر سمجھتے ہیں۔ اسی بنا پر نور جہاں نے شاہ جہاں کے نام حکم نامہ بھیجا کہ وہ ٹھٹھہ کا محاصرہ ترک کر کے دکن کی طرف چلا جائے۔

شاہ جہاں اس موقع پر یقیناً ردعمل کا اظہار ضرور کرتا لیکن میرے اندازے کے مطابق اس کے پاس یہ خبریں بھی پہنچ گئی ہوں گی کہ نور جہاں نے مہابت خاں کیلئے بھی حکم نامہ جاری کر دیا ہے

کہ وہ ٹھٹھہ جا کر شاہ جہاں پر حملہ آور ہو جائے۔

یہی وجہ ہے جس کی بنا پر شاہ جہاں ٹھٹھہ چھوڑ کر دکن کی طرف چلا گیا ہے۔ مہابت خاں سو شاہ جہاں کے حالات اتنے برے نہیں جتنے ہمارے ہیں۔ شاہ جہاں کے علاوہ نور جہاں تمہیں بھی آگرہ سے دور رکھنا چاہتی ہے اور اب کوشش کرے گی دن بدن تمہاری اہمیت کو گراتی چلی جائے اور تمہیں ایک طرح سے کرب میں ڈال کر تمہیں قبرستان کا رخ کرنے پر مجبور کر دے۔ مہابت خاں نور جہاں کو تم میری نسبت بہتر جانتے ہو وہ جس کام، جس مہم کا ارادہ کر لیتی ہے اسے ادھورا نہیں چھوڑتی، کر کے رہتی ہے۔ اب اس نے چونکہ مصمم ارادہ کر رکھا ہے کہ جہانگیر کے بعد وہ اپنے داماد شہر یار کو ہندوستان کے تاج و تخت کا مالک بنائے گی لہٰذا اس کام میں دن رات مصروف ہوگی ہوگی اور اگر شاہ جہاں کی طرف سے کوئی بڑی کارروائی یا مزاحمت نہ کی گئی تو پھر نور جہاں اپنے فیصلوں کو انجام دینے میں کامیاب ہو جائے گی۔

یہاں تک کہنے کے بعد نقیب خاں رکا، پھر دوبارہ وہ مہابت خاں کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

مہابت خاں میرا اپنا مشورہ یہ ہے کہ ہمیں کسی بھی صورت شاہ جہاں سے نہیں ٹکرانا چاہئے۔ اگر ہم ٹکرائیں گے تو نقصان کے علاوہ شکست اٹھائیں گے۔ مہابت خاں تم جانتے ہو شاہ جہاں رستم خاں کو اپنا چھوٹا بھائی خیال کرتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان دنوں شاہ جہاں کے پاس چھوٹا سا ایک لشکر ہے جو صرف اس کی حفاظت کر سکتا ہے۔ کسی بڑے حملہ آور کو روک نہیں سکتا۔ اگر تم شاہ جہاں سے ٹکراتے ہو تو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ فتح اور شکست تم دونوں میں سے کسی ایک کا مقدر بن سکتی ہے۔

اگر تو شاہ جہاں کامیاب ہوتا ہے مہابت خاں یاد رکھنا وہ تمہاری گردن کاٹ کر رکھ دے گا تا کہ آنے والے دور میں تم کسی بھی صورت اس کے راستے کا کانٹا نہ بن سکو۔

اور اگر تم کسی نہ کسی طرح شاہ جہاں کو پسپا کرنے میں کامیاب ہو گئے تو یاد رکھنا تمہارے خلاف ایک اور طوفان اٹھے گا۔ تم جانتے ہو رستم خاں ایک لاجواب تیغ زن اور بے مثل سالار ہے۔ اسے جب خبر ہوگی کہ مہابت خاں کے ہاتھوں شاہ جہاں کو پسپا ہونا پڑا ہے تو یاد رکھنا جہانگیر سے اجازت لئے بغیر وہ آندھی اور طوفان کی طرح دکن کا رخ کرے گا۔ تم یہ بھی

جانتے ہو افغان اور ترک لشکری اس پر جان چھڑکتے ہیں۔ راجپوت لشکری بھی اسے پسند کرتے ہیں۔ لہٰذا رستم خاں ہر صورت میں تم سے شاہ جہاں کی شکست کا انتقام لے گا اور پھر تمہاری اپنی حالت بھی کوئی اتنی مستحکم نہیں ہے۔ تمہارے پاس سے چھ ہزار راجپوتوں کا لشکر تھا جس میں سے کچھ کو تو رستم خاں نے کاٹ کر رکھ دیا، کچھ تمہارا ساتھ چھوڑ کر چلے گئے اور اب تمہارے پاس دو ہزار کا ایک لشکر ہے جو ان دنوں تمہاری کمان داری میں میواڑ میں قیام کئے ہوئے ہیں۔

یہاں تک کہنے کے بعد نقیب خاں رکا، بڑے غور سے مہابت خاں کو دیکھتے ہوئے کہنے لگا تھا۔

مہابت خاں تمہارے پوچھنے پر میں نے اپنے جذبات کا اظہار کر دیا ہے۔ میں ایک بار پھر کہوں گا شاہ جہاں سے نہ ٹکرانا شاہ جہاں کے ساتھ ٹکرانے کی صورت میں تمہاری فتح یا شکست دونوں صورتوں میں عذاب اور قہرمانیت تمہاری ہی منتظر رہے گی۔

نقیب خاں جب خاموش ہوا، تب کسی قدر مسکراتے ہوئے مہابت خاں کہنے لگا۔

نقیب خاں جو کچھ تم نے کہا، میں اس سے مکمل طور پر اتفاق کرتا ہوں، لیکن تم ایک چیز کو بھول رہے ہو، فراموش کر رہے ہو۔

نقیب خاں تم جانتے ہو رستم خاں ان دنوں جہانگیر کے ساتھ قیام کئے ہوئے ہے اور جہانگیر نے اسے اپنے محافظ لشکر کا سالار بنا رکھا ہے، اب چونکہ رستم خاں جہانگیر نور جہاں شہر یار اور آصف خاں کی صحبت میں رہے گا۔ لہٰذا آگرہ سے اٹھنے والی ساری خبروں پر نگاہ رکھے گا اور جو بھی خبر شاہ جہاں کے خلاف ہوئی اس خبر سے وہ شاہ جہاں کو پہلے ہی آگاہ کر دے گا۔ نقیب خاں میں تمہیں پہلے سے بتا دیتا ہوں کہ جہانگیر کے دن اب تھوڑے ہی ہیں۔ وہ ایسا لاغر اور بیمار ہو چکا ہے کہ زیادہ دن نہیں نکالے گا۔ دمہ کا سخت قسم کا مریض ہے۔ کسی وقت بھی دم توڑ سکتا ہے۔ جہانگیر کے مرنے کے بعد اگر نور جہاں شاہ جہاں کو دور دکن میں رکھ کر اپنے داماد شہر یار کو تخت و تاج کا مالک بناتی ہے تو رستم خاں کی موجودگی میں وہ ایسا کر نہیں پائے گی۔ جہانگیر کی موت کے بعد سارے لشکری جو آگرہ میں ہوں گے یقیناً رستم خاں کا ساتھ دیں گے اور اس لشکر کے ساتھ حرکت میں آ کر رستم خاں نور جہاں، شہر یار اور آصف خاں کی ساری سازشوں کو ناکام بنا دے گا اور شاہ جہاں کے شہنشاہ بننے کے سارے راستوں کو صاف اور

سیدھا کرتا چلا جائے گا۔

یہاں تک کہنے کے بعد مہابت خاں رکا' پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

نقیب خاں میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ میواڑ سے دکن کی طرف کوچ کروں گا' شاہ جہاں پر حملہ آور ہونے کیلئے نہیں بلکہ میں شاہ جہاں سے اپنے رویے کی معافی مانگ کر اس کے ہمدردوں اور اس کے ساتھیوں اور اس کے لشکریوں میں شامل ہو جاؤں گا اور آنے والے دور میں کھل کر ہر معاملے میں شاہ جہاں کا ساتھ دوں گا۔ اب تک رستم خاں مجھے اپنا بدترین دشمن خیال کرتا ہو گا لیکن جب میں شاہ جہاں سے معافی مانگنے کے بعد اس کے حلقہ میں داخل ہو جاؤں گا تب رستم خاں سے بھی میرے تعلقات دوستانہ اور رفیقانہ ہو جائیں گے۔

نقیب خاں نے مہابت خان کے اس ارادے اس کی اس منصوبہ بندی کو پسند کیا تھا۔

لہٰذا اگلے روز وہ دونوں میواڑ سے دکن کی طرف کوچ کر گئے تھے۔

✧ ✧ ✧

دکن میں شاہ جہاں ایک روز اپنے خیمے میں بیٹھا گہری سوچوں میں غرق تھا کہ اس کے محافظ دستے کا ایک سالار خیمے کے دروازے پر نمودار ہوا' بڑے غور سے شاہ جہاں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

میں آپ کے پاس ایک حیرت انگیز خبر لے کر آیا ہوں۔ خبر یہ ہے کہ مہابت خاں اپنے ساتھی سالار کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ کہنا چاہتا ہے۔ اپنے دو ہزار مسلح ساتھیوں کے ساتھ وہ میواڑ میں قیام کئے ہوئے تھا۔ وہیں سے نکل کر وہ اس طرف آیا ہے۔ اپنے دو ہزار ساتھیوں کو اس نے ہمارے پڑاؤ سے لگ بھگ ایک میل کے فاصلہ پر دور کھڑا کر دیا ہے' صرف اپنے ایک ساتھی نقیب خاں کے ساتھ ہمارے پڑاؤ میں داخل ہوا ہے' اب آپ کی اجازت کا منتظر ہے کہ آپ اسے بلائیں تاکہ جو کچھ کہنا چاہتا ہے وہ سنیں۔

شاہ جہاں نے کچھ سوچا' پھر آنے والے اس چھوٹے سالار کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

اپنے کچھ مسلح ساتھیوں کو یہاں مقرر کر دو' اگر مہابت خاں اور اس کا ساتھی نقیب خاں کسی سازش کی ابتدا کرنا چاہے تو انہیں روکا جا سکے۔

اس پر وہ سالار حرکت میں آیا' کچھ مسلح نوجوانوں کو شاہ جہاں کے خیمہ کے اردگرد کھڑا کر دیا تھا۔ اس کے بعد وہاں سے ہٹ گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ مہابت خاں اور نقیب خاں دونوں کو لے کر آیا' جب وہ شاہ جہاں کے خیمہ میں داخل ہوئے انہیں دیکھتے ہی ان سے ملنے کیلئے شاہ جہاں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا' دونوں تیزی سے آگے بڑھے' رک کر انہوں نے شاہ جہاں کے پاؤں پکڑ لئے تھے۔ شاہ جہاں نے دونوں کو اٹھایا' پھر بیٹھا اور انہیں بھی اپنے قریب بٹھایا۔ اس موقع پر وہ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ مہابت خاں بول اٹھا اور کہنے لگا۔

ہم سے بڑی غلطی ہوئی' ماضی میں ہم آپ کے خلاف حرکت میں آئے جبکہ ہمیں آپ اور رستم خاں کے خلاف کچھ بھی نہیں کرنا چاہئے تھا۔ دراصل یہ سارے احکامات ہمارے شہنشاہ کی طرف سے جاری نہیں ہوئے اب ان احکامات کا منبع نور جہاں بن گئی ہے اور نور جہاں نے اپنی زندگی کا واحد مقصد یہ بنالیا ہے کہ وہ ہرصورت میں اپنے داماد یعنی اپنی بیٹی لاڈلی بیگم کے شوہر شہریار کو ہندوستان کے تاج وتخت کا مالک بنائے گی۔

حیرت کی بات ہے کہ آپ کا سسر آصف خاں بھی اپنی بہن کی طرفداری کر رہا ہے۔ حالانکہ اس کو آپ کا ساتھ دینا چاہئے۔ ہم نے اب تک جو کارروائیاں نور جہاں کے کہنے پر آپ کے خلاف کی ہیں ان سب کی ہم آپ سے معافی مانگتے ہیں اور آپ ہمیں کسی بھی امتحان میں ڈال کر دیکھ لیں' ان کی تلافی کریں گے۔

یہاں تک کہنے کے بعد مہابت خاں رکا' پھر کسی قدر سرگوشی کے انداز میں وہ شاہ جہاں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

اب آپ کی اجازت کے بغیر میں نے اپنا ایک خاص آدمی جو آصف خاں کا بھی خوب جاننے والا ہے اسے آصف خاں کی طرف روانہ کیا ہے اور آصف خاں کو یہ احساس دلانے کی کوشش کی ہے کہ ان حالات میں جب کہ جہانگیر بیمار ہے اور نور جہاں ان پر مسلط ہے ہمیں ہندوستان کے تاج وتخت کیلئے شاہ جہاں کا ساتھ دینا چاہئے۔ میں نے اسے یہ بھی یاددہانی کرائی ہے شہریار نور جہاں کا داماد ہے اور تمہارا داماد شاہ جہاں ہے۔ مجھے امید ہے کہ میرا وہ آدمی جب آصف خاں کو یہ کہی ساری باتیں یاد دلائے گا تو آصف خاں ضرور آپ کی طرف مائل ہوگا اور سارے کام آپ اور اپنی بیٹی کیلئے کر گزرے گا۔

میں جانتا ہوں آپ کی نگاہوں میں میری ذات مشکوک ہے اور آپ کا مجھ پر شک کرنا آپ کیلئے حق بجانب بھی ہے لیکن میں خداوند قدوس کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں اور نقیب خاں دونوں آپ کے وفادار اور آپ کے مخلص بن کر آپ کے ساتھ رہیں گے اور آپ کے پہلو سے پہلو ملا کر آپ کیلئے ہندوستان کا تاج وتخت حاصل کرنے کی کوشش کریں گے اور اس سلسلے میں جو بھی ہمارے راستے کی دیوار بنا اسے گراتے چلے جائیں گے۔

اس موقع پر شاہ جہاں نے پھر سوچا اور کہنے لگا۔ اگر یہ بات ہے تو واپس جاؤ' اپنے سارے ساتھیوں کو لے کر یہاں آؤ اور وہ بھی یہاں قیام کریں۔ میں تم پر اعتماد اور بھروسہ کرتا

ہوں۔ شاہ جہاں کی اس گفتگو سے مہابت خاں اور نقیب خاں دونوں خوش ہو گئے تھے' پھر شاہ جہاں سے اجازت لے کر وہ باہر نکلے اور اپنے دو ہزار ساتھیوں کے ساتھ انہوں نے شاہ جہاں کے لشکر کے اندر ہی پڑاؤ کر لیا تھا۔

✧ ✧ ✧

آگرہ کے قصر سے نکل کر رستم خاں نے ایک روز اپنی حویلی کے دروازے پر دستک دی' اس کے بعد حویلی کا دروازہ کھلا' دروازہ کھولنے والی سمترا تھی۔ رستم خاں جب حویلی میں داخل ہوا تو پہلے ہی کی طرح سمترا نے اندر سے دروازے کو زنجیر لگا دی تھی۔ دونوں میاں بیوی آگے پیچھے دیوان خانے میں داخل ہوئے' جب دونوں نشستوں پر بیٹھ گئے تب سمترا بڑے غور سے رستم خاں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

آج میں دیکھتی ہوں کہ خلاف معمول آپ کا چہرہ کھلا ہوا ہے اور آپ مجھے خوش خوش دکھائی دے رہے ہیں' کیا کوئی خاص وجہ ہے۔

سمترا کے ان الفاظ کے جواب میں رستم خاں کھل کر مسکرا دیا تھا اور کہنے لگا۔

میری اس مسکراہٹ اور خوشی کی دو وجوہات ہیں' دونوں میں تم سے کہتا ہوں۔

دیکھو سمترا مہابت خاں اس سے پہلے ہر موقع پر نور جہاں کے کہنے پر شاہ جہاں کے خلاف حرکت میں آتا رہا ہے۔ اب وہ نور جہاں کی ہر منصوبہ بندی سے تنگ آ کر اپنے دو ہزار ساتھیوں کے ساتھ شاہ جہاں سے جا ملا ہے۔ شاہ جہاں کو اس نے اپنی وفاداری اور جاں نثاری کا یقین دلا دیا ہے۔ اس طرح دکن کے علاقے میں شاہ جہاں اور مہابت خاں ایک ہو گئے ہیں اور مجھے امید ہے کہ مہابت خاں کے ملنے سے شاہ جہاں کی طاقت اور قوت میں اضافہ ہوگا اور آنے والے دنوں میں وہ اپنے خلاف اٹھنے والی ہر مصیبت پر قابو پانے کی جرأت پیدا کر سکے گا۔

اس قدر کہنے کے بعد رستم خاں رکا' پھر پہلے کی نسبت وہ زیادہ غور ہوا' وہ اپنی بیوی سمترا کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ دوسری خبر اس سے بھی اچھی ہے اور خبر یہ ہے دو دن بعد شہنشاہ نور جہاں اور نور جہاں کا بھائی آصف خاں اور کچھ سالار اور لشکری کشمیر کی طرف روانہ ہوں گے۔ میرے لئے بھی حکم جاری ہو گیا ہے کہ میں بھی شہنشاہ کے ساتھ کشمیر جاؤں گا۔ لہٰذا اگر تم نہیں جانا چاہتی تو پھر کل کسی بھی وقت اپنی ماں کی حویلی میں منتقل ہو جانا اور میں اکیلا

شہنشاہ کے ساتھ کشمیر کی طرف روانہ ہو جاؤں گا۔ آگرہ سے روانگی کے بعد شہنشاہ اور نور جہاں چند روز تک لاہور میں قیام کریں گے' اس کے بعد کشمیر کا رخ کریں گے۔

رستم خاں مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ گھورنے کے انداز میں اس کی بات کاٹتے ہوئے سمترا بول پڑی' ہرگز نہیں۔ میں اپنے ماں باپ کی حویلی میں نہیں جاؤں گی۔ آپ کے ساتھ جاؤں گی۔ اس طرح مجھے کشمیر اور لاہور دیکھنے کا موقع مل جائے گا۔ لاہور تو میں نے اس سے پہلے سرسری نگاہ سے دیکھا ہے اور پھر لاہور کے قیام کے دوران میں رتن کماری سے بھی مل لوں گی۔ لہٰذا میرا آخری فیصلہ یہ ہے کہ میں آپ کے ساتھ شاہی قافلے میں لاہور اور پھر وہاں سے کشمیر جاؤں گی۔

یہاں تک کہنے کے بعد جب سمترا خاموش ہوئی تب رستم خاں کہنے لگا۔

اگر یہ بات ہے تو پھر اپنی تیاری مکمل کر لو' اپنا سامان بھی درست کر لو۔

سمترا نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ چنانچہ دونوں میاں بیوی نے وہاں اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھایا اور دو دن بعد دونوں میاں بیوی شاہی قافلے میں لاہور کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔

لاہور پہنچ کر اپنے کارواں کے ساتھ شاہ جہاں نے دریائے راوی کے کنارے دلکشا باغ میں قیام کیا تھا۔ یہ دلکشا باغ وہی تھا جس میں اب جہانگیر اور نور جہاں کے مزار ہیں۔

اسی دلکشا باغ میں ایک روز رستم خاں اور سمترا دونوں میاں بیوی اپنے خیمہ میں بیٹھے اپنے کسی نجی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے کہ ایک لشکری خیمہ کے دروازے پر آیا اور رستم خاں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

ایک شخص آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ اگر آپ کہیں تو میں اس کو لے کر آؤں۔

اس لشکری کی طرف دیکھتے ہوئے رستم خاں بول اٹھا۔ یہاں مجھ سے کون ملنے آ سکتا ہے۔ پہلے یہ بتاؤ کہ جو مجھ سے ملنا چاہتا ہے اس کا نام کیا ہے۔ اس پر وہ لشکری کچھ سوچتے ہوئے کہنے لگا۔

اس نے اپنا نام زماں خان بتایا ہے۔

پر میں تو کسی زماں خان نام کے شخص کو نہیں جانتا اور نہ ہی میرے عزیز و اقارب میں کوئی لاہور میں رہتا ہے۔

سمترا ابھی تک خاموش بیٹھی ہوئی تھی' وہ چونکی اور کہنے لگی۔

آپ یہ نہ کہیئے کہ ہمارا کوئی عزیز یہاں قیام نہیں رکھتا' یہاں رتن کماری ہے۔ میرے خیال میں زماں خاں سعادت خان کا بیٹا اور رتن کماری کا شوہر ہو سکتا ہے۔

سمترا کے ان الفاظ پر رستم خاں چونکا' دوبارہ اس لشکری کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

کیا وہ شخص جس نے اپنا نام زماں خاں بتایا ہے وہ اکیلا ہے۔

لشکری نے نفی میں گردن ہلائی اور کہنے لگا۔

وہ اکیلا نہیں ہے اس کے ساتھ دو خواتین بھی ہیں۔

یہ الفاظ سن کر رستم خاں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ خیمہ کے دروازے پر آیا' سمترا اس کے پیچھے پیچھے تھی۔ انہوں نے دیکھا خیمے سے ذرا فاصلے پر رتن کماری اور حسین اور خوبصورت مغنیہ پورن اور رتن کماری کا شوہر زماں خاں کھڑے تھے۔ رستم خاں تیزی سے آگے بڑھا' پرجوش انداز میں وہ زماں خاں سے ملا اور اتنی دیر تک سمترا نے باری باری رتن کماری اور مغنیہ پورن کو گلے لگا کر اس کا استقبال کیا۔ دونوں میاں بیوی ان تینوں کو اپنے خیمے میں لائے۔

جب سب خیمے میں بیٹھ گئے تو گفتگو کا آغاز سمترا نے کیا' وہ حسین پورن کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

ہم تو سمجھے تھے کہ تم نے آگرہ میں قیام کیا ہوا تھا۔ میں نے دو ایک بار تمہارے متعلق پوچھا بھی' لیکن مجھے بتایا گیا کہ پورن آگرہ میں نہیں ہے۔

یہاں تک کہنے کے بعد سمترا جب خاموش ہوئی تو تب رتن کماری بولی اور کہنے لگی۔

جب میری شادی ان سے ہوئی تو میں وہاں سے آگرہ سے دو تحفے لے کر یہاں آئی تھی۔ ایک پورن اور دوسری تسیمہ خاتون' تسیمہ خاتون کو اپنی ماں جہاں آراء سے بڑا پیار' بڑی محبت تھی۔ حویلی میں چونکہ اس کا دل نہیں لگتا تھا لہٰذا میں اسے لاہور لے آئی۔ لیکن اس نے اپنی ماں کے بچھڑنے کا غم کچھ اس طرح اپنے سینہ میں بٹھایا کہ وہ چند ہفتے ہی یہاں رہ سکی اور فوت ہو گئی۔

ان الفاظ نے رستم خاں اور سمترا دونوں کو اداس اور افسردہ کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ سمترا سنبھلی' رستم خاں کی حالت کا اندازہ لگاتے ہوئے اس نے بات کا رخ بدلا' پورن کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

پورن میری بہن اپنے جس پیار اپنی جس محبت کے پیچھے تم بیکانیر سے آگرہ پہنچی تھی کیا تم نے اس کی طرف کوئی پیش قدمی کی' اسے حاصل کرنے کی کوئی امید بندھی یا اب تک اس کی تلاش میں ہی سرگرداں ہو۔

سمترا کے ان الفاظ پر لمحہ بھر کیلئے پورن اداس اور افسردہ ہوگئی تھی۔ اس نے اپنے آپ کو جلد ہی سنبھال لیا۔ اس کے بعد دکھ بھرے انداز میں کہنے لگی۔

اس جنم میں تو اپنی محبت اور چاہت کے محور کے ملنے کی کوئی امید نہیں ہے۔ شاید اگلے کسی جنم میں ہوسکے۔

پورن جب خاموش ہوئی تو تب رتن کماری دکھ بھرے انداز میں کہنے لگی۔

اس سے پہلے میں بھی انسانی زندگی کے جنم جنم کے درجات پر یقین رکھتی تھی لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد میرا یہ عقیدہ نا صرف وہم میں تبدیل ہوگیا بلکہ متزلزل ہوکر ختم ہوگیا کہ انسان کی زندگی جنم جنم کے درجات پر مشتمل نہیں' بس ایک بار آتا ہے اور ہمیشہ کیلئے کوچ کر جاتا ہے۔

رتن کماری جب خاموش ہوئی تب اس کا شوہر زماں خاں بڑے فخریہ انداز سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس موقع پر سمترا بھی بول اٹھی اور پورن کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

پورن رتن کماری ٹھیک کہتی ہے۔ میرے بھی یہی خیالات تھے لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد میں بھی ان خیالات کو نکال چکی ہوں اپنے ذہن سے جھٹک چکی ہوں۔

سمترا کے خاموش ہونے پر پورن نے ایک گہری نگاہ اپنے سامنے بیٹھے رستم خاں پر ڈالی اور کہنے لگی۔

آپ کا اس سلسلے میں کیا خیال ہے۔ پورن کے اس سوال پر رستم خاں کہنے لگا۔

زندگی حیات اور موت کے متعلق مختلف ادوار میں مختلف اقوام کے رسم و رواج مختلف رہے ہیں۔ پرانے زمانے میں قومیں زندگی اور موت میں کوئی فرق نہیں سمجھتی تھیں۔ وہ لوگ موت کو ایک لمبی نیند تصور کرتے تھے اور مردے کے ساتھ اس کی روزمرہ ضروریات کی تمام اشیاء دفن کر دیتے تھے تاکہ نیند سے جاگنے کے بعد کسی قسم کی تکلیف محسوس نہ ہو۔

پرانے زمانے میں مصر میں اس کے آثار احرام مصر کی صورت میں آج بھی موجود ہیں' جن میں اس وقت کے بادشاہوں کو دفن کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ وادی سندھ میں سمیری اور

آشوری قوموں کا بھی یہ عقیدہ تھا کہ اس دنیا سے چلے جانے کے بعد انسان کو ظلمات کی ملکہ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے وہ لوح محفوظ کی مدد سے انسان کے اعمال کا محاصرہ کرتی ہے۔

اگر اعمال نیک ہوں تو اسے جنت میں بھیج دیتی ہے۔ اگر اعمال بد ہوں تو پھر اس کیلئے جہنم کے سوا کوئی ٹھکانا نہیں ہوتا۔

جہاں تک ہندوستان کی اقوام کا تعلق ہے یہاں اواگون یعنی تناسخ پر زیادہ تر لوگ قائم ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ آتما یعنی روح امر ہوتی ہے اور انسان کے اعمال کے مطابق جون بدلتی رہتی ہے اور آخرکار دیوتا بن جاتی ہے۔ بدھ مت کے ماننے والے افراد حیات بعد ممات کو نہیں مانتے۔

لیکن ہم مسلمانوں کا عقیدہ ان سب سے مختلف ہے۔ اس لئے کہ اسلام کے بنیادی ارکان میں حیات بعد از ممات شامل ہے' اس لئے ہماری مقدس کتاب کہتی ہے۔

تم اللہ کے ساتھ کفر کا رویہ کیسے اختیار کرتے ہو' حالانکہ تم بے جان تھے اس نے تمہیں زندگی عطا کی' پھر وہی تمہاری جان سلب کرے گا۔ وہی تمہیں زندگی عطا کرے گا' پھر اسی کی طرف تمہیں پلٹ کر جانا ہے۔

ہمارا مذہب حیات دنیا کا ذکر کئی جگہ کرتا ہے جو دنیاوی زندگی اور آخرت کے بعد کی زندگی سے واضح فرق بیان کرنے کیلئے استعمال ہوا ہے۔ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق زندگی کی حسن و جمال سے بھرپور ہے۔ اس میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے' جسے آئندہ کی زندگی کیلئے مثال کے طور پر پیش کیا جاسکے۔

اسی بنا پر ہمارے قرآن مقدس میں خداوند قدوس نے فرمایا:

دنیاوی زندگی تو اخروی زندگی کے مقابلے میں کھیل کود کی حیثیت رکھتی ہے جبکہ حقیقی زندگی کو دوام حاصل ہے۔

ہمارے ہاں دنیاوی زندگی کو بارش سے مشابہ قرار دیا گیا ہے۔ جو کھیتوں کو زرخیز بناتی ہے۔ انسان یہ سوچنے لگتا ہے کہ یہ تمام فصلیں جو زمین پر لہلہا رہی ہے اس کی محنت کا نتیجہ ہے وہ انہیں کاٹنے لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ سامنے آتا ہے۔ وہ ان فصلوں کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینکتا ہے۔

اور ان کی حالت ایسی ہوجاتی ہے کہ جیسے وہ کبھی موجود ہی نہیں تھیں۔ دنیاوی زندگی ہی

کوسب کچھ سمجھنے اور جزا وسزا اور آخرت کی زندگی سے بے نیاز ہو جانے کو بھی غلط ٹھہراتا ہے۔
لیکن اسلام دنیاوی زندگی کی مذمت نہیں کرتا' اس زندگی کے اعمال پر آئندہ زندگی کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔

اس سلسلے میں ہماری مقدس کتاب ایک بہترین مثال پیش کرتی ہے۔ اس مثال میں کہا ہے کہ اس شخص کو دیکھو جس کا گزر ایک بستی میں ہوا' جو اپنی چھتوں میں اوندھی گری پڑی تھی' اس نے کہا یہ آبادی جو ہلاک ہو چکی ہے اللہ اسے کیسے دوبارہ زندگی بخشے گا۔

اس پر اللہ نے اس کی روح قبض کر لی اور وہ سو سال تک مردہ پڑا رہا۔ اللہ نے اسے دوبارہ زندگی بخشی اور اس سے پوچھا

بتاؤ کتنی مدت پڑے رہے ہو۔

اس نے کہا ایک دن یا چند گھنٹے رہا ہوں گا۔

اس پر خداوند قدوس نے فرمایا تم پر سو سال اسی حالت میں گزر چکے ہیں۔

اب ذرا اپنے کھانے اور پینے کو دیکھو کہ ان میں ذرا تغیر نہیں ہے۔ دوسری طرف اپنے گدھے کو بھی دیکھو کہ اس کا پنجر تک بوسیدہ ہو رہا ہے۔ یہ ہم نے اس لئے کیا ہے کہ ہم تمہیں لوگوں کیلئے ایک نشانی بنا دینا چاہتے ہیں' پھر دیکھو ہڈیوں کے اس پنجر کو ہم کس طرح اٹھا کر گوشت پوست اس پر چڑھاتے ہیں۔ اس طرح حقیقت جب اس کے سامنے نمایاں ہو گئی اس نے کہا:

میں جانتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

یہاں تک کہنے کے بعد رستم خاں رکا' پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

دراصل ہندومت میں روح کو لازوال اور ازلی ابدی تسلیم کیا گیا ہے' پھر وہ روح کی وحدت پر بھی زور دیتا ہے۔ آتما' مہا آتما اور پرماتما کی تقسیم میں یہی نظریہ کارفرما ہے۔ اس نظریہ نے دو مسائل کو جنم دیا۔

اول یہ کہ اہنسا کا اصول سامنے آیا' یعنی انسان کو کسی جانور یا شے کو دکھ دینا یا مارنا نہیں چاہئے' کیونکہ انسان کی روح اور جانور کی روح ایک وحدت کے حصے ہیں۔ لہٰذا ہندومت میں کسی جانور کو خواہ وہ موذی ہی کیونکہ ہو' اسے موت دینا بڑا پاپ سمجھا جاتا ہے' نہ ہی کسی انسان

کو یہ حق دیا گیا ہے کہ جانور کو ذبح کر کے اس کا گوشت کھائے یا اسے کسی اور طریقہ سے استعمال میں لائے۔

دوسرا یہ کہ آواگون کا اصول بھی اسی نظریہ کا مرہون منت ہے۔

آواگون کا چکر یہ ہے کہ کوئی انسان اپنی تمام زندگی میں برے کام کرتا ہے تو مرنے کے بعد اس کی روح کم تر مخلوق مثلاً کسی گدھے کے قالب میں منتقل ہو گی' جو ابھی پیدا ہونے والا ہے۔

اور اگر بہت زیادہ پاپ کئے ہیں تو اس سے بھی کمتر مخلوق میں یعنی کسی کتے یا چیونٹیوں میں منتقل ہو جائے گی۔

اور اس دوران اپنے گناہوں کی سزا بھگتے گی' جب تک سزا بھگت نہ چکے' کسی انسان کے قلب میں منتقل نہیں ہو سکتی۔

اگر کسی انسان نے اپنی زندگی میں اچھے کام کئے ہیں تو کسی ایسے انسان کے قلب میں منتقل ہو گی جو نیک بخت ہو گا۔ یہ چکر یوں ہی چلتا رہتا ہے تا کہ آتما آگے بڑھ کر مہا آتما نہ بن جائے اور مہا آتما آگ چل کر روحانی مدارج طے کر کے پرماتما یعنی خدا میں مدغم نہ ہو جائے' تبھی اس کی نجات ہو سکتی ہے۔

ہندومت کے اسی نظریے کی وجہ سے وحدت الشہود اور حلول قسم کے دو نظریوں کا جواز بنتا ہے لیکن اسلام کا نظریہ روح ان دونوں نظریات کی مخالفت کرتا ہے۔ اسلام کے ہاں اس نظریہ کو بالکل غلط اور غیر فطری تسلیم کیا گیا ہے' اس لئے کہ اس نظریہ کی سب سے پہلی زد اسلام کے بنیادی عقیدے توحید پر پڑتی ہے۔ ان نظریات نے عبد اور معبود کا قصہ ہی پاک کر ڈالا ہے۔ لہٰذا لوگ اس کے قائل ہیں نہ وہ مسلمان رہ سکتے ہیں نہ ہی ان کے دلوں میں قرآن و حدیث کا احترام باقی رہ جاتا ہے۔ اگرچہ یہ لوگ معبود کو معبود اور خود کو عبد کہتے ہیں تو یہ محض لوگوں کے ڈر سے ہوتا ہے۔ مختلف مزاج کے وہ لوگ جو اس نظریہ کے حامی ہیں وہ کہتے ہیں کہ ان دیکھے خدا کی پرستش ایمان کی پہلی منزل ہے' جس کو یہ لوگ اپنی زبان میں طلب کہتے ہیں جس پر ان کا کہنا ہے کہ عاشقان ربانی کبھی قناعت نہیں کر سکتے۔ وہ اس کی مثال آب شور سے دیتے ہیں' جو پیاس کو بجھاتا نہیں مزید بڑھاتا ہے۔

اس نظریے کا دوسرا اثر مزار پرستی کی شکل میں رونما ہوتا ہے۔ سورج' چاند' ستاروں کی

پرستش اور ان کے انسان پر اثرات آگ' پانی' ہوا' سمندر' دریا' شجر حجر حتیٰ کہ جانوروں' درندوں' پرندوں کی پرستش اس لئے شروع ہوئی کہ وہ ہر چیز کو خدا کا حصہ سمجھتے ہیں' جس کسی نے جس میں کوئی خوشگوار اثر دیکھا اس کی پوجا شروع کردی۔ وحدت روح اور اس کو لازوال سمجھنے کے نظریات نے بت پرستی کو جنم دیا' اس طرح دنیا طرح طرح کے شرک میں مبتلا ہوئی۔

یہاں تک کہتے کہتے رستم خاں اچانک رک گیا' پھر معذرت طلب انداز میں کہنے لگا۔

معاف کیجئے میں نے آپ لوگوں کا زیادہ وقت لے لیا' پورن خاتون' جو کچھ میں نے کہا ہے یقیناً سمترا اور رتن کماری اس کی قائل ہیں' کیونکہ یہ دونوں اسلام قبول کرچکی ہیں' تاہم میرے ان الفاظ سے تمہاری دل شکنی ہوئی ہو میں معذرت خواہ ہوں۔

اس موقع پر پورن کے چہرے پر بڑی گہری مسکراہٹ نمودار ہوئی اور رستم خاں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

آپ کو معذرت طلب کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ میرے خیال میں سمترا اور رتن کماری سے بھی زیادہ میں اسلام کی طرف مائل اور اس سے واقف ہوچکی ہوں۔ بیکانیر سے آگرہ پہنچنے کے چند ہی ہفتے بعد میں نے اسلام قبول کرلیا تھا اور اس عرصے میں میں نے اسلام کے متعلق بہت کچھ سیکھا ہے۔

پورن کے ان الفاظ پر رستم خاں نے خوشی کا اظہار کیا۔ یہاں تک کہ اس نے پھر پورن کو مخاطب کیا۔

میں نے تو سنا تھا کہ شہنشاہ نے تمہارے لئے حکم جاری کیا تھا کہ تم دربار سے وابستہ رہوگی اور جب کبھی بھی شاہی کارواں کہیں جایا کرے گا تو تم اس کارواں میں موجود ہوگی۔

اس بنا پر میں پوچھ سکتا ہوں کہ تم لاہور میں کیسے رک گئیں۔ پورن مسکرائی اور کہنے لگی۔

آپ کا کہنا درست ہے میں یقیناً شاہی کارواں میں اس وقت شامل تھی جس وقت شاہی کارواں لاہور سے کابل کی طرف گیا تھا اور مہابت خاں شاہی کارواں پر حاوی ہوا تھا۔

اس کے بعد جب آپ دکن سے کابل پہنچے تو اس موقع پر میں نے آپ سے ملاقات کرنا چاہی' پھر میں نے سوچا کہ دیکھنے والے لوگ ضرور سوچیں گے کہ میں آپ سے کیونکر ملاقات کررہی ہوں۔ اس بنا پر میں آپ کی طرف نہ گئی۔ واپسی پر مجھے خبر ہوئی کہ رتن کی شادی لاہور میں ہوئی ہے' جس وقت شاہی کارواں نے دلکشا باغ میں آکے قیام کیا تو رتن اور

اس کے شوہر زماں خان شاہی کارواں میں آئے۔ رتن مجھ سے ملی بلکہ میں یوں کہوں گی کہ ان دونوں میاں بیوی نے پرتپاک انداز میں میرا استقبال کیا اور رتن نے ملکہ نورجہاں سے یہ اجازت لی کہ مجھے کچھ عرصہ لاہور میں رتن کماری کے پاس رہنے کی اجازت دے دی جائے۔ نورجہاں نے جب مجھے بلایا اور میرا عندیہ جاننے کیلئے مجھ سے پوچھا تو میں نے رتن کے ساتھ رہنے پر حامی بھری۔ لہٰذا شاہی کارواں تو آگرہ کی طرف چلا گیا' میں نے لاہور ہی میں قیام کرلیا۔

یہاں تک کہنے کے بعد پورن جب رکی' تب رتن کماری رستم خاں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

جس وقت ہم دونوں میاں بیوی دلکشا باغ میں شاہی کارواں میں داخل ہوئے تھے اس وقت اصل مدعا آپ سے ملنا تھا' اس لئے کہ ہمیں خبر ہوئی تھی آپ دکن سے کابل پہنچے تھے۔ کابل سے اب شاہی کارواں کے ساتھ لاہور آگئے ہیں۔ لیکن اس دوران مجھے خبر ہوئی کہ پورن نے یہاں قیام کررکھا ہے۔ پہلے میں اور زماں خاں نے آپ کا پوچھا' اب اس وقت شہنشاہ کے ساتھ شہر کے مختلف علاقوں کا جائزہ لینے کیلئے گئے ہوئے تھے۔ لہٰذا آپ سے ملاقات نہ ہوسکی اور ملکہ نورجہاں سے اجازت لے کر ہم پورن کو اپنے ساتھ لے گئے۔ اگلے روز ہم نے آپ سے ملنا چاہا لیکن اگلے روز شاہی کارواں آگرہ کی طرف کوچ کرگیا تھا۔

رتن کماری جب خاموش ہوئی تب پہلی بار اس کا شوہر زماں خاں بولا اور رستم خاں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

رستم خاں میرے عزیز اب ہم اپنے اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔ میرے خیال میں بہت سی باتیں ہوگئیں آج رات آپ دونوں میاں بیوی کی ہمارے ہاں دعوت ہے اور آپ کھانا ہمارے ہاں کھائیں گے۔ شب بسری بھی یہی کریں گے اور اس سلسلے میں اگر آپ نے شہنشاہ سے اجازت لینی ہو تو وہ ابھی لے لیں' اس لئے کہ ہم آپ دونوں میاں بیوی کو اپنے ساتھ لے کر جائیں گے۔

زمان خان جب خاموش ہوا تب اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے رستم خاں کہنے لگا۔

زمان خاں میرے بھائی ایسا تکلف کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

قبل اس کے زمان خاں بولتا رتن کماری پہلے ہی بول اٹھی' یہ تکلف نہیں ہے' ایسا ہونا چاہئے اور ایسا ہوگا۔

رستم خاں کچھ سوچتے ہوئے جواب دینا ہی چاہتا تھا زمان خاں پھر بول اٹھا۔

رستم خاں میرے عزیز بھائی مجھے رتن کماری کی کچھ عادتیں بے حد پسند ہیں' پہلے تو میں یہ کہوں کہ میں خوش قسمت ہوں کہ مجھے اس جیسی بیوی ملی' شادی کے بعد اس نے مجھ سے کوئی چیز نہیں چھپائی۔ اس نے ساری تفصیل بتا دی کہ کس طرح اس نے پہلے آپ کو پسند کیا' جب اس کے گھر والوں نے اس کے رشتے کی بات آپ کے بابا سے کی تو آپ نے اس رشتے سے انکار کر دیا۔ میں سمجھتا ہوں یہ رتن کماری کی بڑی جرأت مندی ہے اس نے اپنی کوئی بات مجھ سے چھپائی نہیں اور میں ہمیشہ اس کی ذات پر فخر کرتا رہوں گا۔

خوش ہوتے ہوئے رستم خاں اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا' پھر کہنے لگا۔

اچھا آپ لوگ بیٹھیں میں شہنشاہ سے اجازت لے کر آتا ہوں۔ اس کے ساتھ رستم خاں وہاں سے اٹھ کر چلا گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوٹا' بڑا مطمئن اور ایک طرح سے مسکراتا آ رہا تھا۔ خیمہ میں داخل ہونے کے بعد اس نے سب کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔

شہنشاہ نے مجھے آپ لوگوں کے ساتھ رہنے' آپ کے ہاں دعوت پر جانے اور شب بسری کی اجازت دے دی ہے۔

اس پر زمان خاں اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔

پھر دیر کا ہے کی' ابھی اور اسی وقت چلتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی سمترا' رتن کماری اور پورن بھی اٹھ کھڑی ہوئی تھیں اور دلکشا باغ سے نکل کر وہ زمان خاں کی رہائش گاہ کی طرف ہو لی تھیں۔ تین دن بعد لشکر نے لاہور سے کشمیر کی طرف کوچ کیا تھا۔

تین دن بعد لشکر نے لاہور سے کشمیر کی طرف کوچ کیا تھا۔ رستم خاں اور سمترا دونوں میاں بیوی اس شاہی کارواں میں شامل تھے۔ رستم خاں پر جہانگیر اور نور جہاں اب پوری طرح اعتماد اور بھروسہ کرنے لگے تھے۔ حالانکہ بباطن وہ شاہ جہاں کا آدمی تھا۔ جہانگیر بیمار تھا اور کشمیر کی طرف یہ اس کا آخری سفر تھا۔

مؤرخین کا کہنا ہے کہ 1627ء کے موسم بہار میں جہانگیر اور نور جہاں اپنے شاہی

کارواں کے ساتھ موسم گرما گزارنے کی غرض سے کشمیر روانہ ہوئے' جس وقت یہ شاہی قافلہ لاہور سے روانہ ہوا' اس وقت بھی جہانگیر کی حالت کچھ اچھی نہ تھی' دمہ کے مرض کی وجہ سے وہ پہلے ہی خاصا کمزور ہو چکا تھا حتیٰ کہ سواری کے قابل بھی نہ رہا تھا اور اس کی بھوک مر چکی تھی۔

اس کے باوجود عالم یہ تھا کہ شراب بھی اس کے حلق سے نہ اترتی تھی۔ اسی دوران جہانگیر کے بیٹے شہریار کو بھی شاہی طبیب نے لاہور کی گرم آب و ہوا میں رہنے کا مشورہ دیا تھا۔ اس طرح یہ قافلہ لاہور سے گجرات اور بھمبر سے ہوتا ہوا کشمیر کی طرف روانہ ہوا تھا۔

موسم خزاں میں یہ شاہی قافلہ کشمیر سے واپس ہوا' اس دوران جہانگیر نے بھمبر کے آس پاس ایک مقام پر شکار بھی کھیلا' لیکن اس انداز میں کہ وہ خود بیٹھا رہا اور ایک دیوار کے سہارے رکھ کر نشانہ لیتا رہا۔ اس دوران ایک ہرن کا تعاقب کرتے ہوئے اس کا ایک لشکری گر کر ہلاک ہو گیا تھا۔ جہانگیر نے یہ منظر دیکھا اور اتنا گہرا اثر لیا' اس موت کو اس نے اپنے لئے فرشتہ اجل قرار دیا۔

چنانچہ بھمبر سے گجرات شہر کی طرف آتے ہوئے رفتہ رفتہ اس کی طبیعت بگڑنے لگی' وہ شدید اضطراب کی حالت میں لاہور کی طرف بڑھتا گیا۔ نومبر 1627ء کو آخری سانس لیا اور منزل پر پہنچنے سے پہلے وفات پا گیا۔

بقول مؤرخین ایک روایت کے مطابق شہنشاہ جہانگیر کے دو مدفن ہیں ایک مدفن لاہور میں اور دوسرا مدفن گجرات کے مشرقی علاقے میں واقع ہے۔ لاہور اور گجرات کے مقبروں میں بیک وقت سالانہ میلہ لگتا ہے اور ہزاروں عقیدت مند ان میلوں میں شرکت کرتے ہیں۔ گو تاریخ میں جہانگیر کے دوسرے مدفن کا ذکر نہیں ملتا لیکن بعض نوادرات اور فرامین سے اس امر کی مکمل تصدیق ہوتی ہے کہ گجرات کا مقبرہ خود نور جہاں نے تعمیر کروایا تھا اور اخراجات کی کفالت کی غرض سے کافی زمین وقف کی تھی' اس زمین سے کچھ اب بھی باقی ہے۔

چنانچہ بعض پرانے نسخوں میں سے ان دونوں مقبروں کی تعمیر پر روشنی پڑتی ہے۔ ایک فارسی نسخہ کے مطابق شہنشاہ جہانگیر حسب معمول موسم گرما میں کشمیر میں مقیم تھا۔ ترک شراب اور کوشش ترک شراب نے اس کی صحت پر ناخوشگوار اثرات مرتب کئے تھے۔

کشمیر میں بھی اس کی جسمانی توانائی زوال پذیر رہی۔ کشمیر میں اس کے آخری ایام تھے اور جنت نظیر سے اس کی مراجعت بھی آخری تھی۔ وہ باقاعدہ نور جہاں کے ساتھ گل گشت پر

نکلتا تھا لیکن اس کے دل کی آواز کہتی تھی کہ اس بار اسے لاہور کی زیارت نصیب نہ ہوگی۔

کبھی کبھی اس کے دل کی یہ آواز زبان پر بھی آ جاتی' مگر نورجہاں شہنشاہ کی ان باتوں پر توجہ نہ دیتی اور اسے ایسے پریشان کن الفاظ کہنے سے ہمیشہ روکا کرتی' ان آخری ایام میں وہ محل کی کنیزوں اور خواصوں کے ساتھ کچھ ایسی شفقت آمیز گفتگو کا عادی ہوگیا تھا کہ وہ شہنشاہ کی باتیں سن کر پریشان ہوجاتیں اور بانہوں کے حلقوں میں منہ ڈال کر سسکیاں بھرنے لگتی تھیں۔

شہنشاہ کشمیر میں رہتے ہوئے بھی اپنے آپ سے ناخوش نظر آتا تھا اور اب اسے جنت کی دلفریبیاں کاٹنے کو دوڑتی تھیں۔ اس نے ایک شام نورجہاں کے کندھے پر سر رکھتے ہوئے کہا تھا۔

اگر یہاں سے کوچ میں عجلت سے کام لیا تو پھر میری زندگی میں ہمیشہ یہ خطہ خار بن کر کھٹکتا رہے گا۔

نورجہاں نے شہنشاہ کی پیشانی کو چھوا' گھبرا کر اس کا چہرہ اوپر اٹھایا' اس کو ساتھ لے کر بارہ دری سے باہر نکل آئی۔

اب کی بار شہنشاہ کا جلوس معینہ وقت سے پہلے کشمیر سے روانہ ہوگیا' مگر جہانگیر کے چہرے پر اس رونق کی کلی ایک مرتبہ بھی نہ کھلی تھی' جو اس کے چہرے کا ایک حصہ تھی۔ وہ پالکی میں نورجہاں کے ساتھ گاؤ تکیہ کا سہارا لئے دور دور تک شاہراہ ویران آنکھوں سے دیکھتا رہا۔ نورجہاں اسے بہلانے کی ہرممکن کوشش کرتی' مگر اس کے ہونٹوں تک آئی ہوئی ہنسی اس کے سارے چہرے کا احاطہ نہ کرسکتی تھی۔

مؤرخین مزید لکھتے ہیں کہ بھمبر شہر سے دو میل دور جب شاہی جلوس خیمہ زن ہونے لگا تو نورجہاں موسم گرما کی تھکن اور غنودگی کے بوجھ سے چونکی' اس نے مسکراتے ہوئے چور نظروں سے جہانگیر کی طرف دیکھا' پھر اس کی مسکراہٹ پتھرا کر رہ گئی۔ جہانگیر کی روح عالم خواب میں قفس عنصری سے کوچ کرچکی تھی۔ وہ آنکھیں بند کئے تکیہ کے سہارے محو استراحت دوام تھا۔

کہتے ہیں نورجہاں نے اس موقع پر بڑی فراست سے کام لیا سالار قافلہ اور رستم خاں کو بلایا اور پالکی کے پردے کے پاس بلا کر حکم دیا کہ پڑاؤ موقوف کردیا جائے' سفر جاری رہے۔

کسی کو اتنا پوچھنے کی جرأت نہ ہوئی کہ سالہا سال کے بعد اس اچانک تبدیلی کی وجہ کیا ہے۔

کنیزوں اور دیگر افراد کی زبانی جلوس میں یہ خبر اڑتی اڑاتی چکر لگنے لگی کہ شہنشاہ کی طبیعت ناساز ہے اور ملکہ نورجہاں جلد سے جلد لاہور پہنچ جانا چاہتی ہے۔

چنانچہ عنبر اور لوبان بھکوں اور روح گلاب کی پھوار کے باوجود شہنشاہ کی نعش کو گرمی کی شدت سے محفوظ رکھنا اور اس حالت میں لاہور پہنچنا آسان نہ تھا۔

چنانچہ یہ قافلہ جب گجرات شہر کے مشرق میں پہنچا تب نورجہاں نے رستم خاں کو حکم دیا کہ کارواں کو روک دیا جائے۔ چنانچہ رستم خاں کے کہنے پر شاہی کارواں پنجاب کے ضلع گجرات کے مشرق میں پڑاؤ کرگیا۔ اس کے بعد نورجہاں نے بڑی رازداری سے رستم خاں کو اپنے پاس بلایا اور کہنے لگی۔

تم خود جاؤ اور شاہی طبیب کو اپنے ساتھ لے کر یہاں آؤ' پھر میں تمہیں بتاتی ہوں کہ شاہی طبیب کو بلوانے کی وجہ کیا ہے لیکن اس کا ذکر کسی سے نہ ہو۔

چنانچہ رستم خاں شاہی طبیب کو لے کر پالکی کے قریب ہوا' تب نورجہاں نے تخلیہ کا حکم دیا اور رستم خاں کو یہ بھی حکم دیا کہ کوئی لشکری' کوئی سالار تمہارے سوا پالکی کے گرد دو سو قدم تک دکھائی نہ دے۔

نورجہاں کے حکم سے شاہی طبیب نے جہانگیر کا شکم چاک کیا' اس کی آنتیں اندرون شکم دیگر آلائشوں کو نکال کر رات کی تاریکی میں گجرات شہر کے مشرقی حصہ میں دفن کردیا گیا۔

جب یہ تدفین ہوگئی تب نورجہاں نے شاہی طبیب رستم خاں کو اپنے قریب بلایا اور بڑی رازداری میں ان دونوں کو مخاطب کرکے کہنے لگی۔

آپ دونوں کے علاوہ کسی کو یہ خبر نہیں کہ شہنشاہ فوت ہوچکا ہے اور اس کا پیٹ چاک کرکے اس کے شکم کی آلائشوں کو ہم نے یہاں دفن کردیا ہے۔ اب تم دونوں آپس میں صلاح مشورہ کرو کہ یہاں کیا نشانی مقرر کی جائے۔ کیونکہ میں چاہتی ہوں کہ لاش کو لے کر پہلے لاہور پہنچو' وہاں شہنشاہ کے مقبرے کی تعمیر کا کام شروع کروں' اس کے بعد جہاں شہنشاہ کے شکم کی آلائشیں دفن کی گئی ہیں یہاں بھی میں ایک عمدہ قسم کا مقبرہ تعمیر کرنے کا فیصلہ کرچکی ہوں۔ اب بولو اس جگہ ہمیں کیسی اور کس طرح کی نشانی لگانی چاہئے۔

رستم خاں اور شاہی طبیب نے کچھ دیر تک آپس میں مشورہ کیا' رات کی تاریکی میں اس

جگہ کا جائزہ لیا' پھر رستم خاں نور جہاں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

جہاں ہم نے شہنشاہ کے پیٹ کی آلائشوں کو دفن کیا ہے وہاں ہم پہلے لکڑی کا ایک کھونٹا ٹھونک دیتے ہیں اور اسے اتنی گہرائی تک لے جاتے ہیں کہ اگر اس پر مٹی ڈالی جائے تو وہ چھپ جائے اور پھر اسی کھونٹے کے شمال جنوب مشرق اور مغرب میں ویسے ہی لکڑی کے کھونٹے دس دس قدم کے فاصلے پر ٹھونک کر زمین میں دفن کر دیئے جاتے ہیں اور جب ہم نے مقبرہ تعمیر کرنا ہوا تو لکڑی کے ان کھونٹوں کی مدد سے ہی ہم اس جگہ کا تعین کریں گے جہاں یہ تدفین کی گئی ہے۔

نور جہاں نے رستم خاں کی اس تجویز کو پسند کیا تھا۔ لہٰذا بڑے اداس لہجے وہ رستم خاں کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

رستم خاں میں جانتی ہوں تم ایک قابل بھروسہ نوجوان ہو' تم پر ہر طرح کا اعتماد اور بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ تمہاری وفاداری پر بھی کوئی شک نہیں کر سکتا۔ لہٰذا آج رات یہیں گجرات شہر کے مشرقی حصہ میں شاہی کارواں پڑاؤ کئے رہے گا اور آنے والی صبح کو یہاں سے شہنشاہ کی لاش کو لے کر ہم لاہور کا رخ کریں گے۔

رستم خاں اور شاہی طبیب نے اس سے اتفاق کیا تھا۔ چنانچہ اگلے روز علی الصبح شاہی قافلہ پھر روانہ ہوا' چنانچہ شہنشاہ کی پالکی جب لاہور کی حدود میں داخل ہوئی تو نور جہاں نے شہنشاہ جہانگیر کی وفات کا اعلان کر دیا۔

لاہور پہنچ کر نور جہاں کو اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ شہنشاہ جہانگیر کی وفات کے اعلان سے اگر ملک میں بغاوت ہو بھی گئی تو نہ صرف اس پر قابو پانا آسان ہو گا بلکہ یہ امکان بھی تھا کہ لوگ اپنے محبوب شہنشاہ کے سوگ میں فتنہ و فساد کے کسی منصوبے کا ساتھ نہ دیں گے۔ اس کے بعد نور جہاں نے جہانگیر کا جسم نہایت تزک و احتشام سے دریائے راوی کے کنارے اس جگہ دفن کیا جو دلکشا باغ کے نام سے مشہور تھی۔

جہانگیر کی دلکشا باغ تدفین کے بعد وہاں اس کے مقبرے کی تعمیر کا کام نور جہاں نے شروع کیا۔ اس طرح نور جہاں کے کہنے پر رستم خاں اور اس کی بیوی سمترا دونوں نے لاہور ہی میں زمان خاں کے ہاں قیام کئے رکھا' ویسے بھی رستم خاں ان دنوں آگرہ کا سفر نہیں کرنا چاہتا تھا' اس لئے کہ سمترا کے ہاں بچے کی پیدائش کی امید تھی۔ اس بنا پر رستم خاں چاہتا تھا کہ سمترا

کے ساتھ وہ لاہور ہی میں قیام رکھے۔

چنانچہ نور جہاں اور اس کی بیٹی لاڈلی بیگم دونوں نے جب آگرہ کا رخ کرنے کے بجائے لاہور ہی میں قیام رکھا تب رستم خاں نے خوشی کا اظہار کیا اور مقبرے کی تعمیر میں وہ نور جہاں کی مدد کرنے لگا تھا۔

نور جہاں اب اس پر مکمل اعتماد اور بھروسہ کرتی تھی۔ دوسری طرف نور جہاں کا بھائی آصف خاں اب کچھ بدلا تھا۔ کھل کر نور جہاں کا ساتھ دینے کے بجائے وہ اندر ہی اندر اپنے داماد شاہ جہاں کیلئے کام کرنے لگا تھا۔

ایک روز رستم خاں نور جہاں اور اس کی بیٹی لاڈلی بیگم کے ساتھ جہانگیر کے مقبرے کی تعمیر کی نگرانی کرنے کے بعد واپس جب مغلپورہ میں زمان خاں کی حویلی میں داخل ہوا اس وقت زمان خاں دیوان خانے میں تھا جبکہ حویلی کے اندر سمترا کیلئے جو کمرہ مخصوص کر دیا گیا تھا اس کمرے میں سمترا' رتن کماری اور پورن بیٹھی ہوئی تھیں۔

رستم خاں پہلے زمان خاں کی طرف گیا اور اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے بڑی اپنائیت میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

زمان خاں میرے عزیز بھائی سب سے پہلے میں تمہارا شکر گزار ہوں تم نے اپنی حویلی میں میری اور میری بیوی سمترا کی رہائش کا اہتمام کیا۔

یہاں تک کہتے کہتے رستم خاں کو رک جانا پڑا' اس لئے کہ دکھ اور احتجاج بھرے انداز میں زمان خاں کہنے لگا۔

رستم خاں تم میرے بھائی ہو' بھائی پر بھائی کا کوئی احسان نہیں ہوتا۔ یوں جانو تم اور میری بہن سمترا دونوں اپنی حویلی میں قیام کئے ہوئے ہو' میری تم سے گزارش ہے کہ آئندہ کیلئے میرے لئے ایسے الفاظ استعمال نہ کرنا۔

رستم خاں مسکرایا اور پھر کہنے لگا۔

میں آج شام تک یہاں سے شاہی طبیب اور کچھ لشکریوں کے ساتھ گجرات کی طرف کوچ کروں گا۔ نور جہاں کا ارادہ ہے کہ اس مقبرے کی تعمیر کا کام بھی شروع کر دیا جائے جہاں شہنشاہ کے شکم کے آلائشیں دفن کی گئی ہیں۔ لہٰذا میں اور شاہی طبیب وہاں تعمیر کا کام شروع کروا کے وہاں ایک نگران مقرر کر کے واپس جائیں گے۔ ہمارے ساتھ کچھ صناع بھی جائیں

گے جنہوں نے جہانگیر کے مقبرے کا نقشہ بنایا ہے اور ایسا ہی مقبرہ وہ گجرات میں بھی تعمیر کریں گے۔

پھر رستم خاں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا' کہنے لگا۔

میں ذرا سمترا اسے بھی مل لوں اور اسے کہوں کہ میں شام تک یہاں سے کوچ کرنے والا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی رستم خاں باہر نکلا' اس کمرے میں داخل ہوا جو کمرہ ان دونوں میاں بیوی کیلئے مخصوص تھا۔ اس وقت اس کمرے میں سمترا کے ساتھ پورن اور رتن کماری بیٹھی ہوئی تھی۔ رستم خاں ان سب کے سامنے بیٹھ گیا' پھر سمترا کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

سمترا میں زمان خاں سے بات کر کے آ رہا ہوں۔ مجھے چند دن کیلئے گجرات اس جگہ جانا پڑ رہا ہے جہاں شہنشاہ کے شکم کی آلائشیں دفن کی گئی تھیں۔ نور جہاں وہاں بھی ایک مقبرہ تعمیر کروانا چاہتی ہے۔ وہاں تعمیر کا کام شروع کروا کے ایک نگران مقرر کر کے میں واپس آ جاؤں گا۔ میں آج شام کو روانہ ہو جاؤں گا۔

رستم خاں کے ان الفاظ پر تھوڑی دیر اداس لہجہ میں سمترا نے اس کی طرف دیکھا' پھر کہنے لگی۔

میری آپ سے التماس ہے کہ زیادہ دیر نہ لگائیے گا' جلد لوٹ آئیے گا اور اگر آپ اجازت دیں تو میں ماتا پتا کو بھی یہیں بلا لوں۔ رستم خاں نے جب اس سے اتفاق کیا تو تب سمترا ہی نہیں رتن کماری اور پورن بھی خوش ہو گئی تھیں' پھر رتن کماری رستم خاں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

آپ دونوں میاں بیوی بیٹھیں میں اور پورن جاتی ہیں' کھانا تیار کرتی ہیں۔ آپ کیلئے زدراہ بھی بناتی ہیں' اس لئے کہ آپ نے کوچ کرنا ہے۔

اس کے ساتھ ہی رتن نے مخصوص اشارہ پورن کو کیا' جس پر پورن اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی اور دونوں باہر نکل گئیں۔ اسی روز رستم خاں لاہور سے گجرات کی طرف کوچ کر گیا تھا۔

✧ ✧ ✧

جہانگیر کا جو مقبرہ گجرات میں تعمیر کیا گیا تھا اس مقبرے اور اس میں شہنشاہ جہانگیر کی تدفین ان امور میں بھی ہوتی ہے کہ کشمیر میں آمدورفت کے وقت جہانگیر کی سواری کا واحد

راستہ ہمیشہ یہی رہا۔ گجرات سے بھمبر اور وادی تک پڑاؤ کے نشانات اب بھی موجود ہیں' جو نہایت خستہ حالت میں ہیں۔

لاہور میں تجہیز و تدفین سے فراغت پانے کے بعد نور جہاں کا اولین فرمان گجرات میں مقبرہ تعمیر کے متعلق تھا۔ گجرات کا مقبرہ چھ ماہ کی قلیل مدت میں تعمیر کیا گیا' جس کی ساخت نقش و نگار میں مغل فن تعمیر میں نمایاں ہیں۔ مقبرے کے ساتھ کافی زمین وقف کر دی گئی تھی۔ نگران عملے کی رہائش کیلئے مکانات تعمیر کر دیئے گئے تھے۔ گو ان مکانات کا اب نام و نشان نہیں لیکن مقبرے کے ساتھ چھوٹی سی بارہ دری اور معمولی سا باغ اب تک موجود ہے۔ یہاں ایک چھوٹی سی نہر بھی تھی' جو خشک ہو چکی ہے۔

گجرات میں شہنشاہ جہانگیر کے مزار کے مجاور اور کچھ مؤرخین اس حقیقت کو تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں کہ یہ مزار شہنشاہ جہانگیر کا ہے۔ ان کے مطابق شاہ جہانگیر اورنگزیب عالمگیر کے زمانے کے ایک صوفی بزرگ تھے۔ انہوں نے ہجری 1299ء کے بمطابق سن 1819 میں وفات پائی۔

شیر شاہ اور محکم شاہ نے اس مقبرہ کو تعمیر کرایا' مگر دلچسپ بات یہ ہے اورنگزیب عالمگیر کے دور اقتدار کی ابتداء 1658ء سے ہوتی ہے۔ ادھر صوفی شاہ جہانگیر کا سن وفات 1849ء بتایا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے شاہ جہانگیر کی عمر کم از کم ایک 180 برس ہوئی' مگر موجودہ کتبہ کے مطابق اس نے صرف 85 برس کی عمر میں وفات پائی۔

دوسری طرف مقبرے کی تعمیر میں جو سامان استعمال کیا گیا ہے وہ کسی طرح بھی 1849ء میں مستعمل نہیں تھا۔ مثلاً اینٹیں ان کی ساخت اور ڈیزائن وغیرہ مقبرے کے ساتھ ایک سرائے ہے۔ ایک چھوٹی سی مسجد اور چاروں طرف فصیل نما چار دیواری کھنچی ہوئی تھی' جو مقبرہ جہانگیر لاہور کی فصیل سے مشابہ تھی۔

یہ بات بھی غور طلب ہے کہ اگر فی الواقع شاہ جہانگیر کوئی بزرگ تھے یقیناً ان کا شمار اپنے وقت کے نمایاں بزرگوں میں ہوتا ہوگا اور اسی وجہ سے ان کی وفات کے بعد یہ اہمیت دی گئی ان کا مقبرہ تعمیر کر دیا گیا اور ساتھ وقف اراضی کا اہتمام بھی کیا گیا۔ لیکن شاہ جہانگیر کے نام کے ایک بزرگ کے بارے میں پرانے نسخوں میں کوئی حوالہ ہی نہیں ملتا۔

اس ضمن میں ایک دلچسپ بات اور ہے کہ مقبرہ کی چار دیواری اور صدر دروازے کے

بالکل قریب ایک اور احاطہ ہے۔ اس میں سات بلند چبوترے ہیں۔ ہر چبوترے میں ایک فوجی افسر دفن ہے۔ روایت ہے کہ یہ لوگ اس وقت مارے گئے تھے جب گجرات میں فروری کے مہینے میں 1849ء کی بغاوت کا آغاز ہوا تھا۔ ہر چبوترے پر ایک کتبہ ہے جو سنگ سفید پر کندہ کرایا گیا ہے۔ اس کا مضمون اس نوعیت کا ہے شہید لیفٹیننٹ یا میجر جو 21 فروری 1849ء کو گجرات کی بغاوت میں مارے گئے' ان کا جسم یہاں دفن ہے۔

ہر کتبہ کے نیچے خطاط کا نام کھیا لال دہلی لکھا ہے۔ دراصل اس مقام پر بغاوت کے وقت انگریز فوج نے باقاعدہ کیمپ لگایا تھا اور اس مقبرے کو قلعے کی حیثیت سے استعمال کیا تھا۔ اس بغاوت کے پہلے دن ہی جو انگریز افسر مارے گئے انہیں وہاں دفن کر دیا گیا۔ لیکن مجاوروں کا کہنا ہے کہ صوفی شاہ جہانگیر نے ان انگریزوں کو بددعا دی تھی اور وہ یہاں پہنچ کر ہلاک ہوگئے تھے۔

لطف یہ ہے کہ ایک طرف اورنگزیب عالمگیر کے زمانے کی بات کی جاتی ہے تو دوسری طرف گجرات کی بغاوت کے دور کی' پھر اسی سن میں شاہ جہانگیر خود وفات پا جاتے ہیں۔ اگر ان کا مقبرہ پونے دوسو سال پہلے کی تیار کردہ اینٹ تعمیر ہوتا ہے لیکن چند ماہ قبل ہلاک ہونے والے انگریز فوجی افسروں کی قبریں اسی مقبرہ کی دیوار کے زیر سایہ دوسری اینٹوں سے تعمیر کی جاتی ہیں۔

دراصل یہی وہ پے در پے تضاد ہے جو اس امر کا یقین دلاتا ہے کہ شاہ جہانگیر نامی کوئی بزرگ نہ تھے اور نہ ہی ان کا کوئی مقبرہ موجود ہے۔

درحقیقت یہ مقبرہ شہنشاہ جہانگیر ہی کا ہے' جس کے بارے میں معلومات بعض فرامین اور نسخوں سے اوجھل رہنے کے باعث حاصل نہ ہوسکی۔

گجرات میں شہنشاہ جہانگیر کے دوسرے مدفن کے زیرعنوان 12 جولائی 1959ء کے ہفت روزہ لیل ونہار لاہور میں ایک مضمون شائع ہوا تھا۔ اس سلسلہ میں روایت پر تکیہ نہیں کیا گیا بلکہ بعض نادر مضامین اور قدیم مشاہدہ کو بنیاد بنایا گیا تھا۔ ایک قدیم دستاویز کچھ مؤرخین کے مطابق گجرات کے ایک صاحب کرامت حسین کے پاس دیکھی' جواب بھی باقی ہے۔ اسی ہی دستاویز کی مدد سے شہنشاہ جہانگیر کی اصل جائے وفات کا سراغ ملتا ہے۔ اس کے علاوہ گجرات کے ان صاحب کے پاس بہت سی دیگر نادر ونایاب دستاویزات بھی موجود ہیں۔

بہرحال جہانگیر کی وفات کے بعد اکتوبر 1627ء میں جہانگیر کی جگہ نور جہاں نے اپنے داماد اور جہانگیر کے بیٹے شہریار کی تخت نشینی کا منصوبہ بنایا۔ نور جہاں کا خیال یہ تھا کہ تخت نشینی کے بعد شہریار اس کے آلہ کار کی حیثیت سے حکومت کرتا رہے گا لیکن نور جہاں کا بھائی آصف خاں اب اپنی بہن نور جہاں کا ساتھ چھوڑ کر اپنے داماد شاہ جہاں کو تخت پر دیکھنا چاہتا تھا۔

اس طرح تاج وتخت حاصل کرنے میں نور جہاں اور اس کے بھائی آصف خاں کے درمیان ایک طرح کی رسہ کشی شروع ہوگئی تھی اور اس کشمکش میں کامیاب آصف ہی رہا۔

یہ کامیابی انسانی خون کی قیمت پر حاصل ہوسکتی تھی۔ کیونکہ ملک خانہ جنگی کا شکار ہوگیا تھا۔ اس کشمکش میں شاہی خاندان کے بہت سے شہزادوں اور ان کے حامیوں کو نہایت بے دردی کے ساتھ موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

کہا جاتا ہے کہ اس خونی المیہ کو دیکھ کر حرم کی بہت ایسی خواتین نے جن کا تعلق شاہی خاندان سے تھا' اپنی زندگی کا خاتمہ کرلیا تھا۔ اب ہندوستان کی تخت نشینی کیلئے تین افراد میں تگ ودو شروع ہوگئی تھی۔ ایک شاہ جہاں' دوسرا شہریار اور تیسرا خاں جہاں' جو اس وقت گجرات میں قیام کئے ہوئے تھا۔ لیکن ان تینوں میں شاہ جہاں یعنی خرم لوگوں کے اندر سب سے زیادہ مقبول اور پسندیدہ تھا۔

شاہ جہاں 1552ء کو اپنے دادا اکبر ہی کی زندگی میں ایک راجپوت خاتون جگن گوسائیں کے بطن سے پیدا ہوا' وہ جہانگیر کا تیسرا بیٹا تھا۔ جگن گوسائیں مارواڑ کے راجہ اودے سنگھ کی بیٹی تھی۔ اکبر کو شاہ جہاں سے بچپن سے ہی بہت محبت تھی۔ اس کے خیال میں وہ جہانگیر کے تینوں بیٹوں میں سب سے زیادہ ذہین اور عقل مند تھا۔ یہ بات درست بھی ہے۔ خرم نے بہت جلد تعلیم حاصل کی اور دوران تعلیم قدم قدم پر اپنی ذہانت کا ثبوت فراہم کیا۔

قدرت کی طرف سے اس کے مضبوط قوت ارادی اور اعلیٰ کردار سے نوازا گیا تھا۔

دوسرے شہزادے ناؤنوش میں مصروف رہتے تھے۔ لیکن اس نے شراب سے ہمیشہ اجتناب کیا۔ شہزادہ خسرو شہنشاہ کا ایک اعتماد کھو چکا تھا۔ پرویز ایک ضدی اور صلاحیتوں سے عاری شہزادہ تھا۔ چنانچہ برصغیر پر حکمرانی کیلئے بطور وارث سب کی نظریں خرم پر ہی جمی ہوئی تھیں۔

جہانگیر کا اپنا بھی رجحان شاہ جہاں کی طرف تھا۔ اس بنا پر جہانگیر نے اپنی زندگی میں 1607ء کو خرم کا منصب آٹھ ہزار تک بڑھا دیا۔ ایک سال بعد حصا فیروزہ کی سرکار اس کے سپرد کردی

گئی تھی۔ تین سال بعد اس کے منصب میں ترقی کر کے دس ہزار سوار اس کے ماتحت کیے گئے تھے۔ سن بلوغت کو پہنچتے ہی اس کی شادی نور جہاں کی بھتیجی اور آصف خاں کی بیٹی ارجمند بانو سے کر دی گئی۔ اور پھر اسے شاہ جہاں کا لقب عطا کیا گیا۔ یہ لقب محدود چند لوگوں کو ملا' جس سے بادشاہت کا مقصد اپنی خوشنودی کا اظہار ہوتا کرتا تھا۔ چنانچہ یہ منصب ملنے کے بعد خرم یعنی شاہ جہاں ایک کامیاب سالار ثابت ہوا۔ اس نے راجپوتوں کے خلاف میواڑ کی مہم میں کامیابی حاصل کی تو جہانگیر نے اسی مہم سے خوش ہو کر اسے شاہ جہاں کے خطاب سے نوازا تھا اور دربار میں بھی اپنے تخت کے قریب نشست عطا کی تھی۔ اس طرح شاہ جہاں اپنے باپ کے دل میں گھر کرتا چلا گیا تھا۔

لیکن شاہ جہاں کی روز افزوں مقبولیت نے بعض حلقوں کو اپنا دشمن بنا لیا تھا۔ چنانچہ شاہ جہاں کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ نور جہاں اپنے داماد شہریار کو تخت نشینی کرانا چاہتی تھی۔ اس کا واضح مطلب تخت سے شاہ جہاں کی محرومی تھا۔ چنانچہ جب شاہ جہاں کو نور جہاں کے ان ارادوں کا علم ہوا تو اس نے قندھار جانے سے انکار کرتے ہوئے کھلم کھلا بغاوت کر دی۔ کیونکہ جہانگیر شاہ جہاں کو اپنے بیٹوں پر ترجیح دیتا تھا بلکہ قلبی طور پر بھی اس کے نزدیک تھا۔

لہٰذا اسے شاہ جہاں کے اس اقدام سے سخت رنج ہوا۔ بغاوت کے نتیجہ میں شاہی افواج کے ساتھ جو جنگ ہوئی شاہ جہاں اس کی تاب نہ لا سکا' کیونکہ وہ وسائل کی کمی اور محدود ساتھیوں کے ساتھ زیادہ عرصہ تک شاہی افواج سے مقابلہ نہ کر سکا۔ آخر اس نے جہانگیر سے معافی مانگ لی۔

جہانگیر کی وفات کے بعد سلطنت اور مملکت کے اندر ایک عجیب ہلچل برپا ہو گئی تھی۔ جہانگیر کی وفات کے بعد نور جہاں نے اپنے داماد شہریار کے نام اور اس کے بھائی آصف خاں نے اپنے داماد شاہ جہاں کے نام پیغامات روانہ کیے کہ تخت و تاج کا مالک اور مملکت کا سربراہ ہونے کا اعلان کر دیں۔

سب سے پہلے شہریار حرکت میں آیا۔ اس نے ہندوستان کا شہنشاہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ نیز اس نے لاہور کے خزانہ پر بھی قبضہ کر لیا۔ شہریار نے اس خزانہ کے بل پر لوگوں کو بھاری رشوتیں دیں تاکہ ان کی حمایت حاصل کر سکیں۔ علاوہ ازیں اسی نے جنگ کی صورت میں لشکر کی ضرورت کے پیش نظر اس میں اضافہ کیا۔ اس نے اپنے لشکر کا سپہ سالار اپنے چچا

زاد بھائی داور بخش کو بنا دیا۔

لیکن شہریار یہ نہیں جانتا تھا کہ اس کے مقابلے میں شاہ جہاں کا سسر آصف خاں بھی بڑی تیزی سے حرکت میں آیا ہوا تھا اور اس نے بھی ایک خاصا بڑا لشکر جمع کر لیا تھا اور اس سلسلے میں اس کی مدد کیلئے ایک لشکر شاہ جہاں کی طرف سے بھی پہنچ گیا تھا۔

چنانچہ آصف خاں کو شہریار کی عجلت میں بھرتی کی ہوئی اس فوج کو شکست دینے میں زیادہ دقت کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ شہریار کے لشکر سے آصف خاں کی مڈبھیڑ لاہور کے راستے میں ہوئی۔ شہریار نے اپنی شکست کی اطلاع پا کر روپوش ہونے کی کوشش کی' مگر اسے گرفتار کرنے کے بعد جیل بھیج دیا گیا۔ بعد ازاں اسے بینائی سے محروم کر دیا گیا۔

دوسری طرف آصف خاں کا خاص پیغام 20 دن میں دکن پہنچا اور اس نے شاہ جہاں کو بنگال مہم سے باز رہنے کو کہا اور آگرہ پہنچنے کی ہدایت کی۔

اس کے علاوہ تخت و تاج کا ایک تیسرا امیدوار بھی حرکت میں آ چکا تھا۔ وہ خاں جہاں تھا' وہ مارواڑ سے ہوتا ہوا آگرہ پہنچا' جہاں اس نے ہندوستان کا شہنشاہ ہونے کا اعلان کر دیا اور آگرہ میں اسے شہنشاہ تسلیم بھی کر لیا گیا۔ چنانچہ شہنشاہ بننے کے بعد خاں جہاں نے شاہ جہاں کے سسر آصف خاں کو یہ بھی حکم دیا کہ تخت کے ہر ممکنہ دعویدار کو ختم کر دیا جائے۔ چنانچہ اس حکم کے تحت داور بخش اور شہریار خسرو کے بیٹے اور دانیال کے دو بیٹے بیٹوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

شاہ جہاں کا ساتھ نہ صرف آصف خاں اور مہابت خاں دے رہے تھے بلکہ اس کے دیگر تمام سالاروں اور احرام کا بھی مکمل تعاون حاصل تھا۔ علاوہ ازیں خود شاہ جہاں میں بھرپور صلاحیت موجود تھی اور اپنی ماں اور دادی کے ناطے اس نے راجپوتوں کا تعاون بھی حاصل کر لیا تھا۔ اس کے مقابلے میں خاں جہاں کا خیال یہ تھا کہ شہریار یا داور بخش میں سے کوئی ایک تخت نشینی میں کامیابی حاصل کرے گا' مگر جب شاہ جہاں نے آگرہ کی طرف پیش قدمی شروع کی تو خاں جہاں نے برہان پور میں اپنے صدر مقام پر کچھ توپ خانہ چھوڑا اور مانڈو پر قبضہ کرنے کیلئے روانہ ہو گیا۔

جونہی اسے یہ اطلاع ملی کہ شاہ جہاں اجمیر پہنچ گیا ہے تو خان جہاں کے ساتھ جو اس کے ہندو لشکری تھے وہ اس کا ساتھ چھوڑ گئے اور شاہ جہاں سے ملے اور شاہ جہاں کی نہ صرف

اطاعت قبول کر لی بلکہ شاہ جہاں سے معافی مانگ لی۔ چنانچہ شاہ جہاں نے انہیں معاف کر دیا اور خاں جہاں کی بد قسمتی کہ بعد میں وہ خود بھی شاہ جہاں کی خدمت میں حاضر ہوا اور شاہ جہاں سے اپنے رویے کی معافی طلب کر دی۔ شاہ جہاں نے اسے دکن کا حاکم مقرر کیا اور اسے حکم دیا کہ وہ برہان پور کی طرف چلا جائے۔ چنانچہ خاں جہاں برہان پور کی طرف روانہ ہو گیا۔

اب شاہ جہاں کے سامنے کوئی اور تخت و تاج کا دعویدار نہیں تھا۔

شاہ جہاں نے تخت نشین ہوتے ہی تمام بدعتوں کا خاتمہ کرنے کیلئے قانون شریعت کی ترویج شروع کر دی۔ کیونکہ اکبر ہی کے وقت میں قانون شریعت ملک سے محروم ہو چکا تھا۔ سب سے پہلے شاہی حکومت کے تحت شمسی سن ختم کر کے قمری سن استعمال کرنے کی ہدایت دی گئی اور تمام سرکاری' غیر سرکاری تقاریب کا ریکارڈ قمری مہینوں اور تاریخوں کے اعتبار سے مرتب کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔

اکبر اور جہانگیر دور حکومت میں جو سجدہ کی بدعت موجود رہی تھی فوراً منسوخ کر دی گئی۔ کیونکہ شاہ جہاں ایک مسلمان کی حیثیت سے بجا طور پر یہ سمجھتا تھا خدا کے سوا کسی اور کو سجدہ شرک ہے۔ اس موقع پر مہابت خاں' خان خاناں نے تجویز پیش کی کہ سجدہ کی جگہ زمین بوسی کو رواج دیا جائے کیونکہ رعایا اور حکمران کے درمیان تفریق قائم رکھنا' بہرحال ضروری تھا شاہ جہاں نے زمین بوسی کی اجازت نہ دی۔ البتہ دربار میں حاضری کے وقت ایک ہاتھ زمین سے چھو کر اس کے ہاتھ کو چومنے کا حکم دیا۔

لیکن کچھ ہی عرصہ بعد اس نے محسوس کیا کہ بادشاہ کی عزت کا یہ انداز یعنی زمین بوسی اور سجدہ سے مشابہ ہے۔ لہٰذا اس نے اسے بھی منسوخ کر دیا اور صرف چہار تسلیم کو ترویج دی۔ یہ چہار دراصل کمر کو ہلکا سا خم دے کر ہاتھ سے آداب بجا لانے کا طریقہ تھا۔ ہر آنے والے کو چار بار یہ تسلیم بجا لانا پڑتا تھا۔ اسی بنا پر اسے چہار تسلیم کا نام دیا گیا تھا۔

✧ ✧ ✧

رستم خاں نے چند روز ہی گجرات میں جہانگیر کے مقبرے کی تعمیر کی نگرانی کا کام دیا تھا کہ شاہ جہاں کی طرف سے اسے پیغام ملا کہ وہ فوراً آگرہ پہنچے چنانچہ رستم خاں گجرات سے لاہور پہنچا۔ دو دن اس نے لاہور میں زمان خان کے ہاں قیام کیا۔ اس کے بعد سمترا کو پورن اور رتن کماری کے پاس ہی چھوڑ کر بڑی تیزی سے وہ آگرہ کی طرف بڑھا تھا۔ دوسری طرف تخت نشین ہونے کے بعد شاہ جہاں نے نور جہاں اور اس کی بیٹی لاڈلی بیگم کو بھی آگرہ میں طلب کر لیا تھا۔

وہ دونوں ماں بیٹی پریشان تھیں کہ نہ جانے شاہ جہاں اب ان دونوں کے ساتھ کس قسم کا اور کس طرح کا شدت آمیز سلوک کرے گا۔

چنانچہ جس روز رستم خاں آگرہ پہنچا اسی روز شاہ جہاں نے اسے قصر میں طلب کر لیا تھا۔

قصر میں داخل ہونے کے بعد رستم خاں نے شاہ جہاں کو تخت نشین ہونے اور ہندوستان کا شہنشاہ بننے پر دلی مبارکباد دی۔ اس موقع پر شاہ جہاں نے اسے دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا' اپنی جگہ سے اٹھ کر رستم خاں کو گلے لگا کر ملا اور پھر اپنی قریبی نشست پر بٹھایا۔

کچھ دیر خاموشی کے بعد آخر گفتگو کا آغاز ہوا۔ شاہ جہاں نے رستم خاں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"رستم خاں گو تم دکن سے کابل کی طرف چلے گئے تھے' پھر میرے والد محترم کے ساتھ رہے۔ لیکن وہاں رہتے ہوئے بھی تم نے میرے مفادات کا خیال رکھا۔ تم نے کئی مواقع پر مسلح حالت میں بھی میری طرف داری کی۔ شہریار کے خلاف جو تم نے کام کیا ہے اس کی تفصیل مجھے آصف خاں تفصیل سے بتا چکا ہے۔ آصف خاں کا کہنا ہے کہ شہریار کے مقابلے میں رستم

خاں مدد نہ کرتا تو یقیناً شہر یار آصف خاں کو شکست دینے میں کامیاب ہو جاتا۔ آصف خاں نے اس بات کو بھی تسلیم کیا۔ ہے کہ شہنشاہ کے محافظ دستوں کے سالار کی حیثیت سے ان سارے دستوں نے تمہاری اطاعت قبول کی اور ان کے ساتھ ہی تم نے شہر یار کے خلاف آصف خان کی مدد کی اور اس طرح آصف خاں شہر یار کو زیر کرنے میں کامیاب ہوا۔ اس طرح آصف خاں کی مدد کر کے تم نے میرے لئے ہندوستان کا تاج و تخت حاصل کرنے میں راستہ صاف کیا۔"

یہاں تک کہنے کے بعد شاہ جہاں رکا' پھر کس قدر موضوع بدلتے ہوئے کہنے لگا۔

"مجھے بتایا گیا ہے کہ تمہاری بیوی سمترا نے لاہور ہی قیام کیا ہوا ہے۔ اس لئے کہ اس کے ہاں بچے کی پیدائش کی امید ہے۔ مجھے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ سمترا کے ماں باپ اور اس کا بھائی بھی آگرہ سے لاہور کی طرف روانہ ہو گئے ہیں۔"

اس پر غور سے شاہ جہاں کی طرف دیکھتے ہوئے رستم خاں کہنے لگا۔

"سمترا کے ماں باپ اور بھائی کے لاہور کی طرف روانہ ہونے کی خبر مجھے نہیں ملی' اس لئے کہ جس وقت میں لاہور سے روانہ ہوا تھا اس وقت تک وہ سمترا کے پاس نہیں پہنچے تھے۔"

شاہ جہاں نے پھر کچھ سوچا' اس کے بعد بڑے غور سے سمترا کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"رستم خاں میں نے لاہور سے نور جہاں اور اس کی بیٹی لاڈلی بیگم کو بھی بلایا ہے۔ میں تم سے تمہارے خیالات' تمہارے نظریات جاننا چاہتا ہوں۔ تمہارے خیال میں مجھے اس سے کیسا سلوک کرنا چاہئے۔"

اس موقع پر ہلکا سا تبسم رستم خاں کے چہرے پر نمودار ہوا' پھر وہ کہنے لگا۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ نور جہاں نے کئی مواقع پر ہمارے خلاف کام کیا۔ لیکن وہ آپ کی سوتیلی ماں اور شہنشاہ باپ کی بیوی رہی ہے۔ اس لحاظ سے ہمارے لئے وہ قابل احترام اور لائق عزت ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں اس کے خلاف کسی بھی قسم کی کوئی تادیبی کارروائی نہیں کرنی چاہئے۔ اس نے اپنے دن رات شہنشاہ جہانگیر کے مقبرے کی تعمیر کیلئے وقف کر دیئے ہیں' جس وقت شہنشاہ بھمبر اور گجرات کے راستے لاہور کا رخ کئے ہوئے تھے اور راستے ہی میں وہ وفات پا گئے تھے اور ان کے شکم کا مواد گجرات مشرق میں دفن کر دیا گیا تھا۔ وہاں بھی مقبرے کی تعمیر کا کام شروع ہو چکا ہے اور اس مقبرے کی تعمیر شروع کرنے کیلئے

نور جہاں نے مجھے ہی گجرات بھیجا تھا اور آپ کا پیغام مجھے گجرات ہی میں ملا تھا۔ میں چاہتا ہوں وہ جو کام کرنا چاہتی ہے اسے وہ کام مکمل کرنے دیا جائے بلکہ میں یہ بھی کہوں گا کہ آپ فراخ دلی سے کام لیتے ہوئے اس سلسلے میں نور جہاں کی مدد بھی کریں تا کہ وہ لاہور اور گجرات میں شہنشاہ کے زیر تعمیر مقبروں کی تکمیل کر سکیں۔"

رستم خاں جب خاموش ہوا تو تب جہاں شاہ بولا اور کہنے لگا۔

"رستم خاں تم نے اپنے خیالات کا اظہار کر کے میرا دل خوش کر دیا ہے۔ میں خود نور جہاں اور اس کی بیٹی لاڈلی بیگم کے خلاف کسی قسم کی کوئی کارروائی نہیں کرنا چاہتا۔" یہاں تک کہتے کہتے شاہ جہاں کو رک جانا پڑا' اس لئے کہ اس کے چوبدار نے اطلاع دی کہ نور جہاں اور اس کی بیٹی لاڈلی بیگم دونوں ملاقات کیلئے حاضر ہیں۔

اس موقع پر شاہ جہاں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ قصر کے جس کمرے میں بیٹھا ہوا تھا اس کے دروازے کی طرف بڑھا۔ رستم خاں اس کے پیچھے تھا۔ شاہ جہاں جب باہر آیا تو اس کے دروازے کے قریب ہی نور جہاں اور اس کی بیٹی لاڈلی بیگم کھڑی تھیں۔ شاہ جہاں انہیں بڑے احترام کے ساتھ اس کمرے میں لے گیا۔ اس موقع پر نور جہاں اس کی بیٹی لاڈلی بیگم کو کسی قدر اطمینان و طمانیت ہوئی' اس لئے کہ وہ دیکھ رہی تھیں کہ رستم خاں بھی وہیں ہے۔ لہٰذا انہیں امید تھی کہ رستم خاں ان کے خلاف کوئی تادیبی کارروائی نہیں ہونے دے گا۔

شاہ جہاں نے بڑے احترام سے ماں بیٹی کو ایک جگہ بٹھایا۔ دوسری طرف رستم خاں کو بیٹھنے کیلئے کہا۔ وہ اپنی نشست پر ہو بیٹھا' کچھ دیر خاموشی رہی۔ یہاں تک کہ شاہ جہاں نے نور جہاں کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"آپ میری ماں کی جگہ ہیں' اس سے پہلے جو ہم دونوں کے دلوں میں کدورتیں تھیں وہ ہمیں بالکل صاف کر دینی چاہئیں۔ مملکت میں جس طرح پہلے آپ کی عزت تھی وہی بحال اور برقرار رہے گی۔ لیکن میری آپ سے صرف یہ گزارش ہے کہ آج کے بعد آپ کسی سیاست میں حصہ نہیں لیں گی۔ میں یہ بھی چاہوں گا کہ آپ دونوں ماں بیٹی لاہور جائیں' وہیں اپنا قیام رکھیں اور لاہور اور گجرات میں جو آپ نے شہنشاہ کے دو مقبروں کی تعمیر کا کام شروع کیا ہوا ہے اسے پایہ تکمیل تک پہنچائیں اور اس تعمیر کے سلسلے میں جس قدر بھی رقم کی بھی آپ کو ضرورت ہوگی وہ میں آپ کو مہیا کروں گا۔ آپ کو اس سلسلے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں

ہے۔''

''رستم خاں بھی آج ہی یہاں پہنچا ہے۔ اس کی بیوی سمترا ابھی لاہور میں ہے۔ میں اسے لاہور کے ناظم کی حیثیت سے بھیج رہا ہوں۔ یہ لاہور ہی میں قیام رکھے گا اور وہاں کے حالات درست کرنے میں مجھے امید ہے کہ یہ میرا بہترین مددگار ثابت ہوگا۔ اس کے علاوہ مغرب کی طرف سے اگر کسی نے لاہور جیسے بڑے شہر کو اپنا ہدف بنانے کی کوشش کی تو وہاں رہتے ہوئے رستم خاں بڑی مہارت کے ساتھ لاہور میں قیام کرنے والے لشکر کو حرکت میں لائے گا اور لاہور شہر کے علاوہ ہمارے مغربی علاقوں کا خوب دفاع کرے گا۔''

شاہ جہاں کے یہ الفاظ سن کر نور جہاں اور اس کی بیٹی لاڈلی بیگم دونوں خوش ہوگئی تھیں پھر نور جہاں اور لاڈلی بیگم کی طرف دیکھتے ہوئے شاہ جہاں کہنے لگا۔

''آپ دونوں ماں بیٹی کا قیام قصر کے اسی حصے میں ہوگا جس حصے میں پہلے آپ دونوں ماں بیٹی رہا کرتی تھیں۔ آپ جتنے دن بھی یہاں رہنا چاہیں آپ دونوں ماں بیٹی کو اس کی اجازت ہے۔ رستم خاں بھی چند روز یہاں رہے گا۔ اس دوران میں اس کے ذمے بہت سے کام لگانا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد یہ لاہور کی طرف روانہ ہوجائے گا۔''

یہاں تک کہنے کے بعد شاہ جہاں خاموش ہوا' تب نور جہاں پہلی بار بولی اور شاہ جہاں کو مخاطب کرکے کہنے لگی۔

''کیا آپ بتا سکیں گے کہ رستم خاں یہاں کتنے دن قیام کرے گا۔''

اس پر شاہ جہاں نے کچھ سوچا' پھر کہنے لگا۔

''میرا اندازہ ہے کہ یہ ایک ہفتہ قیام کرنے کے بعد لاہور کی طرف روانہ ہوسکے گا۔''

''کیا ایسا ممکن نہیں کہ رستم خاں کے ساتھ ہم دونوں ماں بیٹی بھی لاہور کی طرف کوچ کرجائیں۔'' نور جہاں نے پھر مطمئن انداز میں اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔

جواب میں شاہ جہاں نے کچھ سوچا' پھر کہنے لگا۔

''اگر آپ رستم خاں کے ساتھ لاہور جانا پسند کریں تو اس میں میری بھی خوشنودی ہوگی' اس لئے کہ رستم خاں کے ساتھ چند دستے بھی یہاں آئے ہیں اور وہ دستے اس کے ساتھ واپس لاہور جائیں گے۔ ان دستوں کے اہلخانہ بھی اس کے ساتھ ہوں گے۔ لہٰذا آپ دونوں ماں بیٹی اس کے ساتھ ہی روانہ ہوجائیں۔ آپ لوگوں کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی مغلپورہ میں

ایک حویلی آپ دونوں ماں بیٹی کیلئے اور ایک رستم خاں اور اس کی بیوی کیلئے مختص کردی جائے گی۔ جہاں آپ لوگ اپنا قیام رکھیں گے شہنشاہ کے مقبروں کی تعمیر کے سلسلے میں رستم خاں مجھے مطلع کرتا رہے گا اور تعمیر کے سلسلے میں جس قدر رقم کی ضرورت آپ کو ہوئی اس کی اطلاع آپ رستم خاں کو کریں۔ اول تو رستم خاں وہ رقم آپ کو لاہور ہی سے مہیا کردیا کرے گا اور اگر زیادہ رقم کی ضرورت پڑ گئی تو رقم آگرہ سے بھی بھیجی جاسکتی ہے۔ اس سلسلے میں کسی قسم کی کوئی پریشانی محسوس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

شاہ جہاں کے کہنے پر رستم خاں کو آگرہ میں ایک ہفتے کے بجائے دو ہفتوں سے بھی زیادہ قیام کرنا پڑ گیا۔ اس لئے کہ شاہ جہاں اپنے لشکر کے اندر نئے سالاروں کے تقرر کے سلسلے میں رستم خاں سے صلاح مشورہ کرتا رہا تھا۔ جب اسے آگرہ میں دو ہفتوں سے زیادہ وقت گزر گیا تب ایک روز اس وقت ایک قاصد آگرہ میں داخل ہوا' جس وقت رستم خاں شاہ جہاں کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور نئے سالاروں کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔

جب قاصد کے آنے کی اطلاع شاہ جہاں کو دی گئی تو قاصد کو فوراً شاہ جہاں نے اندر بلا لیا۔ قاصد جب شاہ جہاں کے سامنے پیش ہوا تب اس نے ایک اداس اور ہمدردی بھری نگاہ رستم خاں پر ڈالی' کچھ کہنا چاہتا تھا کہ شاہ جہاں نے اسے مخاطب کیا۔

''مجھے بتایا گیا ہے کہ تم لاہور سے آئے ہو' بولو کیا خبر لے کر آئے ہو۔''

اس پر قاصد نے پھر ایک نگاہ رستم خاں پر ڈالی اور اس کے بعد شاہ جہاں کو مخاطب کرکے کہنے لگا۔

''شہنشاہ محترم! میں ایک بری خبر لے کر آیا ہوں۔ رستم خاں کے ہاں بیٹے کی پیدائش ہوئی ہے۔ بیٹا تو زندہ ہے لیکن رستم خاں کی بیوی سمترا انتقال کرچکی ہے۔'' یہ خبر سن کر رستم خاں ایک طرح سے بوکھلانے کے انداز میں اپنی جگہ پر اچھل پڑا تھا۔ اس کی اس کیفیت کو شاہ جہاں نے بھی بھانپ لیا تھا۔ کچھ دیر تک بڑی ہمدردی میں شاہ جہاں رستم خاں کی طرف دیکھتا رہا' پھر رستم خاں کو مخاطب کرکے کہنے لگا۔

''بیٹے اپنی بیوی کے مرنے اور اس کی جدائی کو اپنے دل کا روگ نہ بنانا۔ زندگی اور موت خداوند قدوس کے ہاتھ میں ہے' جسے چاہتا ہے طویل زندگی دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے عالم شباب میں ہی بلا لیتا ہے۔ تم اپنی تیاری مکمل کرو تمہاری ان مسلح دستوں کے ساتھ لاہور کی

طرف روانہ ہو جاؤ' جو دستے تمہارے ساتھ آئے ہیں۔ اس سلسلے میں نور جہاں اور لاڈلی بیگم کو بھی میں اطلاع کر دیتا ہوں۔ وہ بھی آج تمہارے ساتھ کوچ کر جائیں گی۔ بچے میں ایک بار پھر تم سے اظہار ہمدردی کرتا ہوں۔ وہاں پہنچ کر حالات کا جائزہ لینا۔ ہاں مجھے ایک بات اور یاد آئی مجھے بتایا گیا ہے کہ مشہور مغنیہ پورن نے بھی لاہور میں قیام کر رکھا ہے۔ اس کا بھی خیال رکھنا۔"

قصر کے اس کمرے میں تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ یہاں تک کہ شاہ جہاں اٹھا رستم خاں کو گلے لگا کر ملا' پھر کہنے لگا۔

"اب تم اپنی تیاری کرو اور کوچ کر جاؤ۔"

اس کے ساتھ ہی رستم خاں اس قصر کے کمرے سے نکل گیا تھا اور اسی روز وہ اپنے مسلح دستوں کے علاوہ نور جہاں اور اس کی بیٹی لاڈلی بیگم کے ساتھ آگرہ سے لاہور کی طرف کوچ کر گیا تھا۔

✧ ✧ ✧

رستم خاں ایک روز لاہور کے محلے مغلپورہ میں داخل ہوا۔ لاہور کے دو محلے یعنی مغلپورہ اور مزنگ ایک ہی وقت میں آباد کئے گئے تھے۔ لیکن دونوں شہر کی مختلف اطراف میں تھے۔ محلہ مزنگ ایک ترک شخص عزیز مزنگ کے نام پر بابر کے بیٹے ہمایوں کے عہد میں تعمیر ہوا۔ عزیز مزنگ ہمایوں ہی کے عہد میں کابل سے لاہور آئے۔ مزنگ دراصل ترکوں کی ایک ذات ہے اور عزیز مزنگ نے اپنے ایلخانہ احباب اور دوسرے لوگوں کے ساتھ موجودہ مزنگ کے مقام پر سکونت اختیار کی۔ مغلیہ سلطنت کے اواخر تک کا علاقہ وسعت اور رونق میں دوسرے بہت سے محلوں سے آگے بڑھ گیا تھا' تاہم ابدالی اور سکھوں نے جب پے در پے ملحقہ محلوں پر حملے کئے تو وہاں کے رہائشی بھی مزنگ نام کے اس محلے میں آ کے بسے اور تعداد میں اتنے زیادہ ہو گئے کہ انہیں یہاں پہلے سے آباد کاروں پر سبقت حاصل ہو گئی' جہاں تک مغلپورہ کا تعلق ہے تو مغل اس جنت نظیر علاقے سے آئے تھے جہاں ہر طرف گھنی چھاؤں والے درخت' پھولوں اور پھلوں سے لدے ہوئے سبزہ زار تھے۔ جہاں دریا تھے' ندیاں تھیں' آبشار تھے اور سب سے بڑھ کر کھلا ماحول تھا۔

یہی مغل جب کابل سے ہوتے ہوئے لاہور میں داخل ہوئے تو لاہور میں ہندوؤں کے

بنائے ہوئے گھٹے گھٹے چھوٹے تنگ و تاریک اور تاریکی میں ڈوبے ہوئے مکانوں کا ماحول انہیں پسند نہ آیا اور یہ ماحول یقیناً ان کیلئے ناقابل برداشت بھی تھا۔ چنانچہ مغلوں نے اپنی طبع اور اپنی پسند کے مطابق لاہور شہر کی پناہ گاہ سے دور ایسی عمارات تعمیر کرنا شروع کیں جو نہ صرف وسیع تھیں بلکہ ان کے اردگرد باغات کی بھی گنجائش تھی۔

یوں ہمایوں کے عہد میں لاہور کا محلہ مغلپورہ آباد ہوا۔ یہ وہ وقت تھا کہ جب شہر کا تعمیراتی رقبہ ایک مربع میل بھی نہیں تھا۔ بیرون شہر مزنگ اور مغلپورہ ایک ہی وقت میں آباد ہوئے۔ لیکن یہ امراء رؤسا اعلیٰ عسکری سپہ سالاروں اور بڑے بڑے سوداگروں کے محلات اور باغات پر مشتمل تھے۔ اس لئے اس کی شان و شوکت ان کا ماحول اور ان کی خوبصورتی منفرد تھی۔

بعد کے دور میں جب احمد شاہ ابدالی ان علاقوں پر حملہ آور ہوا تو احمد شاہ ابدالی کو مغلپورہ نام کے محلے سے اتنی دولت حاصل ہوئی کہ اس کے لشکریوں کو اس کا اٹھانا اور سنبھالنا ممکن نہ رہا۔ چنانچہ وہ شہر میں داخل ہوئے بغیر چلا گیا۔

راجہ رنجیت سنگھ کے زمانہ میں سکھوں نے خزانوں اور دفینوں کی تلاش میں ان عمارتوں کی بنیادیں حتیٰ کہ قبرستان تک کھدوا ڈالے۔ آج بھی یہاں تاریخی عمارات کے آثار ملتے ہیں۔

✧ ✧ ✧

مغلپورہ میں رستم خاں نے جب زمان خاں کی حویلی کے دروازے پر دستک دی تب تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا۔ دروازہ کھولنے والا رستم خاں کی بیوی سمترا کا بھائی شنکر ناتھ تھا۔ شنکر ناتھ نے جب دیکھا کہ حویلی کے باہر رستم خاں اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے کھڑا ہے تب وہ بھاگ کر آگے بڑھا اور رستم خاں سے گلے مل کر رونے لگا تھا۔ رستم خاں کی بھی آنکھیں بھیگ چکی تھیں' کچھ دیر ایسا ہی سماں رہا۔ یہاں تک کہ رستم خاں نے شنکر ناتھ کو تسلیم دی۔ شنکر ناتھ کے اس طرح رونے پر سب لوگ حویلی کے صحن میں آ جمع ہوئے تھے۔ ان میں سمترا کا باپ راجہ جگن ناتھ' اس کی ماں سروجنی' رتن کماری' پورن اور زمان خاں سب شامل تھے۔

شنکر ناتھ رستم خاں کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر اصطبل کی طرف لے گیا تھا۔ رستم خاں

آ گے بڑھا' بڑے دل شکن انداز میں سب سے ملا' پھر سب دیوان خانے میں بیٹھ گئے ۔ اس موقع پر گفتگو کا آغاز زمان خاں نے کیا اور رستم خاں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''رستم خاں میرے بھائی لاہور سے تمہاری آگرہ کی روانگی کے چند ہی دن بعد راجہ جگن ناتھ اس کی اہلیہ اور اس کا بیٹا بھی یہاں پہنچ گئے تھے' جس وقت یہ یہاں پہنچے بہت خوش تھے کہ تمہاری بیوی کے ہاں بیٹا پیدا ہوا ہے لیکن سمترا کی طبیعت سنبھل نہ سکی۔ ہم نے بہت علاج کروایا میرے علاوہ راجہ جگن ناتھ ان کی اہلیہ نے بھی بڑی بھاگ دوڑ کی لیکن شاید خداوند قدوس کو یہی منظور تھا۔ اس بنا پر سمترا ہم سب کو چھوڑ کر ہمیشہ کیلئے رخصت ہوگئی۔''

زمان خاں کے یہ الفاظ سن کر سروجنی' راجہ جگن ناتھ' شنکرناتھ تینوں سسک سسک کر رو رہے تھے۔ رتن کماری اور پورن بھی رو رہی تھیں۔ کچھ دیر تک گہری اور کاٹ کھانے والی خاموشی طاری رہی۔ یہاں تک کہ جگن ناتھ کی بیوی سروجنی نے اپنے آپ کو سنبھالا' پھر وہ اٹھ کر دیوان خانے سے نکل گئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوٹی' اس کے دونوں ہاتھوں میں سمترا اور رستم خاں کا بیٹا تھا۔ سروجنی بچے کو رستم خاں کے پاس لے کر آئی۔ رستم خاں نے اس کو اپنے دونوں ہاتھوں لیا اور پیار کیا۔ بچہ چونکہ اس وقت گہری نیند میں سو رہا تھا یہاں تک کہ راجہ جگن ناتھ اپنی پتنی سروجنی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''سروجنی بچے کو وہیں ڈال آؤ' یہ گہری نیند کی حالت میں ہے' کچی نیند اٹھا تو روئے گا۔''

سروجنی نے بچہ کو لے لیا اور دوبارہ اسے اس کے پالنے میں ڈال کر لوٹ آئی تھی۔

اس کے بعد گفتگو کا آغاز جگن ناتھ نے کیا اور رستم خاں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

''رستم خاں میرے لئے دو بڑے دکھ اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ پہلا یہ کہ میری بیٹی ہمیشہ کیلئے ہم سے جدا ہوگئی ہے۔ دوسرا یہ کہ تمہارے ساتھ جو میرا ایک رشتہ تھا سمترا کی وجہ سے جو اس میں گرمجوشی تھی شاید وہ اب باقی نہ رہے۔''

راجہ جگن ناتھ کے ان الفاظ پر رستم خاں چونکا اور کہنے لگا۔

''آپ کس قسم کی باتیں کر رہے ہیں۔ آپ کے ساتھ میرا رشتہ' میرا تعلق' میرا واسطہ میرا رابطہ پہلے جیسا ہی رہے گا۔ اس معاملے میں آپ کیوں فکرمند ہوتے ہیں۔''

رستم خاں کے ان الفاظ پر راجہ جگن ناتھ سروجنی اور شنکرناتھ تینوں خوش ہوئے تھے۔ حتیٰ

کہ جگن ناتھ پھر بولا اٹھا۔

''بیٹے تمہاری آمد سے پہلے میں نے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ سمترا کے بیٹے کو ہم اپنے ساتھ آگرہ لے جائیں گے۔ لیکن رتن کماری اور پورن نہیں مانتیں۔ پورن نے بچے کو گود لے لیا ہے اور اس کا کہنا ہے کہ میں خود اس کو پالوں گی۔ اس بنا پر سروجنی سے مشورہ کرنے کے بعد ہم نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ بچہ پورن کے پاس ہی رہے گا۔ بیٹے اب تمہارا اپنا ارادہ کیا ہے کیا تم واپس آگرہ جاؤ گے۔''

اس پر کچھ سوچتے ہوئے رستم خاں کہنے لگا۔

''میں شاید اب آگرہ نہ جاؤں' اس لئے کہ شاہ جہاں نے مجھے یہاں کی عسکری طاقت اور قوت کا ناظم مقرر کردیا ہے۔ نورجہاں اور اس کی بیٹی لاڈلی بیگم بھی میرے ساتھ یہاں آئی ہیں۔ وہ یہاں قیام کے دوران شہنشاہ جہانگیر کے لاہور اور گجرات دونوں جگہوں کے مقبروں کی تعمیر کو تکمیل کریں گی۔ اس کیلئے جس قدر اخراجات ہوں گے شاہ جہاں نے انہیں پورا کرنے کا حکم دیا ہے۔ میں جب اپنے مسلح دستوں کے ساتھ نورجہاں اور لاڈلی بیگم کو لے کر شہر میں داخل ہوا تو شہر کے حاکم نے ہمارا بہترین انداز میں استقبال کیا۔ اس لئے کہ ہماری آمد سے پہلے اسے شاہ جہاں کے احکامات مل چکے تھے۔ لہٰذا مغلپورہ میں نورجہاں اور اس کی بیٹی لاڈلی بیگم کو ایک انتہائی خوبصورت اور وسیع حویلی مہیا کردی گئی ہے۔ جہاں وہ دونوں ماں بیٹی قیام کریں گی اور ان کے قریب ہی چند حویلیاں چھوڑ کر ایک حویلی مجھے دی گئی ہے جہاں میں قیام رکھوں گا۔ نورجہاں اور لاڈلی بیگم کے ساتھ مل کر شہنشاہ جہانگیر کے مقبروں کی تعمیر پر بھی نگاہ رکھوں گا۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ سروجنی اور شنکرناتھ میرے ساتھ اس حویلی میں رہیں۔''

اس پر جگن ناتھ کچھ سوچتے ہوئے کہنے لگا۔ ''بیٹے سمترا کے علاوہ کاش میری کوئی اور بیٹی آج ہوتی تو میں اسے تیرے ساتھ بیاہ دیتا۔ بچے اگر میں یہاں زیادہ رکوں گا تو آگرہ میں میرا کاروبار بالکل تباہ اور برباد ہوجائے گا۔ مجھے تمہاری اور سمترا کے بچے کی بڑی فکر تھی۔ لیکن چونکہ پورن نے اسے سنبھال لیا ہے۔ لہٰذا اس کی طرف سے ہمیں ایک طرح کی بےفکر ہوگئی ہے۔ بیٹے آج تم آئے ہو تو آج کی شب ہم تمہارے ساتھ بسر کریں گے اور کل تم سے اجازت لے کر ہم تینوں یہاں سے آگرہ کی طرف کوچ کر جائیں گے۔''

اس موقع پر پورن اپنی جگہ سے اٹھی' وہ چونکہ انتہا درجہ کی خوبصورت اور جسمانی لحاظ سے پرکشش تھی اس بنا پر وہ اٹھی تو یہی لگا کہ جیسے کمرے میں برق کی چکا چوند ہوگئی ہو' اٹھنے کے ساتھ ہی وہ رستم خاں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔ ''آپ کو بھوک لگی ہوگی میں کھانا تیار کرتی ہوں۔'' ساتھ ہی پورن نے رتن کو بھی اپنے ساتھ آنے کیلئے کہا' اس پر پورن اور رتن دونوں دیوان خانے سے نکل گئی تھیں۔

دونوں آگے پیچھے مطبخ میں داخل ہوئیں۔ ایک نشست پر پورن بیٹھ گئی۔ اس پر رتن اعتراض کرتے ہوئے کہنے لگی۔

''تم کھانا تیار کرنے کیلئے آئی ہو یا بیٹھنے کیلئے آئی ہو پورن سنجیدہ ہوگئی۔'' ایک گہری نگاہ اس نے رتن کماری پر ڈالی اور کہنے لگی رتن تھوڑی دیر میرے پاس بیٹھو آج میں تمہارے ساتھ ایک انتہائی اہم موضوع پر گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔

رتن بیٹھ گئی اور عجیب سے انداز میں پورن کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''کیسے موضوع پر گفتگو کرو گی؟''

جواب میں پورن نے سکھ کا ایک لمبا سانس لیا' پھر کہنے لگی۔

''رتن تم جانتی ہو آج تک سب لوگ مجھ سے پوچھتے رہے کہ میں جو بیکانیر سے نکل کر جس شخص کی تلاش میں آگرہ آئی جسے میں پسند کرتی ہوں جسے میں محبت کرتی ہوں وہ کون ہے۔''

''رتن میری عزیز بہن یہ سوال مجھ سے ہر شخص نے ایک نہیں کئی بار کیا' لیکن میں نے کسی سے اس کا جواب نہیں کہا' بس چپ سادھ لی۔ کوئی مجھے کہتا تھا کہ تم نے جسے چاہا ہے وہ کون ہے اور کہاں ہے' کوئی کہتا تھا کہ تم اس کا نام نہیں بتاتی ہو' کیا تمہیں اس نے رد کردیا ہے۔ کوئی یہ کہتا تھا جسے تم نے چاہا ہے کیا اس نے تمہیں نہیں چاہا۔ کوئی یہ بھی کہتا تھا کہ جس سے تم نے محبت کی ہے کیا وہ تم سے محبت نہیں کرتا۔ کئی عورتوں نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ جس کی خاطر تم بیکانیر سے آگرہ میں داخل ہوئی کیا وہ آگرہ میں ہے یا آگرہ سے نکل کر کہیں جا چکا ہے۔ اس کے علاوہ بے شمار سوال مجھ سے کیئے گئے لیکن میں نے ہر سوال کا جواب اپنے من میں رکھا۔ اپنے دل کا بھید کسی پر نہیں کھولا۔ اس لئے کہ جس وقت میں بیکانیر سے آگرہ پہنچی تھی جسے میں نے چاہا تھا وہ اس وقت آگرہ ہی میں تھے۔ لیکن حالات ایسے تھے کہ میں ان کا نام

کسی پر ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ میں نے ان کی ذات سے محبت کی تھی' اس لئے میں نہیں چاہتی تھی کہ میری وجہ سے ان کی ذات پر کوئی حرف گیری آئے یا میری وجہ سے ان کے مستقبل پر کوئی منفی اثرات پڑیں۔ اب حالات نے وہ پلٹا کھایا ہے کہ آج تک جتنے سوال مجھ سے کیئے گئے ان سب کا جواب جمع ہوکر مجھ سے یہ کہتے ہیں کہ مجھے اب اس راز سے پردہ اٹھا دینا چاہئے۔''

پورن کے ان الفاظ سے رتن کماری عجیب سے انداز میں اس کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ رتن سنبھلی ہلکی سی مسکراہٹ اپنے ہونٹوں پر بکھیری' پھر وہ پورن کو مخاطب کرکے کہنے لگی۔ ''پورن اگر یہ معاملہ ہے تو پھر اپنی ساری داستان مجھ سے کہو' تمہاری اس داستان کو اچھا انجام دینے کیلئے اگر کسی بھی موقع پر میری یا میرے شوہر زمان خاں کی مدد کی ضرورت ہوئی تو پورن تو ہم تیری پوری پوری مدد کریں گے۔ اب بولو معاملہ کیا ہے اور جس سے تم نے محبت کی ہے وہ کون ہے؟''

پورن نے گلا صاف کیا' ایک لمبا سانس لیا' پھر کہنے لگی۔

''جس سے میں نے محبت کی ہے وہ رستم خاں ہیں۔''

''کیا کہا تم نے۔'' چونکنے کے انداز میں رتن کماری نے پوچھ لیا تھا۔

''کیا میرا جواب سن کر تمہیں دکھ ہوا ہے۔ میں جانتی ہوں رستم خاں کو تم نے بھی پسند کیا تھا۔''

رتن کماری مسکرائی اور کہنے لگی۔

''اس میں کوئی شک نہیں کہ میں نے انہیں پسند کیا تھا' لیکن چونکہ اس رشتہ کیلئے انکار ہوگیا تھا' پھر سمترا سے ان کی شادی ہوگئی تھی۔ لہٰذا اب رستم خاں کی حیثیت میرے بھائی کی سی ہے اور خدا گواہ ہے کہ میں اب انہیں ایک بہن کی طرح ہی چاہتی ہوں' پر تم یہ تو کہو کہ تم تو بیکانیر کی رہنے والی ہو اور رستم خاں کا قیام آگرہ میں تھا' تم نے کیسے بھائی کو دیکھا اور اس پر فریفتہ ہوگئی۔''

پورن مسکرائی اور کہنے لگی۔

''اس میں کوئی شک نہیں کہ میں بیکانیر کی رہنے والی ہوں' لیکن رستم خاں نے جہانگیر کے تخت نشین ہونے کے بعد ایک عرصہ راجہ جگن ناتھ کی ریاست میں بھی گزارا تھا۔ اس کے

قیام کے دوران ہی سمترا اسے پسند کرنے لگی تھی۔ میں ایک بار راجہ جگن ناتھ کے ہاں گانے کیلئے گئی تھی وہاں سب نے میرے گانے کو پسند کیا' پر میں وہاں رستم خاں میں کھو گئی۔ اپنا آپ بھول گئی' چند دن وہاں رہ کر مجھے واپس جانا پڑا' حالانکہ رستم خاں کو چھوڑ کر واپس بیکانیر نہیں جانا چاہتی تھی پر حالات کی ستم ظریفی کہ مجھے جانا پڑا۔ میں وہاں قیام بھی نہیں کر سکتی تھی۔“

دوسری بار راجہ جگن ناتھ کے ہاں مجھے کسی نے بلایا نہیں تھا۔ میں اپنی مرضی سے وہاں گئی' وہاں بھی میں نے گایا لیکن اس بار میں صرف رستم خاں کی خاطر گئی تھی۔ جب میں واپس گئی تو بیکانیر میں میرا دل نہیں لگتا تھا۔ دل یہی چاہتا تھا کہ ہر وقت وہاں رہوں جہاں رستم خاں رہتا ہے۔ اس کے بعد مجھے پتہ چلا کہ رستم خاں آگرہ چلا گیا ہے۔ لہٰذا میں محبت کی ماری بیکانیر سے نکلی اور آگرہ پہنچ گئی۔ آگرہ پہنچ کر مجھے خبر ہوئی کہ راجہ جگن ناتھ کی بیٹی سمترا دل کی گہرائیوں سے رستم خاں کو پسند کرنے لگی ہے لہٰذا میں نے اپنا منہ بند کر لیا۔ ہر کسی نے پوچھا کہ میں بیکانیر سے اپنے ساجن کے پیچھے آئی ہوں اور وہ کون ہے جس کی محبت میں میں اس قدر کٹھنائیاں برداشت کر رہی ہوں' اس کا نام بتاؤ' جس کیلئے اتنی مسافت طے کر کے آگرہ پہنچی ہو' میں نے کسی سے کچھ نہ کہا۔

رتن میری بہن میری خواہش تھی کہ اللہ سمترا کو ایک لمبی عمر دیتا اور وہ ایک کامیاب بیوی کی حیثیت سے رستم خاں کے ساتھ رہتی' لیکن سمترا کی زندگی کے دن اتنے ہی تھے۔ لہٰذا وہ سب کو چھوڑ کر چلی گئی۔ میں نے اس راز سے پردہ اٹھا دیا ہے۔ اس لئے اٹھایا ہے کہ رستم خاں اگر دوسری شادی کرنا چاہیں تو میری یہ خواہش ہوگی کہ وہ مجھ سے شادی کریں۔ بس میری بہن میں نے تمہیں اس لئے بلایا ہے کہ تم پر اپنا یہ بھید ظاہر کروں۔ دراصل اسی بنا پر میں نے سمترا کے بیٹے کو بھی گود لے لیا ہے کہ میں اسے اپنا بیٹا سمجھ کر دیکھ بھال کروں گی۔ اس کی ہر خواہش کا احترام کروں گی۔ میں جانتی ہوں کہ سمترا بہت خوبصورت تھی۔ ہوسکتا ہے میں اس کی خوبصورتی کے معیار پر نہ اتروں' پر رتن کماری میری بہن۔

پورن کو خاموش ہو جانا پڑا۔ اس لئے کہ غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے رتن کماری کہنے لگی۔

”پورن یہ باتیں تمہیں زیب نہیں دیتیں۔ آگرہ میں لوگ کہتے تھے کہ رتن کماری بہت

خوبصورت ہے' لیکن میں جانتی تھی کہ میں سمترا سے کم خوبصورت ہوں' ساتھ ہی میں تم پر یہ بھی انکشاف کروں کہ پورن تم مجھ سے بھی زیادہ خوبصورت اور جسمانی لحاظ سے پرکشش ہو۔ لہٰذا اگر رستم خاں کو یہ خبر ہوئی کہ پورن اسے پسند کرتی رہی ہے تو میرا دل کہتا ہے وہ ضرور تمہیں اپنائے گا۔“

یہاں تک کہتے کہتے رتن کماری خاموش ہوگئی۔ اس لئے عین اسی لمحہ شنکر ناتھ مطبخ کے دروازے پر نمودار ہوا اور رتن کماری کی طرف سے دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”میری بہن بھائی رستم خاں نے مجھے بھیجا ہے کہ اب عصر تو ہوگئی ہے کھانا تیار نہ کریں شام کو سب اکٹھے ہی کھائیں گے۔“

اس پر رتن کماری کہنے لگی۔ ”چلو یہ بھی ٹھیک ہے۔ شام کو ایک عمدہ دعوت کا اہتمام کیا جائے گا اور اس دعوت میں بہت کچھ ہوگا۔“

رتن کماری کے ان الفاظ کو شنکر ناتھ کچھ سمجھا نہ تھا۔ وہ واپس چلا گیا۔

یہاں تک کہ رتن کماری اپنی جگہ سے اٹھی اور پورن کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”پورن تم یہیں بیٹھو میں ذرا دیوان خانے میں جاتی ہوں اور وہاں جا کے اس موضوع پر گفتگو کرتی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ معاملہ جلد اپنے انجام کو پہنچے۔ اس لئے راجہ جگن ناتھ سروجنی اور شنکر ناتھ یہاں سے آگرہ کی طرف کوچ کر جائیں گے یہ معاملہ میں چاہتی ہوں ان کی موجودگی میں طے ہو۔ اس بنا پر تم کوئی اعتراض نہ کرنا۔ پورن اب تم میری بہن ہو اور اپنی بہن کا مستقبل سنوارنا میرا کام ہے۔ میں اب مزید تمہیں دکھی دیکھنا پسند نہیں کروں گی۔“ اس کے ساتھ ہی پورن کے ردعمل کا انتظار کئے بغیر رتن کماری وہاں سے نکل کر دیوان خانے کی طرف ہو لی تھی۔

رتن کماری دیوان خانے میں داخل ہوئی۔ اسے اکیلا دیکھ کر سروجنی کہنے لگی۔ ”رتن بیٹی! پورن کو کہاں چھوڑ آئی ہو؟“ رتن آگے بڑھ کر ایک نشست پر بیٹھ گئی' کچھ دیر خاموشی رہی' پھر سب کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

”پورن کو میں خود چھوڑ کر آئی ہوں' پہلے میں آپ سب سے ایک انتہائی اہم موضوع پر گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔“

پھر رتن کماری نے رستم خاں کی طرف دیکھا' اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔

"رستم خاں میرے بھائی جب آپ نے اپنی جوانی کے شروع دنوں میں راجہ جگن ناتھ کے ہاں قیام کر رکھا تھا تو کیا پورن وہاں ایک بار گانے کیلئے بیکانیر سے آئی تھی۔"

رتن کماری کے اس سوال پر جگن ناتھ اور سروجنی چونک کر رتن کماری کی طرف دیکھنے لگے تھے۔ رستم خاں بھی جستجو میں پڑ گیا تھا' کہنے لگا ہاں پورن بیکانیر سے آئی تھی۔

"کیا اسے بلایا گیا تھا؟"

"ہاں اسے بلایا گیا تھا۔" اس بار جواب راجہ جگن ناتھ نے دیا تھا۔

"کیا وہ دوبارہ بھی آپ لوگوں کے ہاں آئی تھی۔"

"بالکل آئی تھی۔" جگن ناتھ پھر بولا تھا۔

"اور جب رستم خاں آپ کے ہاں سے آگرہ چلا آیا تو اس کے بعد پورن آگرہ پہنچی۔"

"ہاں آگرہ پہنچی تھی' پر معاملہ کیا ہے۔ کھل کر کہو۔" رستم خاں نے غور سے رتن کماری کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

رتن کماری نے گلا صاف کیا۔ اس کے بعد مطبخ میں جو پورن نے گفتگو کی تھی وہ تفصیل کے ساتھ رتن کماری نے سب سے کہہ دی تھی۔

یہ گفتگو سن کر جہاں رستم خاں سنجیدہ ہو گیا تھا' وہاں سب بے پناہ خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ اس موقع پر زمان خاں پہلی بار بولا اور کہنے لگا۔

"رستم خاں میرے بھائی تم سنجیدہ ہو گئے ہو' کیا تم نے اس معاملے کو پسند نہیں کیا۔"

اس پر رستم خاں بولا اور کہنے لگا۔

"زمان خاں بات یہ نہیں ہے۔ میں سوچتا ہوں پورن اپنے آپ پر اس قدر بڑا ظلم اور جبر کیوں کیا۔ اگر معاملہ یہ تھا تو اسے پہلے ہی بتا دینا چاہئے تھا۔ میں اور سمترا مل کر اس کا کوئی نہ کوئی حل ضرور نکال لیتے۔ سمترا جہاں خوبصورت تھی' وہاں فراخ دلی میں بھی اس کی یہی کیفیت تھی۔"

رستم خاں مزید کچھ کہنا چاہتا تھا کہ بات کاٹ کر راجہ جگن ناتھ بول اٹھا۔

"رتن کماری میری عزیز بیٹی تو نے یہ انکشاف کر کے ہم سب کے دل خوش کر دیئے ہیں۔ بیٹی کل ہم نے یہاں سے کوچ کرنا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ کوچ سے پہلے پہلے رستم

خاں اور پورن دونوں کو رشتہ ازدواج میں منسلک کر دیا جائے۔ اگر ایسا ہوتا ہے تو پھر ہم سمترا کے بیٹے کی طرف سے بھی بالکل بے فکر ہو جائیں گے۔"

اس موقع پر رستم خاں اٹھ کھڑا ہوا اور رتن کماری کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"میں اس موضوع پر خود پورن سے بات کرتا ہوں۔" رستم خاں کے ساتھ زمان خاں بھی اٹھ کھڑا ہوا اور رستم خاں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"میرے بھائی تم پورن کی طرف جاؤ اور میں قاضی کی طرف جاتا ہوں' اس لئے کہ آج ہی تمہارے اور پورن کے نکاح کا اہتمام کیا جائے گا تاکہ پورن کے ساتھ لاہور میں تم اپنی خوشگوار ازدواجی زندگی کی ابتداء کرو۔"

اس کے ساتھ ہی مزید کچھ کہے بغیر زمان خاں وہاں سے نکل گیا تھا۔ رستم خاں بھی باہر نکلا' سیدھا مطبخ کی طرف گیا۔ جب وہ مطبخ کے دروازے پر آیا تو اسے وہاں دیکھ کر پورن گھبرا سی گئی تھی۔ ایک دم اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی' دروازے پر رک کر ایک گہری نگاہ رستم خاں نے پورن پر ڈالی' پھر کہنے لگا۔

"کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟"

پورن کپکپا رہی تھی' غور سے رستم خاں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"اندر آنے کیلئے آپ کو کسی سے اجازت تو لینے کی ضرورت نہیں ہے۔"

رستم خاں اندر داخل ہوا اور جو تفصیل رتن نے دیوان خانے میں بتائی تھی اس کا ذکر کرتے ہوئے پورن سے کہنے لگا۔ "جو رتن نے کہا ہے کیا وہ درست ہے؟"

پورن منہ سے کچھ نہ بولی۔ تاہم اس نے اثبات میں گردن ہلا دی تھی۔ اس پر رستم خاں شکووں بھری آواز میں کہنے لگا۔ "اگر یہ معاملہ تھا اور میری خاطر بیکانیر سے آگرہ میں آئی تھی تو پھر تمہیں مجھ سے چھپانے کی کیا ضرورت تھی۔ میں نے بھی تم سے کئی بار پوچھا' بیشمار لوگوں نے تمہارے آنے کی وجہ پوچھی تم سے یہ بھی جاننے کی کوشش کی گئی کہ تم کسے پسند کرتی ہو اور کس کی خاطر دھکے کھاتے ہوئے تم بیکانیر سے آگرہ میں آئی ہو' تو تم نے کچھ نہیں بتایا۔ تمہیں کم از کم میرے سامنے تو اس کا ذکر کر دینا چاہئے تھا۔"

رستم کے ان الفاظ پر پورن کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں' رستم خاں پھر بولا۔

"اگر تم یہ سمجھتی تھی کہ سمترا مجھے پسند کرتی ہے اور تمہارے ساتھ انصاف نہیں ہوگا تو پھر

تمہاری غلط فہمی تھی۔ اگر تم اسی وقت بتا دیتی تو میں تمہارے ساتھ بھی انصاف کرتا۔ سمترا بڑی فراخ دل تھی' میں بیک وقت تم دونوں کو اپنے ساتھ رکھ سکتا تھا۔ اب میں تمہیں اکیلا نہیں چھوڑوں گا۔ زمان خاں قاضی کو لینے گیا ہے تھوڑی دیر بعد میرے اور تمہارے نکاح کا اہتمام کر دیا جائے گا' تم میرے ساتھ میری بیوی کی حیثیت سے لاہور میں اس حویلی میں رہو گی جو مغلپورہ میں مجھے دی گئی ہے۔"

پورن کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔ آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔ اس نے نگاہ اٹھا کے تشکر بھری ایک نگاہ جب رستم خاں پر ڈالی تو اس کی آنکھوں سے آنسو زمین پر گر گئے تھے۔ رستم خاں نے آگے بڑھ کر اپنے عمامے کے پلّو سے اس کی آنکھیں صاف کیں۔ اس موقع پر پورن میں چاہت بھرے انداز میں اپنا سر رستم خاں کے شانے پر رکھ دیا تھا۔ رستم خاں نے اس کے سر پر بوسہ دیا اور کہنے لگا۔

"اب تم اکیلی نہیں ہو' تم میرے ساتھ میری بیوی کی حیثیت سے رہو گی۔"

اس کے ساتھ ہی رستم خاں مطبخ سے نکل گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد زمان خاں لوٹ آیا اور رستم خاں اور پورن کے نکاح کا اہتمام کر دیا گیا تھا۔ اسی روز شام کے وقت زمان خاں کے ہاں ایک شاندار دعوت کا اہتمام کیا گیا۔ اس دعوت کا اہتمام زمان خاں نے رستم خاں اور پورن کی شادی کی خوشی میں کیا تھا۔ اگلے روز راجہ جگن ناتھ' سروجنی اور شنکر ناتھ آگرہ کی طرف روانہ ہو گئے تھے جبکہ رستم خاں پورن اور اپنے بیٹے کو لے کر مغلپورہ میں اپنی نئی حویلی میں منتقل ہو گیا تھا۔

(تمت بالخیر)